معارف القرآن

13

تصنیف

حضرت مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب حفظہ اللہ

ناشر: جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

معارف الفرقان

سورۃ الجمعہ ۔۔۔ تا ۔۔۔ سورۃ الملک

جِلد 13

تصنیف

اُستاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر

حضرۃ مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب مدظلہ

سابق اُستاذ جامعہ اشرفیہ لاہور بانی ومہتمم جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

اِدارہ آبِ حیات ٹرسٹ لاہور غوث گارڈن 2 جی ٹی روڈ مناواں لاہور کینٹ
رابطہ نمبرز 0300-0321-9458876

☼ سابق استاذ جامعہ اشرفیہ لاہور ☼ پرنسپل جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور
☼ سابق شیخ الحدیث جامعہ مفتوحہ لاہور ☼ سابق شیخ التفسیر جامعہ رحیمیہ لاہور
☼ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ آب حیات لاہور ☼ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ شان دار لاہور
☼ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ تحفہ خواتین لاہور ☼ ماہ نامہ صدائے جمعیت لاہور
☼ امیر جمعیت تحفظ اسلام پاکستان ☼ صدر ادارہ آب حیات ٹرسٹ
☼ متولی جامع مسجد عارفی مناواں لاہور ☼ خطیب ٹاؤن ھال لاہور

ضابطہ

نام کتاب ---------- معارف الفرقان جلد ⑬
نام مصنف ---------- مولانا محمود الرشید حدوٹی
ناشر ---------- ادارہ آب حیات ٹرسٹ
مطبع ---------- عبد اللہ زبیر پرنٹنگ پریس لاہور
طبع اول ---------- جولائی ۲۰۱۹ء
تعداد طبع اول ---------- ۱۰۰۰
اشاعت طبع دوم ----------
تزئین طبع ثانی ---------- ادارہ آب حیات لاہور

معارف الفرقان جلد ⑬

اپنی بات: محمود الرشید حدوٹی	۶	منکرین کا عبرتناک انجام	۷۵
تقریظ: شیخ الحدیث مفتی مبشر احمد بشری	۱۰	اللہ، رسول اللہ اور کتاب اللہ پر ایمان	۷۸
تعارف سورۃ الجمعہ	۱۳	یوم التغابن سے کیا مراد ہے؟	۷۹
{سورۃ الجمعہ}	۱۶	مصیبت اللہ کی اجازت سے آتی ہے	۸۲
کائنات ہستی کی تسبیح خوانی	۱۶	اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم	۸۶
امیوں میں بعثت نبوی ﷺ	۲۰	مال اور اہل وعیال باعث فتنہ	۸۷
کتابوں کا بوجھ لادا گدھا، بے عمل عالم	۲۶	تقویٰ، سمع، طاعت، انفاق، بخل	۹۱
موت سے کسی کو مفر نہیں	۲۹	قرض حسن کی فضیلت	۹۴
جمعہ کی اہمیت اور فضیلت	۳۵	اللہ غیب وحاضر کو جانتا ہے	۹۶
تعارف سورۃ المنافقون	۴۷	تعارف سورۃ الطلاق	۹۸
{سورۃ المنافقون}	۴۹	{سورۃ الطلاق}	۱۰۰
منافقین کے احوال	۴۹	عدت کے احکام	۱۰۰
منافقین کا ظاہر وباطن	۵۶	عائلی قوانین اور متقی کا رزق	۱۰۹
منافقین کا تکبر اور دعائے بخشش ممانعت	۵۸	بڑی چھوٹی عمر والیوں کی عدت	۱۱۶
منافقین کی ایک اور یاوہ گوئی	۶۱	مطلقہ کی رہائش اور نان ونفقہ	۱۲۱
حب مال واولاد اور ذکر اللہ	۶۳	نان ونفقہ کے اُصول کا تعین	۱۲۴
تعارف سورۃ التغابن	۶۹	سزا اور جزا	۱۳۲
{سورۃ التغابن}	۷۱	سات آسمان اور سات زمینیں	۱۴۰
رب تعالیٰ کی باکمال ہستی	۷۱	تعارف سورۃ التحریم	۱۸۷

{سورۃ التحریم}	۱۸۹	سات آسمانوں کی تخلیق	۲۴۲
کسی حلال کو حرام قرار دینا	۱۸۹	آسمانوں کا وجود اور الہامی کتابیں	۲۴۳
قسم توڑنے کا کفارہ	۱۹۱	لوازم بادشاہت	۲۴۶
رازدانی اور افشائے راز	۱۹۴	آسمان کہاں ہے؟	۲۴۷
اپنی اور اپنے اہل وعیال کی دینی تربیت	۱۹۶	زمین سے آسمان تک کی مسافت	۲۴۷
بروز محشر کافروں کی معذرت قبول نہیں	۲۰۱	ستاروں کو ملائکہ نے تھام رکھا ہے	۲۴۹
توبہ نصوح کا حکم	۲۰۲	آسمان دنیا کی تزئین وآرائش	۲۵۴
کافروں سے جہاد، منافقوں پر سختی	۲۰۶	کافروں کا انجام	۲۵۸
بداعمال والے اور قرب صالحین	۲۰۷	رب سے ڈرنے والوں کا انعام	۲۶۲
بڑے کافر کی مسلمان بیوی	۲۰۹	رازہائے سربستہ سے آگاہ	۲۶۴
حضرت مریم بنت عمران	۲۱۳	محسن اعظم ﷺ کے احسانات	۲۶۶
تعارف سورۃ الملک	۲۱۶	زمینی اور فضائی حملہ کی دھمکی	۲۶۸
{سورۃ الملک}	۲۱۸	قدرت خداوندی	۲۷۳
فضائل سورۃ الملک	۲۱۸	کفار کی خود فریبی پر انتباہ	۲۷۷
برکت کیا ہوتی ہے؟	۲۲۶	کافر ومومن کی مثال	۲۷۹
بیدہ الملک	۲۳۲	کان، آنکھوں اور دلوں کی تخلیق	۲۸۰
وھو علی کل شئ قدیر	۲۳۳	جدھر سے آنا ہوا ادھر ہی جانا ہے	۲۸۹
موت وحیات باعث آزمائش	۲۳۴	قیامت کا منظر وپس منظر	۲۹۰
حیات کے کئی معانی ہیں	۲۳۶	پانی اگر گہرائی میں چلا جائے؟	۳۱۷

اپنی بات

قارئین محترم! بندہ عاجز و مسکین (حدوٹی) کی طرف سے اپنے کرم فرماؤں کی خدمت میں پیش کی جانے والی سوالی جوابی تفسیر کی یہ تیرہویں جلد ہے، واقفان حال کا کہنا ہے کہ فی الحال روئے زمین پر اردو زبان میں اس اسلوب نگارش میں پیش کی جانے والی یہ اپنی نوعیت کی منفرد اور اکلوتی تفسیر ہے، متقدمین میں سے کسی نے یہ اسلوب اختیار نہیں کیا اور اس گئے گزرے دور میں اس فقیر کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت بخشی ہے، گویا کہ سوالی جوابی شکل میں یہ پہلی تفسیر ہے۔

جب یہ بات نوک قلم سے تحریر کی جاتی ہے کہ یہ تفسیر اپنے اسلوب نگارش کے لحاظ سے منفرد ویگانہ ہے تو اس کا یہ مطلب بالکل نہیں، واللہ باللہ تاللہ علی اللہ اس کا مقصد یہ بالکل نہیں کہ راقم اثیم نے کہیں مجتہدانہ تفسیر تحریر کرنا شروع کی ہے، نہ بالکل نہیں، اس کی سطر سطر، اس کا صفحہ صفحہ بولتا ہے بلکہ چیخ چیخ کر دہائی دیتا ہے کہ یہ جو کچھ آپ کی خدمت عالیہ میں بصد ادب واحترام پیش کیا جاتا ہے۔

یہ انہی اکابرین کے دروازوں سے ملنے والی علمی خیرات ہے، یہ انہی کے صحن چمن سے ملنے والے پھول ہیں، یہ انہی کی آہ سحر گائیوں کا ثمرہ ہے، یہ انہی کی کاوشوں اور جانفشانیوں کا صلہ ہے جو انہوں نے اپنی ساری زندگیاں قرآن وسنت کے لیے کھپا کر ہماری آغوش فقر میں منتقل کیں، اس میں اپنے مجتہدانہ خیالات اور میری رائے کی گردان بالکل نہیں ہے، اس میں راقم نے جو بھی جملہ لکھا ہے تو یہی عرض کیا کہ میرے فلاں بزرگ نے یوں لکھا ہے، میرے فلاں حضرت نے یوں تحریر فرمایا ہے، حوالے ساتھ ساتھ موجود ہیں، جہاں سے چیز اٹھائی گئی اس جگہ اور مقام کا نام بھی بصد ادب عرض کر دیا گیا ہے۔

اس وقت میری ڈی جیٹل لائبریری میں وہ تمام تفاسیر دستیاب ہیں جو عربی زبان میں اہل علم وکمال نے تحریر کیں، اسی طرح اردو جیسی لشکری زبان میں لکھی جانے والی تقریباً تمامی تفاسیر میری

لائبریری میں موجود ہیں، اس لحاظ سے میرا دامن علمی ذخیرے سے مالا مال ہے، میں ان سب اہل علم وکمال کا خوشہ چین ہوں، ان کے دستر خوان علم کا ریزہ چین ہوں، ان کے لیے دعائیں ہر بن مو سے نکل رہی ہیں، جنہوں نے ہمارے دامن کو علمی سوغات سے سیر اب کیا۔

اس تفسیر کے نقوش مرتب کرنے میں اس عاجز و مسکین بندے نے عربی کی بڑی بڑی تفاسیر کی زیارت کرلی ہے، اردو زبان میں زیور طباعت سے آراستہ ہونے والی تفاسیر کو دیکھنے، پڑھنے اور سمجھنے کا موقع ملتا رہا ہے، اپنے جلیل القدر مفسرین کرام کی نگارشات سے مستفید اور لطف اندوز ہونے کی سعادتیں سمیٹی ہیں۔ وللہ الحمد

اگست ۲۰۱۵ء میں اس سفر سعادت کا آغاز ہوا تھا، اسی سال اس کی پہلی جلد پایہ تکمیل کو پہنچی تھی، پھر ۲۰۱۶ء میں تین جلدیں پیش کی گئیں، اسی طرح ۲۰۱۷ء میں بھی تین جلدیں پیش کی گئیں، ۲۰۱۸ء کے چوتھے مہینے میں تفسیر کی آٹھویں جلد پایہ تکمیل کو پہنچی، دسمبر ۲۰۱۸ء کے اختتام تک معارف الفرقان کی بارہ جلدیں مکمل ہوئیں اور زیور طباعت سے بھی آراستہ ہو گئیں، الحمدللہ علی ذالک۔

اس وقت میرے کرم فرماؤں کے سامنے معارف الفرقان کی تیرہویں جلد ہے، جو سابقہ جلدوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مواد سمیٹے ہوئے ہے، گزشتہ کے مقابلے میں اس کے صفحات بھی زیادہ ہیں، سابقہ جلدوں میں کہیں کہیں سے آیات کی تفسیر کی گئی تھی، مگر ہمارے ایک مخلص، دین کا درد رکھنے والے دوست جناب الحاج میاں محمد افضل صاحب حفظہ اللہ صدر اسلامک فاؤنڈیشن نے جب میری اس علمی کاوش کو دیکھا تو بے ساختہ الفاظ ادا کیے کہ مولانا! یہ تو بہت زبردست کام ہے، مگر آپ نے سوال جواب کی شکل کیوں اختیار کی؟ آپ عام مفسرین کے طریقے پر ہی چلتے، دوسرا انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ نے چیدہ چیدہ آیات کی تفسیر کیوں کی؟ آپ بالترتیب لکھتے، پہلے سوال میں انہوں نے مجھے اکابرین مفسرین کی تقلید اختیار کرنے کا حکم دیا، جب کہ دوسری میں تعجب کا اظہار کیا، چنانچہ میں نے اپنے اسلاف مفسرین کی لکھنے کے لحاظ سے تقلید نہیں کی مگر ان کی دوسری خواہش پوری

کر دی کہ ایک ایک آیت کے ذیل میں تفسیر لکھ دی، حالانکہ انہوں نے بھی قرآن کریم کی لاجواب تفسیر لکھی ہے، جس کے آخری پانچ پارے زیور طباعت سے آراستہ ہو گئے ہیں، الحمدللہ

میری تفسیر اور میری تحریریں پڑھنے والے سعادت مند بہن بھائیوں سے ایک عاجزانہ، برادرانہ، دوستانہ درخواست تو کر ہی سکتا ہوں اور یہ میرا حق بھی ہے کہ وہ اپنی نیک دعاؤں میں مجھے یاد رکھیں، چونکہ میں نے اپنی زندگی کا نشیب و فراز، اوڑھنا بچھونا اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر شبانہ روز ایک کرنے کو قرار دیا ہے، اتنا بڑا فیصلہ عملی جامہ کیسے پہنائے گا ادعیہ صالحہ کے بغیر۔

رب تعالیٰ کی عالی بارگاہ میں مجھے یقین ہے کہ وہ اس فقیر کے دست حقیر سے تحریر کی گئی اس متواضع تفسیر کو قبول فرما کر اس کی فلاح دنیوی واخروی کا ذریعہ بنائے گا، اس کی بارگاہ میں مایوسی تو ہے ہی نہیں کیونکہ وہ گبر و ترسا پر رحم کرتا ہے اور انہیں ہدایت کی دولت دے کر ابدالآباد کی جنت کا حقدار بنا دیتا ہے۔

میرے خیالات اور ارادوں کی جلد تکمیل ہو جاتی تو یہ تفسیر ایک سال پہلے تکمیل کے مراحل طے کر لیتی، مگر میرے قادر و قدیر و مقتدر رب کی چاہت شاید ابھی اس کی تکمیل نہیں کر رہی تھی، چونکہ اسباب و وسائل کی دستیابی کے باوجود اس کے علاوہ بھی کچھ خیر و نیکی کے کام میری ذمہ داریوں میں شامل ہیں، جمعۃ المبارک کا خطبہ، مدرسہ کی ہلکی پھلکی ذمہ داریاں، دینی پروگراموں میں کہیں کہیں شرکت، اس کے علاوہ باقاعدگی سے ماہنامہ آب حیات، ماہنامہ تحفہ خواتین، ماہنامہ شاندار اور ماہنامہ صدائے جمعیت کی اشاعت بھی ہے، ان رسائل کی ادارت، طباعت، نشر و اشاعت یہ سب اس فقیر کی ذمہ داریوں میں شامل ہے، پھر تفسیر کے لیے بھی وقت نکالنا پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی وقت میں برکت دینے والا ہے، خیر کے یہ سارے کام اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق ہی سے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا، وہ چاہتا ہے تو اپنے بندوں کو خیر کے کام میں شبانہ روز لگائے رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا کرتا رہے، ہمہ وقت اسی سے التجا اور درخواست ہے کہ وہ توفیق دیے رکھے۔

پیش نظر تیرہویں جلد ہے، جب کہ سورۃ المرسلات پر چودھویں جلد مکمل ہو رہی ہے، اس لحاظ سے اب مجھے یقین ہو چکا ہے کہ ان شاء اللہ تیس پاروں اور ایک سو چودہ سورتوں کی تفسیر معارف الفرقان پندرہ جلدوں میں مکمل ہو گی۔ اللہ تعالیٰ اپنا خصوصی فضل و کرم فرمادے، آسانی فرمادے۔

خادم اسلام، محمود الرشید عباسی حدوٹی

حال وارد حدوٹ، مری

۸ جولائی ۲۰۱۹ء بروز پیر، بوقت سوا بارہ بجے دن

☆☆☆☆

پیش نظر معارف الفرقان کے ابتدائیہ کی یہ سطور بندہ راقم الحروف نے ۸ جولائی ۲۰۱۹ء کو تحریر کی تھیں، جس پر یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ معارف الفرقان پندرہ جلدوں میں پایہ تکمیل کو پہنچے گی، مگر جب تیسواں پارہ لکھنا شروع کیا تو وہ ایک جلد میں نہ سما سکا، تیسواں پارہ دو جلدوں پر طبع ہوا، جو چھوٹے اسٹینڈرڈ سائز کی دو جلدیں تھیں، اب جب کتاب کو ریسائز کیا گیا تو بھی دو جلدیں ہی رہنے دی گئی ہیں، اب طباعت جدید کے وقت یہ بات طے کی جائے گی کہ ہر جلد الگ الگ چھپے گی یا پھر دو دو جلدیں شائع ہوں گی، بہر حال یہ ماہرین طباعت ہی فیصلہ کریں گے کہ یہ کس طرح زیور طباعت سے آراستہ ہو گی۔ اللہ کی بارگاہ عالیہ میں عاجزانہ دعا ہے کہ وہ اس طرح معارف الفرقان کو زیور طباعت سے آراستہ کروادے جو پڑھنے والوں کو پسند آجائے، قارئین میں شوق و ذوق پیدا ہو، یہ شوق مطالعہ اسی وقت بڑھتا ہے یا بڑھنے کا امکان پیدا ہو تا جب دیکھنے والوں کو کوئی چیز اچھی دکھائی دیتی ہے، ہماری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بہترین انداز میں طبع کروانے کی توفیق دے۔ آمین یارب العالمین

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی

۱۶ دسمبر ۲۰۲۵ء بروز منگل

تقریظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

شیخ الحدیث والتفسیر، حضرت العلام مولانا مبشر احمد بشری صاحب

استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور

رب قدوس، خالق النفوس والشموس نے تخلیق انسان کے بعد، عروج وارتقاء انسانیت کے لیے وحی اور بعثت انبیاء ورسل کا تسلسل جاری فرمایا، اور ان کے توسط سے انسانیت کو اوج ثریا تک پہنچایا اور قرآن مجید کو دستور زندگی و قانون فطرت بنایا اور قرآن حکیم میں مبینہ علوم ومعارف وجواہر حکمت ومواعظ ونصیحت کو ہر دور وازمنہ کے لیے راہنمائی بنادی اور رشد وہدایت تا قیام قیامت بنی نوع انسان کے جملہ انفرادی، خاندانی، اجتماعی، اخلاقی، سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی امور کے لیے کامل وجامعیت کے ساتھ فراہم کردی۔

حقیقت کلیہ۔ یہ حقیقت کلیہ ہے کہ قرآن فہمی اور تمسک بالقرآن میں ہی انسانیت کی معراج اور اس گریزی میں زوال مضمر ہے، فصاحت قرآن۔ قرآن مجید کی بعثت عربی ہے، جسے فصاحت، بلاغت اور قواعد واصول کا انسائیکلوپیڈیا کہا جاتا ہے، اس کے ایک ایک حرف وکلمہ میں متعدد معانی پنہاں ہیں۔

فہم قرآن کے لیے اس زبان کی معرفت نزول، ناسخ ومنسوخ، علوم الٰیہ وعالیہ، خاص کر لغت عرب کے ساتھ ساتھ محاورہ عرب کی معرفت از حد ضروری ہے، ان کے بغیر قرآن مجید کے معنیٰ ومراد، نظم واسلوب، اور مفہوم ومدلول کو سمجھنا مشکل بلکہ ناممکن ہے، قرآن کلام بشر نہیں ہے بلکہ خالق ومالک کا کلام ہے، جو فصاحت وبلاغت اور اعجاز علمی میں اپنی مثال آپ ہے، اس عظیم المثال وفقید النظیر کلام کی مثل لانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، یا سوئی کے ناکہ میں اونٹ گزارنا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے

قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (۸۸)(الإسرا ء) یعنی اگر انس وجان جمع ہو کر اور ایک دوسرے کی مدد کر کے بھی اس کی مثل لانا چاہیں تو ہر گز نہ لا سکیں گے۔

انسان کی محرومی یا شومئ قسمت۔ آج مادی سوچ اور دنیوی حرص وہوس نے انسان کو قرآن مجید تدبر و تفکر سے محروم کر دیا ہے اور عمومی فکر و نظر ہیں، اس حد تک تغیر رونما ہو چکا ہے کہ وہ صحیفہ ہدایت جو ہماری زندگی وحیات میں انقلاب برپا کرنے کے لیے آیا تھا، ہم نے اسے محض کتاب ثواب بنا رکھا ہے بلکہ اپنے طاقچوں میں سجا رکھا ہے، ہماری یہ کتنی محرومی وشومئ قسمت ہے کہ جو کتاب اور آئین زندگی اپنے دامن رحمت میں اس قدر تبحر اور وسعت لیے ہوئے ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ میں سمندر کی گہرائیاں پنہاں ہیں اور جس قدر اس میں غور و فکر کیا جائے تو معانی ومفاہیم کے نت نئے اسلوب افق پر ظہور پذیر ہوتے ہیں، کما قال النبی ﷺ لَا تَنقَضِي عَجَائِبُهُ کہ اس کے عجائبات ہی نہیں ختم ہوتے، تو ہم نے اس سے رخ پھیر لیا ہے۔

مفسر کی شرائط: جہاں عوام الناس اس سے غافل ہیں وہاں پڑھا لکھا طبقہ اپنے مادی و تاریخی وادبی علوم کے بل بوتے پر اس کی تفسیر لکھنا شروع کر دیتا ہے اور تراجم کو سامنے رکھ کر درس قرآن شروع کر دیتا ہے اور عوام الناس کو غلط نظریات وباطل خیالات، شیطانی توہمات تک پہنچا دیتا ہے، قرآن مجید کی تفسیر و تشریح و تعلیم و تفہیم کی روشنی میں راہنمائی کرے اور اس کے معانی ومطالب کو سمجھائے، ورنہ بجائے سعادت کے شقاوت، بجائے فضیلت کے ہزیمت وذلت، بجائے شرف کے حرف، بجائے جنت کے جہنم میں داخل ہو گا۔

عظیم سکالر مخدومی وسیدی علامہ حدوٹی صاحب۔ اسی صورت حال کو بھانپتے ہوئے علامہ مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے ماہ نامہ آب حیات کو تفسیر قرآن کی شکل دی، جو شخص بھی اس علمی آب حیات سے فیضیاب ہو گا، حیات ابدی حاصل کرے گا۔

علامہ حدوٹی مدظلہ العالی کا شمار منجھے ہوئے ادیبوں، محقق مصنفین، معتدل مفسرین اور عمدہ مدرسین اور سلف صالحین، جید مقررین اور راہ سلوک کے طالبین میں ہوتا ہے، ان کی تالیفات قدیم وجدید علوم واسلامی اخلاقیات وآداب سے مزین، اکابر عمائدین کے فقہی، منطقی، فلسفیانہ جواہرات سے مبرہن ہوتی ہیں۔

اور متنوع موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں تو ان کی تحریر ختم ہونے کو ہی نہیں آتی، ان کی جملہ تحریرات میں جہاں علم و تحقیق کی سلسبیل پوری آن بان کے ساتھ رواں دواں وجاری ساری رہتی ہیں، وہاں وہاں ان کی طلاقت لسانی وادبی جہانبانی وہمہ قسم کامرانی کے ڈنکے بجے ہوئے ہیں۔

علامہ حدوٹی سے میری ملاقات: مولانا موصوف سے پہلی ان کے تعمیر کردہ جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور میں ہوئی، میرے ساتھ میرے دیرینہ دوست، متعدد کتب کے مصنف، عظیم المرتبت مولانا حافظ خلیل الرحمان راشدی صاحب رئیس جامعہ ابوہریرہ چنوں موم ضلع سیالکوت راہبری کے فرائض سرانجام دے رہے تھے، پہلا دیدار ہی دل پر وار ثابت ہوا، مولانا حدوٹی کے ہم اسیر ہوگئے، بقول شاعر

ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میر ہوئے سب ہی ان کی محبت میں اسیر ہوئے

عمدہ کھانوں سے ہماری تواضع کی گئی اور علمی سوغات اپنی تمام تر تالیفات وتصانیف تحفتاً وہدیتاً عنایت فرمائیں، جن میں خاص کر ان کی بہترین تفسیر معارف الفرقان کی پانچ جلدیں بھی شامل تھیں۔

حدوٹی صاحب مدظلہ نے معارف الفرقان میں قرآنی علوم ومعارف کے بحر بیکراں سے موقع ومحل کی مناسبت سے ضروری واہم تعلیمات کو سوال وجواب کی صورت میں سہل ترین بنادیا ہے، جس سے ہر اردو خواں طبقہ بآسانی مستفید ہوسکتا ہے، بندہ حقیر وپر تقصیر مبشر احمد بشری دعاگو ہے کہ رب قدوس، خالق النفوس والشموس موصوف کی یہ علمی خدمات قبول فرمائے اور ان کی جملہ تصانیف کو فیض عام بنائے اور ان کا سایہ ہم پر تادیر قائم ودائم رکھے۔ آمین یارب العالمین

تعارف سورۃ الجمعہ

سوال سورۃ الجمعہ کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ الجمعہ قرآنِ کریم کی نہایت اہم اور جامع مدنی سورت ہے، جو امتِ مسلمہ کی دینی، علمی، اخلاقی اور اجتماعی زندگی کے بنیادی اصولوں کو نہایت بلیغ اور مؤثر انداز میں واضح کرتی ہے۔ جمہور مفسرین، جن میں امام طبری رحمہ اللہ، امام ابن کثیر رحمہ اللہ، علامہ قرطبی رحمہ اللہ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ شامل ہیں، اس پر متفق ہیں کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، کیونکہ اس میں نمازِ جمعہ کی فرضیت، مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داریوں اور یہودِ مدینہ کے طرزِ عمل کا ذکر ہے، اور یہ تمام امور مدنی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

ترتیب نزولی کے لحاظ سے سورۃ الجمعہ کا ۱۱۰واں نمبر ہے، ترتیب قرآنی کے مطابق ۶۲واں نمبر ہے، یہ دو رکوع اور گیارہ آیات پر مشتمل ہے، سورۃ الجمعہ سے سورۃ التحریم تک سورۃ الحدید کے مضمون انفاق فی سبیل اللہ کا بیان ہے جو کہ جہاد کے لیے ضروری ہے، سورۃ الصف میں بعثت رسول اللہ ﷺ کی بشارت تھی، اب الجمعہ میں بعثت کے وقوع کی خوشخبری ہے۔ (عقد الجواہرات)

میرے استاذ حضرت مولانا خادم حسین شجاعبادی سورۃ الجمعہ کے تعارف میں لکھتے ہیں کہ اس سورۃ میں توحید کے دعویٰ کے ساتھ رسالت و فرائض رسول ﷺ بیان کیے گئے ہیں، اس سورۃ میں بد عملی کی تمثیل بیان کی گئی ہے، دعوت مباہلہ دی گئی ہے، جہاد کی ترغیب دی گئی ہے، ذکر و تعلیم کی ترغیب دی گئی ہے، جمعہ کی فرضیت اور اہل ایمان سے شکوہ کیا گیا ہے۔ (عقد الجواہرات خلاصۃ السور والآیات)

اس سورت کا آغاز اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر تسبیح سے ہوتا ہے، جس کے ذریعے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ کائنات کی ہر شے اپنے خالق کی اطاعت میں مشغول ہے، پھر اسی کے ساتھ رسولِ اکرم ﷺ کی بعثتِ مبارکہ کا ذکر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امّیوں میں ایک عظیم رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا، جو اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں، لوگوں کا تزکیہ فرماتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

مفسرین نے تصریح کی ہے کہ یہاں بعثتِ نبوی ﷺ کے تین بنیادی مقاصد، تلاوتِ آیات، تزکیۂ نفوس اور تعلیمِ کتاب وحکمت کو جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے، جو پوری اسلامی تعلیم کا خلاصہ ہیں۔

اس کے بعد سورت میں بنی اسرائیل کا تذکرہ آتا ہے، جنہیں تورات جیسی عظیم کتاب دی گئی، مگر انہوں نے اس کے احکام پر عمل نہ کیا، اس علمی و عملی تضاد کو قرآنِ کریم نے نہایت سخت اور بلیغ مثال کے ذریعے واضح فرمایا کہ وہ اس گدھے کی مانند ہیں جو کتابوں کا بوجھ تو اٹھائے ہوئے ہو مگر ان سے کوئی فائدہ حاصل نہ کرتا ہو۔

اربابِ تفسیر نے لکھا ہے کہ اس مثال کا اصل مقصد محض یہود کی مذمت نہیں، بلکہ امتِ مسلمہ کو تنبیہ کرنا ہے کہ وہ بھی علم کو محض بوجھ نہ بنائے بلکہ اسے عمل اور اصلاح کا ذریعہ بنائے۔

سورۃ الجمعہ میں موت اور آخرت کی حقیقت کو بھی نہایت واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ موت سے فرار ممکن نہیں، ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے، جو غیب وشہادت کا جاننے والا ہے اور وہی انسان کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا، اس مضمون کے ذریعے دنیا کی فانی رغبتوں سے دل ہٹا کر آخرت کی جواب دہی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

اس سورت کا ایک نہایت اہم اور امتیازی حصہ نمازِ جمعہ سے متعلق ہے، جہاں صاف اور دوٹوک انداز میں حکم دیا گیا ہے کہ جب جمعہ کی اذان دی جائے تو تمام خرید و فروخت اور دنیاوی مشاغل چھوڑ کر اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو۔ مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ یہاں ''ذکرِ اللہ'' سے مراد خطبۂ جمعہ اور نماز دونوں ہیں اور اس حکم میں امت کی اجتماعی تربیت، دینی وحدت اور روحانی بیداری کا مکمل نظام مضمر ہے، بعد ازاں یہ بھی واضح فرمایا گیا کہ نماز کے بعد زمین میں پھیل کر رزقِ حلال تلاش کرنا منع نہیں، بلکہ مطلوب یہ ہے کہ دنیا اور دین کے درمیان صحیح توازن قائم رکھا جائے۔

سورت کے آخری حصے میں ان لوگوں پر تنبیہ کی گئی ہے جو خطبۂ جمعہ کے دوران تجارتی قافلہ دیکھ کر نبی کریم ﷺ کو کھڑا چھوڑ گئے تھے، اس واقعے کو بنیاد بنا کر یہ اصولی ہدایت دی گئی کہ اللہ کے پاس جو

ہے وہ ہر کھیل اور تجارت سے بہتر ہے اور حقیقی کامیابی اسی میں ہے کہ بندہ دنیا کے نفع کو آخرت کے نفع پر قربان نہ کرے۔

استاذ محترم مولانا خادم حسین شجاعبادی تجارتی قافلہ کی طرف متوجہ ہونے والے اہل ایمان کے تذکرہ کے ذیل میں فرماتے ہیں" جمعہ کے علاوہ بھی ہر حال میں اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، فلاح کا ذریعہ ہے، مومن کی نظر اللہ کے خزانوں پر اور احکام کے انتقال پر مرکوز رہے یہ نہ ہو کہ کہیں دنیوی فائدہ محسوس ہو تو حکم کو چھوڑ کر ادھر بھاگیں، رزق تو اللہ نے اپنے ذمے رکھا ہے، واللہ خیر الرازقین، قحط کا زمانہ تھا، اشیاء خوردگنی نایاب ہو گئیں، جمعہ کا خطبہ ہو رہا تھا، بازار میں منادی نے آواز لگادی، ایک تاجر اشیاء خوردنی لے کر مدینہ آیا ہے تو بہت سے مسلمان بھی خطبہ چھور کر چلے گئے، کہیں سامان ختم نہ ہو جائے اور ہم رہ جائیں اس پر تنبیہ ہے۔ (عقد الجواہرات من خلاصۃ السور والآیات)

شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی اس سورت کے تعارف میں فرماتے ہیں" اس سورت کے پہلے رکوع میں حضور نبی کریم ﷺ کی رسالت اور آپ کی بعثت کے مقاصد بیان فرما کر پوری انسانیت کو آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، اور خاص طور پر یہودیوں کی مذمت کی گئی ہے، کہ وہ جس کتاب یعنی توراۃ پر ایمان رکھنے کا دعوی کرتے ہیں، اس میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت موجود ہے، اس کے باوجود وہ آپ پر ایمان نہ لا کر خود اپنی کتاب کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ (توضیح القرآن)

اربابِ تفسیر کے نزدیک سورۃ الجمعہ کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ اسلام محض انفرادی عبادات کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل اجتماعی نظام ہے، جس کی بنیاد علم، عمل، تزکیہ اور اجتماعی شعائر بالخصوص نمازِ جمعہ، پر قائم ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کی نماز میں کثرت سے سورۃ الجمعہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، تاکہ امت ہر ہفتے اس کے پیغام کو تازہ کرے اور اپنی اجتماعی زندگی کو قرآن کی ہدایات کے مطابق ڈھالے۔

سورۃ الجمعہ
کائنات ہستی کی تسبیح خوانی

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ {۱} الجمعه

جواب ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو بادشاہ ہے، بڑے تقدس کا مالک ہے، جس کا اقتدار بھی کامل ہے جس کی حکمت بھی کامل۔

آیت مبارکہ میں بیان کیا گیا کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے چاہے وہ کوئی بھی مخلوق ہے وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے، یعنی اللہ کی ہر نقص و عیب سے پاکی بیان کرتی ہے، ہر چیز اللہ تعالیٰ کو زبان حال وزبان قال سے یاد کرتی ہے، ہر چیز اللہ کی تسبیح، تکبیر، تہلیل و تحمید کرتی ہے۔

عارف باللہ شیخ عبد الکریم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

تُسَبِّحُ فی بِحَار تَوحِيدِ الحَقِّ أَسرَارُ أَهلِ التَّحقِيق، وَبَحرُهُم بِلَا شَاطِئٍ فَبَعدُ مَا حَصَلُوا فِيهَا فَلَا خُرُوجَ وَلَا بَرَاحَ، فَحَازَت أَيدِيهِم جَوَاهِرَ التَّفرِيدِ فَرَصَّعُوهَا فی تَاجِ العِرفَانِ کَی يَلبَسُوهُ يَومَ اللِّقَاءِ (قشیری)

اہلِ تحقیق کے اسرار، حق تعالیٰ کی توحید کے سمندروں میں تیرتے اور غوطہ زن رہتے ہیں اور ان کا یہ سمندر بے ساحل ہے، چنانچہ جب وہ اس میں داخل ہو جاتے ہیں تو نہ اس سے نکلنے کی گنجائش رہتی ہے اور نہ ہی کنارہ کشی۔ پس ان کے ہاتھوں میں تفرید کے جواہر آجاتے ہیں، جنہیں وہ معرفت کے تاج میں جڑ دیتے ہیں تاکہ ملاقاتِ حق کے دن اسے زیبِ سر کریں۔

بعض اہل تفسیر اس کا معنیٰ یوں کرتے ہیں يُصَلِّي وَيَسجُدُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ السَّبع وَمَا فِي الأَرض مِنَ الخَلق طَوعاً وَّ كَرهاً، وَ يُسَبِّحُ لِلجَلَال، (الہدایہ إلی بلوغ النہایہ فی علم معانی

القرآن وتفسیرہ، وأحکامہ، ابو محمد مکی بن ابی طالب القرطبی المالکی)اس کا مطلب یہ ہے کہ سات آسمانوں اور سات زمینوں میں جو کچھ بھی مخلوقات میں سے ہے وہ خوشی وناخوشی سے اللہ کی نماز پڑھتا ہے اور اس کو سجدہ کرتا ہے، یسبح کا صیغہ یہاں حال کے لیے استعمال ہوا ہے۔

{مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ} آسمان وزمین میں جو کچھ ہے وہ سب کا سب مراد ہے، اہل تفسیر نے یہاں جمیع کا لفظ استعمال کیا ہے، جس سے مراد کائنات کی تمام اشیاء ہیں، جو زندہ ہیں اور جامد ہیں، اس انداز میں تمام اشیاء تسبیح کرتی ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوتی، وہ اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت کا حق ادا کرتی ہیں، وہ اس کی ربوبیت کا پرچار کرتی ہیں، آسمان کی بلندیوں تک میں رہنے والی مخلوقات ہوں یا زمین کی پستیوں تک میں رہنے والی مخلوقات ہوں وہ سب ہی اللہ کی تسبیح وتحمید میں مصروف ہیں۔

کائناتِ ہستی کی چیزوں کی طرف نگاہیں اور توجہات مرکوز کی جائیں تو وہ اللہ کی وحدانیت، اللہ کے خالق ہونے، اللہ کی عظمت، اللہ کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں، جیسے قرآن کریم کے دوسرے مقام پر ہے

{وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ} کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس ذات عالی کی تسبیح نہ کرتی ہو۔

{الْمَلِكِ} یعنی وہ آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے، وہ اپنی قدرت اور اپنی حکمت کے تحت جیسا چاہتا ہے کرتا ہے، تصرفات کا حق اسی کو حاصل ہے۔

{الْقُدُّوسِ} یعنی وہ ہر اس چیز سے پاک ہے جو اس کے جلال وکمال کے منافی ہو، جو اس کی جلالتِ شان اور کمال کے لائق نہ ہو اس سے پاک ہے، وہ شریکوں سے پاک ہے، وہ اولاد سے پاک ہے، وہ بیوی سے پاک ہے۔

{الْحَكِيمِ} وہ حکمت والی ذات ہے، وہ جو کام بھی کرتا ہے اپنی حکمت سے کرتا ہے اس کے کاموں

میں بندوں کے لیے کوئی نہ کوئی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے، اس کے کاموں میں بندوں کی سعادت، ان کے معاش و معاد کی بہتری کا عنصر موجود ہوتا ہے۔

شیخ ابو محمد عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں اس سے پہلے یہ ذکر تھا کہ دین و اطاعتِ الٰہی میں ہمیشہ سر گرم اور ثابت قدم رہنا چاہیے۔ اس میں خیال پیدا ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کی مدد و اِعانت اور دینی استقامت کی حاجت ہے یا کوئی اس کا اس سے فائدہ ہے یا دفعِ مضرت ہے اس لیے ان خیالات کا اِبطال اول سورۃ میں کرتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والے اللہ کی ہر وقت پاکی بیان کرتے رہتے ہیں۔ اس کو کسی کی بندگی و اطاعت کی کوئی ضرورت نہیں اب جو کچھ تم کو حکم دیا جاتا ہے وہ صرف تمہاری بھلائی کے لئے ہے۔

پہلی سورت میں سَبَّحَ بلفظ ماضی ذکر کیا تھا یہاں یُسَبِّحُ بلفظ مضارع ہے تاکہ تجدد و دوام پر دلالت کرے۔ مضارع کے صیغے جیسا کہ تجدد پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح ہمیشہ کرنے پر بھی بقرائن دلالت کرتے ہیں۔

تسبیح کے معنی: زمیں اور آسمان کے رہنے والے اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں، ان میں کوئی تو اپنی زبان سے اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے اور کوئی بزبان حال اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے، مگر کرتا ضرور ہے، ایک مقام پر تو بڑی صراحت کے ساتھ اللہ نے بیان فرمایا کہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ کی پاکی نہ بیان کرتی ہو، کائنات کی ہر چیز اس نے مسخر کر رکھی ہے، کوئی اس کی تسخیر سے باہر نہیں ہے۔

ہر چیز کی قدرتی بناوٹ اور اس کے حالات کا تغیر اپنے خالق کی یکتائی و بزرگی بیان کر رہا ہے جس کے کان ہوں سن لے آنکھ ہو دیکھ لے، دل ہو سمجھ لے، اسی بات کو ایک جگہ اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے۔

وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَہُوۡنَ تَسۡبِیۡحَہُمۡ

ہر چیز اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو۔

اس کے بعد فرماتا ہے الملک وہ بادشاہ بھی ہے یعنی غنی اور بے پرواہے اس کے معنی واجب الوجود کے قریب قریب اس موقع پر مراد ہیں، کس لیے کہ بادشاہت بغیر جمع ہونے تمام کمالات و اسباب سلطنت کے حاصل نہیں ہوتے اس سے اشارہ ہے نبوت صفات عالیہ کی طرف جس میں دوسرے خیال کا رد ہے۔ القدوس یعنی پاک ہے اس میں تیسرے خیال کی طرف اشارہ ہے۔ کوئی مضرت و نقصان اس کی ذات پاک کی طرف عائد نہیں ہو سکتا۔

خیالات کے ابطال کے سوا الفاظ قرآنیہ میں ایک اور مسئلہ بترتیب بیان فرمایا جاتا ہے۔ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ سے اَلْحَكِیْمُ تک توحید کے مسئلہ کا عجب لطف کے ساتھ ثبوت ہے کہ تمام کائنات علوی و سفلی اسی کی تسبیح کر رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی کے مسخر ہیں۔

زمینوں کے حالات اور آفتاب و ماہتاب اور دیگر ستاروں کی حالت کہہ رہی ہے کہ کوئی ہے جو ہم کو مجبورانہ ایک حرکت پر مجبور کر رہا ہے۔ جو لوگ کُرّات ہی کو باعتبار فوق ہونے کے سماوات کہتے ہیں اب وہ بھی غور کریں کہ آفتاب و دیگر سیارات جو زمین سے ہزاروں حصے بڑے اور کروڑوں کوس دور ہیں اور اس سرعت کے ساتھ دور کرتے ہیں کہ منٹوں میں ہزاروں کوس کا فاصلہ طے کرتے ہیں اور پھر یہ بیشمار ہیں آپس میں ٹکرانے نہیں پاتے۔

ریل گاڑیاں باوجود اس قدر محافظت اور ایسے ہنر مندوں کی کوششوں کے ہر سال ٹکرا جاتی ہیں، مگر اس مدبر حکیم کے کرّات نہیں ٹکرانے پاتے پھر اس سے زیادہ کونسا ثبوت اس کی توحید کے لیے ہو سکتا ہے۔ پھر ان کی یہ حالت اپنے خالق و مالک و مدبر کی تسبیح ہی تو ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ آسمانوں پر ایک چپہ بھر بھی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں ہزاروں روحانی و ملائکہ اس کی تسبیح و تہلیل نہ کرتے ہوں۔ وہ ایک قسم کی غیر مرئی مخلوق ہے۔

الملک میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہی حاکم مطلق ہے، وہی قابل پرستش واِطاعت ہے، اسی کی نافرمانی سزا کی مستوجب کرتی ہے۔ القدوس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو اوہام باطلہ نے خدا کے لیے تثلیث اور بیٹے بیوی اور کارکن سمجھ رکھے ہیں وہ ان سب سے پاک ہے اس میں جمیع مذاہب باطلہ کا اجمالی رد ہے۔ العزیز وہ زبردست بھی ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ عزت وغلبہ اسی کو ہے اسی کے احکام قابل پذیرائی ہیں۔ الحکیم وہ حکمت والا ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ انتظام دنیاوی جس طرح اس کی حکمت بالغہ کا مقتضٰی ہے اسی طرح دنیا میں انبیاء علیہم السلام کا بھیجنا، کتابوں کا نازل کرنا بھی بندوں کی معادو معاش درست کرنے کے لیے اسی حکیم کی حکمت کاملہ کا مقتضٰی ہے۔ (تفسیر حقانی)

امیوں میں بعثت نبوی

سوال ان آیات کی تفسیر کیجیے

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ {۲} وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ {۳} ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ {۴} الجمعه

جواب ترجمہ: وہی ہے جس نے اُمی لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کریں اور ان کو پاکیزہ بنائیں اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں، جبکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ اور (یہ رسول جن کی طرف بھیجے گئے ہیں) ان میں کچھ اور بھی ہیں جو ابھی ان کے ساتھ آکر نہیں ملے۔ اور وہ بڑے اقتدار والا، بڑی حکمت والا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

یہاں اُمی کا لفظ یہودی اصطلاح کے طور پر آیا ہے، اور اس میں ایک لطیف طنز پوشیدہ ہے۔ اس کا

مطلب یہ ہے کہ جن کو یہودی حقارت کے ساتھ امی کہتے اور اپنے مقابلہ میں ذلیل سمجھتے ہیں، انہیں میں اللہ غالب و دانا نے ایک رسول اٹھایا ہے۔ وہ خود نہیں اٹھ کھڑا ہوا ہے بلکہ اس کا اٹھانے والا وہ ہے جو کائنات کا بادشاہ ہے، زبردست اور حکیم ہے، جس کی قوت سے لڑ کر یہ لوگ اپنا ہی کچھ بگاڑیں گے، اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ (تفہیم القرآن)

معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن مجید میں "اُمی" کا لفظ متعدد مقامات پر آیا ہے اور سب جگہ اس کے معنی ایک ہی نہیں ہیں بلکہ مختلف مواقع پر وہ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ کہیں وہ اہل کتاب کے مقابلہ میں ان لوگوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں ہے جس کی پیروی وہ کرتے ہوں۔ مثلاً فرمایا قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ (آل عمران ۲۰) اہل کتاب اور امیوں سے پوچھو کیا تم نے اسلام قبول کیا؟

یہاں اُمیوں سے مراد مشرکین عرب ہیں، اور ان کو اہل کتاب، یعنی یہود و نصاریٰ سے الگ ایک گروہ قرار دیا گیا ہے۔ کسی جگہ یہ لفظ خود اہل کتاب کے اَن پڑھ اور کتاب اللہ سے ناواقف لوگوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ جیسے فرمایا: وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ (البقرہ ۷۸) ان یہودیوں میں کچھ لوگ اُمی ہیں، کتاب کا کوئی علم نہیں رکھتے، بس اپنی آرزوں ہی کو جانتے ہیں۔

اور کسی جگہ یہ لفظ خالص یہودی اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے جس سے مراد دنیا کے تمام غیر یہودی ہیں مثلاً فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ (آل عمران ۷۵ یعنی ان کے اندر یہ بد دیانتی پیدا ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں اُمیوں کا مال مار کھانے میں ہم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔

یہی تیسرے معنی ہیں جو آیت زیر بحث میں مراد لیے گئے ہیں۔ یہ لفظ عبرانی زبان کے لفظ گوئیم کا ہم معنی ہے، جس کا ترجمہ انگریزی بائیبل میں Gentiles کیا گیا ہے، اور اس سے مراد تمام غیر یہودی یا غیر اسرائیلی لوگ ہیں۔

لیکن اس یہودی اصطلاح کی اصل معنویت محض اس کی اس تشریح سے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ دراصل عبرانی زبان کا لفظ گویئم ابتداءً محض اقوام کے معنی میں بولا جاتا تھا، لیکن رفتہ رفتہ یہودیوں نے اسے پہلے تو اپنے سوا دوسری قوموں کے لیے مخصوص کر دیا، پھر اس کے اندر یہ معنی پیدا کر دیے کہ یہودیوں کے سوا باقی تمام اقوام ناشائستہ، بدمذہب، ناپاک اور ذلیل ہیں، حتیٰ کہ حقارت اور نفرت میں یہ لفظ یونانیوں کی اصطلاح Barbarian سے بھی بازی لے گیا جسے وہ تمام غیر یونانیوں کے لیے استعمال کرتے تھے۔

ربیوں کے لٹریچر میں گویئم اس قدر قابل نفرت لوگ ہیں کہ ان کو انسانی بھائی نہیں سمجھا جاسکتا، ان کے ساتھ سفر نہیں کیا جاسکتا، بلکہ ان میں سے کوئی شخص ڈوب رہا ہو تو اسے بچانے کی کوشش بھی نہیں کی جاسکتی۔ یہودیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ آنے والا مسیح تمام گویئم کو ہلاک کر دے گا اور جلا کر خاکستر کر ڈالے گا۔

سورۃ الجمعہ کی آیت ۳ کے تحت رقمطراز ہیں: قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کی یہ صفات چار مقامات پر بیان کی گئی ہیں، اور ہر جگہ ان کے بیان کی غرض مختلف ہے۔ البقرہ آیت ۱۲۹ میں ان کا ذکر اہل عرب کو یہ بتانے کے لیے کیا گیا ہے کہ آنحضور کی بعثت، جسے وہ اپنے لیے زحمت و مصیبت سمجھ رہے تھے، درحقیقت ایک بڑی نعمت ہے جس کے لیے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل (علیہما السلام) اپنی اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ البقرہ آیت ۱۵۱ میں انہیں اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان حضور ﷺ کی قدر پہچانیں اور اس نعمت سے پورا پورا فیض حاصل کریں جو حضور ﷺ کی بعثت کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی ہے۔

آل عمران آیت ۱۶۴ میں منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں کو یہ احساس دلانے کے لیے ان کا اعادہ کیا گیا ہے کہ وہ کتنا بڑا احسان ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان اپنا رسول بھیج کر کیا ہے اور یہ

لوگ کتنے نادان ہیں کہ اس کی قدر نہیں کرتے۔ اب چوتھی مرتبہ انہیں اس سورۃ میں دہرایا گیا ہے جس سے مقصود یہودیوں کو یہ بتانا ہے کہ محمد ﷺ تمہاری آنکھوں کے سامنے جو کام کر رہے ہیں وہ صریحاً ایک رسول کا کام ہے۔ وہ اللہ کی آیات سنا رہے ہیں جن کی زبان، مضامین، انداز بیان، ہر چیز اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ فی الواقع وہ اللہ ہی کی آیات ہیں۔ وہ لوگوں کی زندگیاں سنوار رہے ہیں، ان کے اخلاق اور عادات اور معاملات کو ہر طرح کی گندگیوں سے پاک کر رہے ہیں، اور ان کو اعلیٰ درجے کے اخلاقی فضائل سے آراستہ کر رہے ہیں۔

یہ وہی کام ہے جو اس سے پہلے تمام انبیاء کرتے رہے ہیں۔ پھر وہ صرف آیات ہی سنانے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہر وقت اپنے قول اور عمل سے اور اپنی زندگی کے نمونے سے لوگوں کو کتاب الٰہی کا منشا سمجھا رہے ہیں اور ان کو اس حکمت و دانائی کی تعلیم دے رہے ہیں جو انبیاء کے سوا آج تک کسی نے نہیں دی ہے۔ یہی سیرت اور کردار اور کام ہی تو انبیاء کا وہ نمایاں وصف ہے جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ پھر یہ کیسی ہٹ دھرمی ہے کہ جس کا رسول برحق ہونا اس کے کارناموں سے علانیہ ثابت ہو رہا ہے اس کو ماننے سے تم نے صرف اس لیے انکار کر دیا کہ اللہ نے اسے تمہاری قوم کے بجائے اس قوم میں سے اٹھایا جسے تم امی کہتے ہو۔ (تفہیم القرآن)

آیت ۴ کے تحت رقمطراز ہیں: یہ حضور ﷺ کی رسالت کا ایک اور ثبوت ہے جو یہودیوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ یہ لوگ صدیوں سے عرب کی سرزمین میں آباد تھے اور اہل عرب کی مذہبی، اخلاقی، معاشرتی، اور تمدنی زندگی کا کوئی گوشہ ان سے چھپا ہوا نہ تھا۔

ان کی اس سابق حالت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ چند سال کے اندر محمد ﷺ کی قیادت و رہنمائی میں اس قوم کی جیسی کایا پلٹ گئی ہے اس کے تم عینی شاہد ہو۔ تمہارے سامنے وہ حالت بھی ہے جس میں یہ لوگ اسلام قبول کرنے سے پہلے مبتلا تھے۔ وہ حالت بھی ہے جو اسلام لانے کے

بعد ان کی ہو گئی، اور اسی قوم کے ان لوگوں کی حالت بھی تم دیکھ رہے ہو جنھوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا ہے۔ کیا یہ کھلا کھلا فرق، جسے ایک اندھا بھی دیکھ سکتا ہے، تمھیں یہ یقین دلانے کے لیے کافی نہیں ہے کہ یہ ایک نبی کے سوا کسی کا کارنامہ نہیں ہو سکتا؟ بلکہ اس کے سامنے تو پچھلے انبیاء تک کے کارنامے ماند پڑ گئے ہیں۔ (تفہیم القرآن)

چوتھی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ اپنا فضل جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اس پر ڈاکٹر اسلم صدیقی لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اُمّیوں پر اپنا رسول بھیج کر اور کتاب اتار کر جو فضل و احسان فرمایا یہ اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے پہلے بھی دنیا کو ہدایت ملتی رہی ہے اور اسی کی عنایت سے افراد اور خاندان ممتاز ہوتے رہے ہیں۔ یہ اسی کا اختیار ہے کہ وہ جسے چاہے اس اعزاز سے نواز دے، کسی کا اس پر کوئی اجارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت جس کو نوازنا چاہتی ہے اس کے راستے میں کوئی حائل نہیں ہو سکتا۔ یہود اپنے حسد کے پھپھولے جتنے چاہیں پھوڑ لیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اُمّیوں کو اس کے لیے انتخاب فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا انتخاب کبھی بے سبب اور بے محل نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے جس عظیم مقصد کے لیے اہل عرب کا انتخاب کیا تھا اس مقصد کی بجا آوری کے لیے کوئی اور قوم شاید مناسب بھی نہیں تھی۔ ایشیا اور یورپ کی قوموں کو باہمی اختلافات، حصول جاہ و حکومت کے لیے برپا ہونے والی لڑائیوں، جاگیرداروں کے مظالم اور عام طبقہ کی اپنی قسمت پر مطمئن ہو کر بے حسی نے ہر طرح کی صلاحیتوں سے محروم کر دیا تھا۔ ترقی یافتہ قومیں پر تکلف اور پر تعیش زندگی کی رسیا ہو کر کسی بڑی مہم جوئی کے قابل نہیں رہی تھیں انھیں زندگی میں آرام و راحت کے سوا اور کسی چیز کی طلب نہ تھی۔ لیکن دنیا میں ایک اصلاحی انقلاب برپا کرنے کے لیے جس قدر محنت، توانائی اور مہم جوئی کے جذبے اور سرفروشی اور جان پر کھیل جانے کے جس جنون کی ضرورت تھی

اس کے لیے ایک ایسی قوم کی ضرورت تھی جو فطری سادگی پر زندگی گزارنے کی وجہ سے طبعی خصوصیات اور توانائیوں سے محروم نہ ہوئی ہو۔ اسے یونانی فلسفوں جیسے فلسفوں نے فکری طور پر مسموم نہ کیا ہو، جو اونٹوں اور گھوڑوں پر طویل سفر کرنے کی ہمت رکھتی ہو تاکہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر چار دانگ عالم میں پھیل سکے جسے نفسانی خواہشوں اور ذاتی نام ونمود کی خاطر جان پر کھیل جانا مشکل نہ ہو تاکہ جب اس کے جذبوں کا امالہ کر کے ایک بڑے مقصد کے لیے اس راستے پر نکلنے کا موقع آئے تو وہ کسی خوف وخطر کو خاطر میں لانے کے لیے تیار نہ ہو۔

عرب میں آئے دن قحط سالی کی وجہ سے بھوک اور پیاس برداشت کرنے کی ہمت اس کی جبلت کا حصہ بن چکی ہو تاکہ راہ حق میں بڑی سے بڑی قربانی بھی اس کے لیے مشکل معلوم نہ ہو۔ اُمی ہونے کی وجہ سے معاملات کو مصنوعی طریقوں سے چلانے کی بجائے وہ صرف اپنے قلب ودماغ پر تکیہ کرنے کی عادی ہو اور مسلسل قوت حفظ کو آزمانے کی وجہ سے اس میں اتنی ترقی ہو چکی ہو کہ کسی لمبے سے لمبے علمی شہ پارے کو محفوظ کر لینا اس پر گراں نہ ہو۔ ایسی خصوصیات کی حامل ظاہر ہے کہ دنیا میں عرب قوم کے سوا کوئی قوم نہ تھی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی قوم کو اپنے دین کی علمبرداری کے لیے انتخاب فرمایا۔ اور آنحضرت ﷺ کے آخری رسول ہونے کی وجہ سے اپنے پیغام کو دنیا تک پہنچانے کا ذمہ دار بنایا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی مبارک زندگی میں پورا جزیرہ عرب اس طرح اسلامی زندگی میں ڈھل گیا کہ حضور اکرم ﷺ نے اسے اسلامی قوتوں اور اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے بیس اور مرکز کی حیثیت دے دی۔ اور آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد خلافتِ راشدہ کے مختصر دور میں اس دور کی بظاہر متمدن حکومتیں اور ریاستیں اسلامی حکومت میں شامل ہو گئیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وہ فضل ہے جس سے اہل عرب نوازے گئے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت نے انھیں انتخاب کی عزت بخشی اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے وہ جس کو چاہتا ہے کسی مقصد کے لیے منتخب فرمالیتا ہے۔ (روح المعانی)

کتابوں کا بوجھ لادا گدھا اور بے عمل عالم

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے، نیز اس میں بیان کی گئی مثال کی وضاحت فرمائیے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ {۵} الجمعة.

جواب ترجمہ: جن لوگوں پر تورات کا بوجھ ڈالا گیا، پھر انہوں نے اس کا بوجھ نہیں اٹھایا، ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہو۔ بہت بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا، اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔

اللہ تعالیٰ نے تورات جیسی عظیم کتاب حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو دی تھی، جس کے حاملین یہودی تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی بے عملی کو عالم آشکار کرتے ہوئے انہیں گدھے کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس پر کتابوں کے طومار لاد دیے جائیں مگر گدھے کو معلوم نہیں کہ میری پشت پر بوجھ لادا گیا ہے اس میں کیا کچھ لکھا ہوا ہے؟ میرے اوپر کون سا وزن لادا گیا ہے؟ یا ان کتابوں میں کیا کچھ لکھا ہوا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے یہاں ان لوگوں کی قباحت بیان کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں، اس سے نفع نہیں اٹھاتے، ایسی بے توفیق ظالم لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت کی دولت سے سرشار و مالامال نہیں کرتا جو اس کی حدود کو پھلانگتے ہیں اور اس کی طاعت کا طوق گردن سے اتار پھینکتے ہیں۔

امام تفسیر علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں ان آیتوں میں یہودیوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے کہ انہیں تورات دی کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے تو اسے یہ تو معلوم ہے کہ اس پر کوئی بوجھ ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس میں کیا ہے؟ اسی طرح یہود ہیں کہ ظاہری الفاظ تو خوب رٹے ہوئے ہیں لیکن نہ تو یہ معلوم ہے کہ مطلب کیا ہے؟ نہ اس پر ان کا عمل ہے بلکہ اور تبدیل و تحریف کرتے رہتے ہیں، پس دراصل یہ اس بے سمجھ جانور سے بھی بدترین ہیں، کیونکہ اسے تو قدرت نے سمجھ

ہی نہیں دی لیکن یہ سمجھ رکھتے ہوئے پھر بھی اس کا استعمال نہیں کرتے۔ اسی لئے دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے۔ أُولَئِكَ كَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (الأعراف: ۱۷۹) یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بہکے ہوئے، یہ غافل لوگ ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا {بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللهِ وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ} اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے والوں کی بری مثال ہے، ایسے ظالم اللہ کی رہنمائی سے محروم رہتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا مَنْ تَكَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ، فَهُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا، وَالَّذِي يَقُولُ لَهُ أنصت، لَيْسَ لَهُ جُمُعَةٌ (مسند احمد) جو شخص جمعہ کے دن امام کے خطبہ کی حالت میں بات کرے، وہ مثل گدھے کے ہے جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہو اور جو اسے کہے کہ چپ رہ اس کا بھی جمعہ جاتا رہا۔

اہل تفسیر نے یہودیوں کو گدھے کے ساتھ تشبیہ دینے کی کئی وجوہات بیان فرمائی ہیں کہ یہودیوں کو گدھے کی طرح کیوں قرار دیا گیا ہے؟ اس کی وجوہ یہ ہیں

① گھوڑے اور خچر کی بہ نسبت گدھے پر زیادہ بوجھ لادا جاتا ہے۔

② گدھے میں جہل اور حماقت کا معنیٰ دوسرے جانوروں کی بہ نسبت زیادہ ظاہر ہے

③ عرف میں دوسرے جانوروں کی بہ نسبت گدھے کو زیادہ حقیر سمجھا جاتا ہے۔

④ کتابوں کے لیے اسفار کا لفظ فرمایا ہے اور کتابوں کو جس جانور پر لادا جائے اس کے لیے لفظ حمار، اس میں اسفار کے ساتھ لفظی مجانست اور مشاکلت ہے۔ (تبیان القرآن

شیخ عبدالحق حقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں گدھا حیوانات میں سے بالخصوص بارکش اور بدعقل جانور ہے اس لیے اس سے تشبیہ دی نہ گھوڑے خچر گاڑی چھکڑے سے اور تہذیباً یہود کا نام نہ لیا بلکہ یہ فرمایا کہ ان لوگوں کی مثال جن پر توریت لادی گئی ایک گدھے کی مثال ہے جو کتابیں اٹھائے پھرتا ہے۔

اسفار سفر کی جمع ہے اور سفر بڑی کتاب کو کہتے ہیں اس وجہ سے کہ اس کے اصلی معنی روشنی کے ہیں۔ کہتے ہیں اسفر الصبح چونکہ کتاب جب پڑھی جاتی ہے تو پڑھنے سننے والے کو علم کا نور اور روشنی بخشتی ہے اس لیے اس کو سفر کہنے لگے اور اس کی نظیر اشبار ہے جو شبر کی جمع ہے۔ یہ ایک ایسی مثال ہے جس سے علماء امت محمدیہ کو بھی سن کر ڈرانا چاہیے اور علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ورنہ وہ بھی گدھے شمار ہوں گے جن پر کتابیں لدی ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ کہ اس قوم کی جس نے آیات اللہ کو جھٹلایا یعنی یہود بری مثل ہے۔ مثل کے برے ہونے سے یہ مراد نہیں کہ یہ مثل بیجا اور نامناسب ہے بلکہ یہ تمثیل ٹھیک ہے اور ان پر چسپاں ہے مگر وہ بہت بری قوم ہے کہ جس کی یہ مثل ہے۔

آیات اللہ سے مراد آیات قرآنیہ ہی نہیں بلکہ وہ دلائل بھی ہیں جو آنحضرت ﷺ کی نبوت اور اسلام کے برحق ہونے پر دال ہیں خواہ وہ عقلیہ ہوں خواہ نقلیہ یعنی وہ بشارتیں جو ان کی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی بابت مذکور ہیں جب ان پر عمل نہ کیا بلکہ ان کے برخلاف کیا تو ان کو جھٹلا دیا۔

یا یوں کہو کہ جب یہود نے توریت و صحف انبیاء کی ان ہدایات و تاکیدی احکام کو پس پشت ڈال دیا اور ان پر عمل نہ کیا تو گویا ان کو جھٹلا دیا۔ یہ بھی ایک قسم کی تکذیب ہے لسانی نہ ہو حالی سہی۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ایسے متعصب لوگوں کو ہدایت الٰہی سے حصہ نہیں ملتا ہمیشہ بدنصیبی و خسران و ضلال ہی کے گڑھے میں پڑے رہتے ہیں۔ (تفسیر حقانی) اس فقرے کے دو معنٰی ہیں، ایک عام اور دوسرا خاص۔ عام معنٰی یہ ہیں کہ جن لوگوں پر تورات کے علم و عمل، اور اس کے مطابق دنیا کی ہدایت کا بار رکھا گیا تھا، مگر نہ انہوں نے اپنی اس ذمہ داری کو سمجھا اور نہ اس کا حق ادا کیا۔

خاص معنٰی یہ ہیں کہ حامل تورات گروہ ہونے کی حیثیت سے جن کا کام یہ تھا کہ سب سے پہلے آگے بڑھ کر اس رسول کا ساتھ دیتے جس کے آنے کی صاف صاف بشارت تورات میں دی گئی تھی، مگر انہوں نے سب سے بڑھ کر اس کی مخالفت کی اور تورات کی تعلیم کے تقاضے کو پورا نہ کیا۔ (تفہیم)

بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے اللہ نے تورات اور دیگر الہامی نوشتے بھیجے مگر ان لوگوں نے اس کی تعمیل نہ کی اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ جن لوگوں کو تورات ملی تھی پھر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا ان کی مثال بالکل گدھے کی سی ہے جو کتابیں محض بوجھ کی صورت میں اٹھاتا ہے جس کو سعدی مرحوم نے بھی یوں کہا ہے۔

علم چند ان کہ بیشتر خوانی چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانشمند چارپایہ بر و کتابے چند

حقیقت میں اس قوم کی بری مثال ہے جو اللہ کی آیات کو جھٹلاتی ہے گدھے کی ہو یا کتے کی وہ ان سب مثالوں کی مستوجب ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو توفیق خیر نہیں دیتا تاوقتیکہ اپنے ظلم کو ترک نہ کریں۔ (تفسیر ثنائی)

موت سے کسی کو مفر نہیں

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ {٦} وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ {٧} قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ {٨} الجمعه

جواب ترجمہ: (اے پیغمبر ان سے) فرمایئے کہ: اے لوگو جو یہودی بن گئے ہو، اگر تمہارا دعوی یہ ہے کہ سارے لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی اللہ کے دوست ہو تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔ اور انہوں نے اپنے ہاتھوں جو اعمال آگے بھیج رکھے ہیں ان کی وجہ سے یہ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے، اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ کہو کہ: جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم سے آملنے والی ہے، پھر

تمہیں اس (اللہ) کی طرف لوٹایا جائے گا جسے تمام پوشیدہ اور کھلی ہوئی باتوں کا پورا علم ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کیا کرتے تھے۔

یہاں اللہ تعالیٰ یہودیوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھ رہے ہیں کہ اے یہودیو! اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ تم حق پر ہو اور آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب حق پر نہیں ہیں تو آؤ اور دعا مانگو کہ ہم دونوں میں سے جو حق پر نہ ہو اللہ اسے موت دے۔

پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے جو اعمال آگے بھیج رکھے ہیں وہ ان کے سامنے ہیں مثلاً کفر فجور ظلم نافرمانی وغیرہ اس وجہ سے ہماری پیشین گوئی ہے کہ وہ اس پر آمادگی نہیں کریں گے، ان ظالموں کو اللہ بخوبی جانتا ہے۔ سورۃ بقرہ کی آیت

{قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الآخِرَةُ عِنْدَ اللهِ خَالِصَةً مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ وَاللهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ} (الْبَقَرَةِ: ۹۴-۹۶) کی تفسیر میں یہودیوں کے اس مباہلے کا پورا ذکر ہے اور سورۃ بقرہ میں یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ اپنے اوپر اگر خود گمراہ ہوں تو ان پر تو یا اپنے مقابل پر اگر وہ گمراہ ہوں موت کی بد دعا کریں، جیسے کہ نصرانیوں کے مباہلہ کا ذکر سورۃ آل عمران میں ہے،

{فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ} (آلِ عِمْرَانَ: ۶۱) پس جو شخص اس (حق) پر آپ سے مباحثہ کرے جب علم آپ کے پاس آ چکا ہو، تو فرما دیجیے، "آؤ ہم اپنے بیٹوں اور تمہارے بیٹوں، اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں، اپنی جانوں اور تمہاری جانوں کو سامنے لا کر دعا کریں، پھر اللہ کی لعنت جھوٹے لوگوں پر ڈال دی جائے۔

مشرکین سے بھی مباہلہ کا اعلان کیا گیا ملاحظہ ہو تفسیر سورۃ مریم آیت {قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدًّا} (مَرْيَمَ: ۷۵)یعنی اے نبی ﷺ ان سے فرمادیجیے کہ جو گمراہی میں ہو رحمٰن اسے اور بڑھادے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابو جہل نے کہا کہ اگر میں محمد ﷺ کو کعبہ کے پاس دیکھوں گا تو اس کی گردن ناپوں گا جب یہ خبر حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایالَوْ فَعَلَ لأخذَته الْمَلَائِكَةُ عِيَانًا، وَلَوْ أَنَّ الْيَهُودَ تَمَنَّوا الْمَوْتَ لَمَاتُوا وَرَأَوْا مَقَاعِدَهُمْ مِنَ النَّارِ وَلَوْ خَرَجَ الَّذِينَ يُباهلون رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَرَجَعُوا لَا يَجِدُونَ مَالًا وَلَا أَهْلًا (مسند احمد، بخاری، ترمذی) اگر یہ ایسا کرتا تو سب کے دیکھتے فرشتے اسے پکڑ لیتے اور اگر یہود میرے مقابلہ پر آکر موت طلب کرتے تو یقیناً وہ مر جاتے اور اپنی جگہ جہنم میں دیکھ لیتے اور اگر مباہلہ کے لئے لوگ نکلتے تو وہ لوٹ کر اپنے اہل ومال کو ہرگز نہ پاتے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ موت سے تو کوئی بچ ہی نہیں سکتا، جیسے سورۃ نساء میں ہے {قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ} میرے حبیب! فرمادیجیے کہ یقیناً وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو، وہ تم سے ضرور ملے گی۔ پھر تمہیں غیب اور شہادت کے جاننے والے کے پاس لوٹا دیا جائے گا، جو تمہیں بتادے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔

جیسے سورۃ نساء میں ارشاد ہے {أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ} (النساء: ۷۸) تم جہاں کہیں بھی ہو وہاں تمہیں موت پاہی لے گی گو مضبوط محلوں میں ہو۔

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا مَثَلُ الَّذِي يَفِرُّ مِنَ الْمَوْتِ كَمَثَلِ الثَّعْلَبِ تَطْلُبُهُ الْأَرْضُ بِدَيْنٍ، فَجَاءَ يَسْعَى حَتَّى إِذَا أَعْيَا وَانْبَهَرَ دَخَلَ جُحْرَهُ، فَقَالَتْ لَهُ الْأَرْضُ: يَا

ثَعْلَبُ دَيْنِي، فَخَرَجَ لَهُ حُصَاص، فَلَمْ يَزَلْ كذلك حَتَّى تَقَطَّعَت عُنُقُهُ، فَمَاتَ، موت سے بھاگنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک لومڑی ہو جس پر زمین کا کچھ قرض ہو وہ اس خوف سے کہ کہیں یہ مجھ سے مانگ نہ بیٹھے، بھاگتے بھاگتے جب تھک جائے تب اپنے بھٹ میں گھس جائے، زمین نے پھر اس سے تقاضا کیا کہ لومڑی میرا قرض ادا کر دو پھر وہاں سے دُم دبائے ہوئے تیزی سے بھاگی، آخر یونہی بھاگتے بھاگتے ہلاک ہو گئی۔ (معجم طبرانی بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

شیخ عبد الحق حقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہود کہتے تھے کہ ہم پر یہ الزام غلط ہے کس لیے کہ ہم خدا تعالیٰ کے خاص اور پیارے بندے ہیں خواہ کچھ ہی کریں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ، اے پیغمبر! آپ یہودیوں سے کہہ دیں اگر تم کو گمان ہے کہ ہم اللہ کے خاص دوست ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہونے کے سبب موروثی بزرگی، خلت اور دارآخرت میں جنت کے مستحق ہیں تو فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ، موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو تا کہ تم مرنے کے بعد عیش و آرام اپنے ادعاء کے موافق پاؤ مگر دل بڑا منصف ہے اپنے اعمال بد کی شامت اسے معلوم ہو جاتی ہے، اس لیے وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ، وہ اس کی ہرگز تمنا نہ کریں گے اپنے اعمال بد کے خوف سے۔

ملزم عدالت میں جانے سے ڈرتا ہے صاف آدمی کو کوئی خوف نہیں ہوتا، نیک اور باخدا لوگ جن کو دارآخرت کے نعمتیں پانے کا ان کے رب کی طرف سے یقین دلایا گیا ہے مرنے کے مشتاق رہا کرتے ہیں۔ وہ دنیا کے عیش و آرام کو قید خانہ کے آب و دانہ سے کم نہیں سمجھتے مگر خدا تعالیٰ کے ملزم زبان سے لاکھ ڈینگیں ماریں مرنے سے ڈرتے ہیں یہیں کی زندگی پر مرتے ہیں۔ یہیں کے سامان و اسباب پیدا کرنے کی فکر میں رہا کرتے ہیں۔

وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ: اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ وہ بدکاروں کو نیکوکاروں کے درجے

نہیں دیتا البتہ نیک نسل اپنے بزرگوں کے انعام کا حصہ پاتی ہے۔ یہود اس امتحان سے بھاگ نکلے اور موت سے ڈرتے تھے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ، آپ فرمادیجیے، جس موت سے تم بھاگ رہے ہو آخر وہ ایک روز تمہیں آپکڑے گی اس سے بھاگ کر کوئی کہاں جاسکتا ہے۔ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ، مرنے کے بعد تم اس کے پاس پہنچائے جاؤ گے جو چھپی اور کھلی باتوں کو جانتا ہے یعنی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں پھر وہ تم کو بتادے گا جو کچھ تم دنیا میں کرتے تھے۔

ان آیات میں مسئلہ معاد بھی کس خوبی کے ساتھ بیان کر دیا اور ہدایات انبیاء سے بے خبر ہونے کا نتیجہ اور ان سے مفاخرِ آبائی کے غرور میں سرتابی کا انجام بڑے پر اثر الفاظ میں ظاہر فرمایا گیا۔ فائدہ: اسلام میں انبیاء اور اولیاء زادہ ہونا بغیر ایمان و عمل صالح کے کچھ کام نہیں آتا۔ (تفسر حقانی)

شیخ عبدالحق حقانی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ ہنود میں برہمن ایک قوم ہے وہ بھی مدعی ہے کہ ہم برہما جی کے پوتر یعنی بیٹے ہیں۔ ہماری مکتی یعنی نجات ہر حال میں ہے۔ خیرات دو تو برہمن کو دو نیکی کرو تو برہمن سے کرو، برہمن کسی کو مارے تو اس سے بدلہ لینا روا نہیں اور قومیں کئی بار جنم لے کر یعنی تناسخ کے میدانوں میں ٹھوکریں کھا کر نجات کے لیے برہمن کے گھر جنم لیتے ہیں۔

برہمن سے نطفہ حاصل کرنا بھی فخر سمجھا جاتا تھا، برہمنوں میں ایک گروہ کو پروہت کہتے ہیں، وہ تو اب تک ہنود کے نکاح، بیاہ و موت و سفر کے مالک ہیں اور مرنے کے بعد سرگ نرک (دوزخ بہشت) کی کنجی انہیں کے ہاتھ میں رہتی ہے۔

مردے کے وارثوں سے کہتے ہیں اس قدر دو تو سرگ میں ورنہ نرگ میں پہنچتا ہے، بیچاروں کو دینا ہی پڑتا ہے، پھر جو چیزیں اس عالم میں مردے کو درکار ہوتی ہیں لحاف، رضائی، بچھونا اوڑھنا، پانی پینے کا

لوٹا کٹورا وغیرہ سب پروہت جی لے کر مردے کے پاس پہنچانے کا ذمہ کرتے ہیں اگر پروہت جی کے گھر دودھ پینے کو گائے نہیں تو فرماتے ہیں گاؤماتا پن کرو کہ اس کی دم پکڑ کر یہ مرنے ولا نرک کی جھیل سے پار جائے۔ ہر موسم کی ترکاریاں اور میوے بھی پہنچانے کے لیے لیتے ہیں۔

ہندوستان میں جب باہر سے مسلمان آئے اور ان سے ہنود کا میل جول ہوا تو لالچی مسلمانوں کے منہ میں یہ شکار دیکھ کر پانی بھر آیا اور جو ہندو مسلمان ہوئے ان کے دل میں بھی پرانا چسکا باقی تھا۔ ان حضرات نے دیکھا کہ ہندو تو ہمارے دام میں کیوں آنے لگے۔ وہ برہمن کا شکار ہیں، جاہل مسلمانوں کو گھیر و پھر تو انہوں نے بھی اپنی دینیات کو انہیں رسوم کے قوالب میں ڈھالنا شروع کر دیا کہ دسہرہ کے جواب میں محرم کا سانگ بنایا۔

دیوالی کے جواب میں شب رات کی روشنی اور آتش بازی نکالی، مردے کی روح نکالنے اور اشیائے مرغوب کو میت تک پہنچانے کا ملاں جی نے بیمہ کرنا شروع کیا اور اسی طرح شادی غمی کے رسوم انہیں سے ملنے لگے۔ بیوہ کا نکاح ممنوع ہو گیا۔ میت کی نعش پر سرخ دوشالہ ڈالنا بھی سیکھا پروہت کی جگہ جاہل پیر قائم ہوا۔ بوہرہ قوم میں ان کا ملاں بھائی جبرئیل کو چٹھی لکھا کرتا ہے کہ اس میت کو اتنے انار اتنے کھجور کے درخت دینا۔ (تفسیر حقانی) آنحضرت ﷺ نے اپنی صداقت الٰہیہ کے زور پر عیسائیوں سے بھی مباہلہ کیا اور یہود سے بھی مگر وہ ڈر گئے۔

بخاری اور ترمذی اور نسائی اور احمد نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر مکہ میں ابو جہل کعبے کے پاس مجھ پر حملہ کرتا (جیسا کہ وہ کہتا تھا کہ کعبہ میں پاؤں تو گردن مروڑ دوں) تو سب کے روبرو اس کو فرشتے اچک لیتے اور اگر یہود موت کی تمنا کرتے تو فوراً مر جاتے اور اپنا گھر دوزخ میں دیکھ لیتے اور جو رسول اللہ ﷺ سے مباہلہ کرنے کو نکلتے تو گھر آ کر مال و اہل کچھ نہ دیکھتے۔

جمعہ کی اہمیت اور فضیلت

سوال ان آیات کی تفسیر کیجیے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ{۹}فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ{۱۰}وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ {۱۱}الجمعة

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو، اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھو۔ پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ، اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ اور جب کچھ لوگوں نے کوئی تجارت یا کوئی کھیل دیکھا تو اس کی طرف ٹوٹ پڑے، اور تمہیں کھڑا ہوا چھوڑ دیا۔ کہہ دو کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل اور تجارت سے کہیں زیادہ بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے مخاطب ہیں جنہوں نے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کو سچا جانا اور ان کی شریعت پر عمل پیرا بھی ہوئے کہ جب مؤذن جمعہ کے دن جمعہ کی اذان کہے تو خطبہ جمعہ سننے اور نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے چل پڑو، خرید و فروخت کو اس کے بعد چھوڑ دینا چاہیے، اذان جمعہ کے بعد کوئی چیز بیچی جائے اور نہ ہی خریدی جائے بلکہ ہر وہ کام اذان جمعہ کے بعد چھوڑ دینا چاہیے جو اللہ کی یاد سے غافل کر دے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم اہل ایمان کو دیا گیا، جو ان کے لیے بہترین ہے، اس لیے کہ ایسا کرنے سے گناہوں کی بخشش کا سامان ہوتا ہے، ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اجر وثواب ملتا ہے، کاش کہ انسان کو اس چیز کا علم ہو جائے کہ ایسا کرنے سے ہمیں اللہ کی طرف سے کیا کچھ ملے گا۔

آیات میں جمعہ کی حاضری اور خطبہ جمعہ کی سماعت پر وجوب کی دلالت ہے، فرمان گرامی ہے کہ جب تم لوگ خطبہ سن چکو اور نماز جمعہ ادا کر چکو تو زمین میں پھیل جاؤ اور اپنی کوشش کر کے اللہ کا رزق تلاش کرو، اور اپنے تمام حالات میں اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرو، اللہ کو بہت زیادہ یاد کرنے کا فائدہ ملے گا کہ تم دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں کامیاب وکامران ہو جاؤ گے۔

مفسر قرآن علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر لکھتے ہیں کہ جمعہ کا لفظ جمع سے مشتق ہے، وجہ اشتقاق یہ ہے کہ اس دن مسلمان بڑی بڑی مساجد میں اللہ کی عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں اور یہ بھی وجہ ہے کہ اسی دن تمام مخلوق کامل ہوئی، چھ دن میں ساری کائنات بنائی گئی ہے، چھٹا دن جمعہ کا ہے، اسی دن حضرت آدم (علیہ السلام) پیدا کئے گئے، اسی دن جنت میں بسائے گئے اور اسی دن وہاں سے نکالے گئے، اسی دن میں قیامت قائم ہو گی، اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت مسلمان بندہ اللہ تعالیٰ سے جو طلب کرے اللہ تعالیٰ اسے عنایت فرماتا ہے، جیسے کہ صحیح احادیث میں آیا ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان سے پوچھا جانتے ہو جمعہ کا دن کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا **يَوْمٌ جَمَعَ فِيهِ أَبَوَاكَ أَوْ أَبُوكُمْ**، اسی دن تیرے ماں باپ (یعنی آدم وحوا) کو اللہ تعالیٰ نے جمع کیا۔ یا یوں فرمایا کہ تمہارے باپ کو جمع کیا۔

جمعہ کے دن کو پہلے یوم العروبہ کہا جاتا تھا، پہلی امتوں کو بھی ہر سات دن میں ایک دن دیا گیا تھا، لیکن جمعہ کی ہدایت انہیں نہ ہوئی، یہودیوں نے ہفتہ پسند کیا جس میں مخلوق کی پیدائش شروع بھی نہ

ہوئی تھی، نصاریٰ نے اتوار اختیار کیا جس میں مخلوق کی پیدائش کی ابتدا ہوئی ہے اور اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جمعہ کو پسند فرمایا، جس دن اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پورا کیا تھا، جیسے صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ

نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، بِيْدَ أَنَّهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا ثُمَّ هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِي فَرَضَ اللهُ عَلَيْهِمْ، فَاخْتَلَفُوا فِيهِ، فَهَدَانَا اللهُ لَهُ، فَالنَّاسُ لَنَا فِيهِ تَبَعٌ، اَلْيَهُودُ غَدًا، وَالنَّصَارَى بَعْدَ غَدٍ، ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے تو سب کے پیچھے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے سوائے اس کے کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب اللہ دی گئی، پھر ان کے اس دن میں انہوں نے اختلاف کیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں راہ راست دکھائی پس لوگ اس میں بھی ہمارے پیچھے ہیں یہودی کل اور نصرانی پرسوں۔ مسلم میں اتنا اور بھی ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق میں سب سے پہلے فیصلہ ہمارے بارے میں کیا جائے گا۔

یہاں اللہ تعالیٰ مومنوں کو جمعہ کے دن اپنی عبادت کے لئے جمع ہونے کا حکم دے رہا ہے، سعی سے مراد یہاں دوڑنا نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ذکر اللہ یعنی نماز کے لئے قصد کرو چل پڑو کوشش کرو کام کاج چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہو جاؤ، جیسے اس آیت میں سعی کوشش کے معنی میں ہے {وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ} [الْإِسْرَاءِ: ۱۹] یعنی جو شخص آخرت کا ارادہ کرے پھر اس کے لئے کوشش بھی کرے۔ نماز کی طرف بھاگ بھاگ کر جانا جس سے سانس پھول جائے شرعاً منع ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے إِذَا سَمِعْتُمُ الْإِقَامَةَ فَامْشُوا إِلَى الصَّلَاةِ، وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ، وَلَا تُسْرِعُوا، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا (بخاری مسلم) جب تم اقامت سنو تو نماز کیلئے سکینت اور وقار کے ساتھ چلو، دوڑو نہیں، جو پاؤ پڑھ لو، جو فوت ہوا ادا کر لو۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نماز میں تھے کہ لوگوں کے پاؤں کی آہٹ زور زور سے سنی، فارغ ہو کر فرمایا مَا شَأْنُكُمْ؟ قَالُوا اسْتَعْجَلْنَا إِلَى الصَّلَاةِ قَالَ: فَلَا تَفْعَلُوا، إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَامْشُوا وَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا، کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضرت ہم جلدی جلدی نماز میں شامل ہوئے فرمایا ایسا نہ کرو نماز کو اطمینان کے ساتھ چل کر آؤ جو پاؤ پڑھ لو جو چھوٹ جائے پوری کر لو۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں أَمَا وَاللهِ مَا هُوَ بِالسَّعْيِ عَلَى الْأَقْدَامِ، وَلَقَدْ نُهُوا أَنْ يَأْتُوا الصَّلَاةَ إِلَّا وَعَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ، وَلَكِنْ بِالْقُلُوبِ وَالنِّيَّةِ وَالْخُشُوعِ، اللہ کی قسم! یہاں یہ حکم نہیں کہ دوڑ کر نماز کے لئے آؤ یہ تو منع ہے بلکہ مراد دل اور نیت اور خشوع خضوع ہے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں فاسعوا سے مراد یہ ہے کہ أَنْ تَسْعَى بِقَلْبِكَ وَعَمَلِكَ، وَهُوَ الْمَشْيُ إِلَيْهَا، اپنے دل اور اپنے عمل سے کوشش کرو۔

جیسے قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ارشاد ہے فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ (الصّٰفّٰت: ۱۰۲) حضرت ذبیح اللہ جب خلیل اللہ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔ جمعہ کے لئے آنے والے کو غسل بھی کرنا چاہیے، بخاری مسلم میں ہے کہ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ، جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز کے لئے جانے کا ارادہ کرے وہ غسل کر لیا کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن غسل کی اہمیت یوں واضح فرمائی، حَقٌّ لِلّٰهِ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ، يَغْسِلُ رَأْسَهُ وَجَسَدَهُ، ہر مسلمان پر حق ہے کہ وہ ہر سات دنوں میں غسل کیا کرے، اپنے سر اور اپنے جسم کو دھویا کرے۔ (مسلم)

حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمان سنا کہ مَنْ غَسَّلَ وَاغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَبَكَّرَ وَابْتَكَرَ، وَمَشَى وَلَمْ يَرْكَبْ، وَدَنَا مِنَ الْإِمَامِ وَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ أَجْرُ سَنَةٍ، صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا (مسند احمد وسنن اربعہ وحسنہ ترمذی) جو شخص جمعہ

کے دن اچھی طرح غسل کرے اور سویرے ہی مسجد کی طرف چل دے، پیدل جائے سوار نہ ہو اور امام سے قریب ہو کر بیٹھے خطبے کو کان لگا کر سنے، لغو کام نہ کرے تو اسے ہر ایک قدم کے بدلے سال بھر کے روزوں اور سال بھر کے قیام کا ثواب ملتا ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسلَ الْجَنَابَةِ، ثُمَّ رَاحَ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ (بخاری و مسلم)

جو شخص جمعہ کے دن جنابت کے غسل کی طرح غسل کرے، اول ساعت میں جائے اس نے گویا ایک اونٹ اللہ کی راہ میں قربان کیا دوسری ساعت میں جانے والا مثل گائے کی قربانی کرنے والے کے ہے، تیسری ساعت میں جانے والا مرغ راہ اللہ میں صدقہ کرنے والے کی طرح ہے، پانچویں ساعت میں جانے والا انڈا راہ اللہ دینے والے جیسا ہے، پھر جب امام آئے فرشتے خطبہ سننے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔

مستحب ہے کہ جمعہ کے دن اپنی طاقت کے مطابق اچھا لباس پہنے خوشبو لگائے مسواک کرے اور صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ جمعہ کی نماز کے لئے آئے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَمَسَّ مِنْ طِيبِ أَهْلِهِ إِنْ كَانَ عِنْدَهُ وَلَبِسَ مِنْ أَحْسَنِ ثِيَابِهِ، ثُمَّ خَرَجَ حَتَّى يَأْتِيَ الْمَسْجِدَ فَيَرْكَعَ إِنْ بَدَا لَهُ وَلَمْ يُؤْذِ أَحَدًا، ثُمَّ أَنْصَتَ إِذَا خَرَجَ إِمَامُهُ حَتَّى يُصَلِّيَ، كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى (مسند احمد)

جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور اپنے گھر والوں کو خوشبو ملے اگر ہو اور اچھا لباس پہنے پھر مسجد میں آئے اور کچھ نوافل پڑھے اگر جی چاہے اور کسی کے ایذاء نہ دے (یعنی گردنیں پھلانگ کر نہ آئے نہ کسی بیٹھے ہوئے کو ہٹائے) پھر جب امام آجائے اور خطبہ شروع ہو خاموشی سے سنے تو اس کے گناہ جو اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے ہوں سب کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے منبر پر بیان فرماتے ہوئے سنا کہ **مَا عَلَى أَحَدِكُمْ لَوِ اشْتَرَى ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوَى ثَوْبَيْ مِهْنَتِه**، تم میں سے کسی پر کیا حرج ہے اگر وہ اپنے روز مرہ کے محنتی لباس کے علاوہ دو کپڑے خرید کر جمعہ کے لئے مخصوص رکھے۔ (ابو داؤد، ابن ماجہ) حضور ﷺ نے یہ فرمان اس وقت فرمایا جب لوگوں پر وہی معمولی چادریں دیکھیں تو فرمایا کہ اگر طاقت ہو تو ایسا کیوں نہ کرلو۔ (تفسیر ابن کثیر) اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جمعے والے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیوں کہ جمعہ والے دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور تمہارا درود مجھ پر پہنچایا جاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے بغیر کسی عذر کے جمعہ چھوڑ دیا وہ ایسی کتاب میں منافق لکھ دیا جاتا ہے جو کبھی مٹائی جاتی نہیں۔ ہاں اگر کوئی معقول عذر ہو تو الگ بات ہے پھر ظہر کی نماز پڑھے گا اور عورتوں پر جمعہ فرض نہیں ہے مریضوں اور مسافروں پر بھی فرض نہیں ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جمعہ کے لیے یہ شرط ہے وہ شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہو جس میں گلی کوچے بازار ہوں اور اس میں فیصلوں کے لیے قاضی یا مجسٹریٹ بیٹھتا ہو۔ (ذخیرۃ الجنان) جس اذان کا یہاں اس آیت میں ذکر ہے اس سے مراد وہ اذان ہے جو امام کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد ہوتی ہے نبی ﷺ کے زمانہ میں یہی اذان تھی جب آپ گھر سے تشریف لاتے منبر پر جاتے اور آپ

کے بیٹھ جانے کے بعد آپ کے سامنے یہ اذان ہوتی تھی۔ اس سے پہلے کی اذان حضور ﷺ کے زمانے میں نہ تھی اسے امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے صرف لوگوں کی کثرت کو دیکھ کر زیادہ کیا۔ (ابن کثیر)

صحیح بخاری شریف میں ہے نبی ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمعہ کی اذان صرف اسی وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر خطبہ کہنے کے لئے بیٹھ جاتا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب لوگ بہت زیادہ ہوگئے تو آپ نے دوسری اذان ایک الگ مکان پر کہلوائی، اس مکان کا نام زوراتھا مسجد سے قریب سب سے بلند یہی مکان تھا۔ (ابن کثیر)

حضرت مکحول سے روایت ہے کہ أَنَّ النِّدَاءَ كَانَ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ مُؤَذِّنٌ وَاحِدٌ حِينَ يَخْرُجُ الْإِمَامُ، ثُمَّ تُقَامُ الصَّلَاةُ، وَذَلِكَ النِّدَاءُ الَّذِي يَحْرُمُ عِنْدَهُ الْبَيْعُ وَالشِّرَاءُ إِذَا نُودِيَ بِهِ، فَأَمَرَ عُثْمَانُ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنْ يُنَادَى قَبْلَ خُرُوجِ الْإِمَامِ حَتَّى يَجْتَمِعَ النَّاسُ، اذان جمعہ کے دن ایک ہی ہوتی تھی جب امام آتا تھا، پھر نماز کے لیے تکبیر کہی جاتی تھی، اور یہی وہ اذان ہے جب خرید و فروخت حرام ہوتی تھی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جب لوگ جمع ہو جائیں تو امام کے آنے سے پہلے اذان دی جائے۔ (ابن ابی حاتم، تفسیر ابن کثیر)

جمعہ میں آنے کا حکم آزاد مردوں کو ہے عورتوں، غلاموں اور بچوں کو نہیں، مسافر مریض اور تیمار دار اور ایسے ہی اور عذر والے بھی معذور گنے گئے ہیں جیسے کہ کتب فروع میں اس کا ثبوت موجود ہے۔

شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس اذان سے مراد وہ اذان ہے کہ خطیب جب خطبہ پڑھنے کے لیے منبر پر بیٹھتا ہے تو اس کے سامنے کھڑے ہو کر جو اذان دی جاتی ہے کیوں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہی پہلی اذان تھی، پھر جب آبادی بڑھ گئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کے مقام زوراء پر پہلی اذان دینے کا حکم دیا اور دوسری اذان وہی قائم رہی کہ جب خطیب منبر پر بیٹھتا تھا تو اس کے سامنے دوبارہ

دی جاتی تھی اس وقت سے لے کر آج تک اسی طرح معمول چلا آرہا ہے۔

اس زمانے میں اصحاب پیغمبر مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کثرت کے ساتھ موجود تھے مگر کسی نے مخالفت نہیں کی کہ یہ کیا نیا کام شروع ہو گیا ہے۔ لہٰذا یہ اذان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے شروع ہوئی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد ہیں، ان کا عمل بھی سنت ہے۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ،فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ (مسند احمد، ابن ماجہ) تم پر لازم ہے میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت، ان کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور اپنی ڈاڑھوں سے محکم طور پر اس کو قابو میں رکھو۔ لہٰذا یہ پہلی اذان بھی دوسری اذان کی طرح سنت ہے اور فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں، اَلْمُعْتَبَرُ هُوَ الْاَذَانُ الْاَوَّلُ، جو پہلی اذان سے اس کا اعتبار ہے۔ (ذخیرۃ الجنان)

پھر فرماتا ہے بیع کو چھوڑ دو یعنی ذکر اللہ کے لئے چل پڑو تجارت کو ترک کر دو، جب نماز جمعہ کی اذان ہو جائے علماء کرام کا اتفاق ہے کہ اذان کے بعد خرید و فروخت حرام ہے، اس میں اختلاف ہے کہ دینے والا اگر دے تو وہ بھی صحیح ہے یا نہیں؟ ظاہر آیت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی صحیح نہ ٹھہرے گا۔ (ابن کثیر)

پھر فرماتا ہے بیع کو چھوڑ کر ذکر اللہ اور نماز کی طرف تمہارا آنا ہی تمہارے حق میں دین دنیا کی بہتری کا باعث ہے اگر تم میں علم ہو۔ ہاں جب نماز سے فراغت ہو جائے تو اس مجمع سے چلے جانا اور اللہ کے فضل کی تلاش میں لگ جانا، تمہارے لئے حلال ہے۔ عراک بن مالک جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر لوٹ کر مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَجَبتُ دَعوَتَكَ، وَصَلَّيتُ فَرِيضَتَكَ، وَانتَشَرتُ كَمَاأَمَرتَنِي فَارْزُقْنِي مِنْ فَضْلِكَ، وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (ابن ابی حاتم) اے اللہ میں نے تیری آواز پر حاضری دی، تیری فرض نماز ادا کی، پھر

تیرے حکم کے مطابق اٹھ آیا، اب تو مجھے اپنا فضل نصیب فرما، تو سب سے بہتر روزی رساں ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کو پیش نظر رکھ کر بعض سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد خرید و فروخت کرے اسے اللہ تعالیٰ ستر حصے زیادہ برکت دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ {وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ} خرید و فروخت کی حالت میں بھی ذکر اللہ کیا کرو، لیتے دیتے وقت بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرو، دنیا کے نفع میں اس قدر مشغول نہ ہو جاؤ کہ اخروی نفع بھول بیٹھو۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص بازاروں میں سے کسی بازار میں جائے اور یہ کلمہ شریف لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، پڑھے تو كُتِبَتْ لَهُ أَلْفُ أَلْفِ حَسَنَةٍ، وَمُحِيَ عَنْهُ أَلْفُ أَلْفِ سَيِّئَةٍ، اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ برائیاں معاف فرماتا ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنَ الذَّاكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا، حَتَّى يَذْكُرَ اللّٰهَ قَائِمًا وَّقَاعِدًا وَّمُضْطَجِعًا. بندہ کثیر الذکر اسی وقت کہلاتا ہے جب کھڑے بیٹھے لیٹے ہر وقت اللہ کی یاد کرتا رہے وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا

مقاتل بن حیان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ ایک تاجر آدمی تھے اور اسلام لانے سے پہلے وہ مدینہ کی طرف تجارت کا سامان لے کر آتے تھے تو لوگ باہر نکل پڑتے ان کے سامان کو دیکھنے کے لیے کہ وہ کیا لے کر آئے ہیں اور ان سے سامان خریدتے وہ ایک دن جمعہ کے دن آئے اور لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس مسجد میں تھے۔ اور آپ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ دحیہ کے اونٹوں کا قافلہ جب مدینہ میں داخل ہوا تو ان کے خاندان والوں نے طبلے اور دوسرے سامان لہو کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ یہ وہی کھیل کود ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔

لوگوں نے مسجد میں سنا کہ دحیہ تجارت کا سامان لے کر احجار الزیت کے پاس اتر چکا ہے۔ اور یہ مدینہ کے بازار میں ایک جگہ تھی۔ لوگوں نے آوازیں سنیں تو بہت سے لوگ دحیہ کی طرف نکل کھڑے ہوئے اس کے تجارت کے سامان اور تماشہ کو دیکھنے کے لیے۔ اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کھڑا ہوا چھوڑ دیا۔ آپ کے ساتھ کوئی بڑی تعداد نہ رہی۔

راوی کہتے ہیں کہ ہم کو یہ بات بھی پہنچی کہ وہ تعداد جو مسجد میں نبی ﷺ کے ساتھ باقی رہی۔ وہ تھوڑی تعداد تھی۔ نبی ﷺ نے اس وقت فرمایا اگر یہ لوگ نہ ہوتے جو مسجد میں باقی ہیں نبی ﷺ کے پاس۔ تو میں ان کے لیے آسمان سے پتھر برسنے کی دعا کرتا۔ اور یہ آیت نازل ہوئی **قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ**، ان سے کہو جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے۔ (بیہقی فی شعب الایمان، تفسیر در منثور)

مسند احمد میں ہے صرف بارہ آدمی رہ گئے باقی لوگ اس تجارتی قافلہ کی طرف چل دیئے جس پر یہ آیت اتری۔ مسند ابو یعلی میں اتنا اور بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر یہ بھی باقی نہ رہتے اور سب اٹھ کر چلے جاتے تو تم سب پر یہ وادی آگ بن کر بھڑک اٹھتی، جو لوگ حضور ﷺ کے پاس سے نہیں گئے تھے، ان میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاورق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک رویت میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسری روایت میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تھے۔

شیعہ کی طرف سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے لہو و تجارت کے لیے نماز جمعہ ترک کر دی اور اس حال میں مسجد سے نکل کھڑے ہوئے جب حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرما

رہے تھے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کے دل میں دین وآخرت سے دنیا اور سامان رزق کی قدر ومنزلت بہت زیادہ تھی۔ اسی لیے تو وہ حضور کو مسجد میں کھڑے چھوڑ کر چلے گئے۔

اس کے بارے میں گزارش ہے کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم جن میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم تھے وہ سب حاضر رہے۔ چنانچہ باقی رہنے میں ان کے اسماء صراحت سے درج ہیں۔ نیز یہ واقعہ ہجرت کے بعد بالکل قریبی دور کا ہے جبکہ لوگوں کو صحبت نبوی سے فیض یاب ہونے کا موقع بہت کم ملا تھا۔ اور یہ کمال تو حضور کی چشم کرم کا تھا کہ ان کے دلوں میں بجز اللہ تعالیٰ کی یاد کے اور کسی قسم کی حسرت باقی نہ رہی تھی۔ اس مقام تک پہنچنے کے لیے تربیت کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے وقت درکار تھا۔ اس اثنا میں ان سے لغزش کے صدور کا قوی امکان تھا۔ جب کبھی ان سے ایسی لغزش ہوئی فوراً اس پر انہیں متنبہ کر دیا گیا اور ان کی اصلاح کر دی گئی۔ اس پیہم تربیت اور فیض صحبت نے وہ اثر دکھایا کہ انہوں نے جانبازی اور سرفروشی کے میدان میں ایسے عدیم المثال کارہائے نمایاں انجام دیے کہ آسمان کے ستارے، عالم بالا کے ملائک اور بہشت بریں کی بہاریں جھوم اٹھیں۔

سروش غیب نے انہیں لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ کا مژدہ جانفزا سنایا۔ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا کی ایمان افروز نوید فردوس گوش بنی۔ اس سے بڑھ کر بے انصافی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک شخص کے طالب العلمی کے زمانہ کی کوتاہیاں بیان کر کے اس کی علمی بزرگی اور اخلاقی فضیلت پر زبان طعن دراز کی جائے۔ یہ کس نے کہا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس اسلامی تربیت سے پہلے ہی ہمہ صفت موصوف تھے۔ یہ کس نے دعویٰ کیا ہے کہ آغوش رسالت کی برکتوں کے بغیر ہی ان میں للّٰہیت وایثار خلوص اور تقویٰ کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔ یہ سب کمالات قرآن کریم، حامل کتاب مبین صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کیمیا اثر کا نتیجہ ہیں۔ (ضیاء القرآن)

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے، صحیح مسلم میں ہے نبی ﷺ جمعہ کے دن دو خطبے پڑھتے تھے درمیان میں بیٹھ جاتے تھے قرآن شریف پڑھتے تھے اور لوگوں کو تذکیر و نصیحت فرماتے تھے۔(ابن کثیر)

وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ: اور اللہ تعالیٰ تمام دینے والوں سے بہتر ہے۔ اسی نے ارزاق واسباب پیدا فرمائے ہیں اور مقدر بھی فرمائے ہیں اس سے بڑھ کر کوئی دینے والا نہیں ہے جو کچھ ملتا ہے اس کی مشیت سے ملتا ہے جو کوئی شخص کسی کو کچھ دیتا ہے وہ بھی اللہ کی طرف سے دل میں ڈال دیا جاتا ہے۔

اس دنیا میں مجازاً جو بھی رزق رسانی کا ذریعہ بنتے ہیں ان سب سے بہتر رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس طرح کے فقرے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آئے ہیں۔ کہیں اللہ تعالیٰ کو احسن الخالقین کہا گیا ہے، کہیں خیر الغافرین، کہیں خیر الحاکمین، کہیں خیر الراحمین، کہیں خیر الناصرین۔ ان سب مقامات پر مخلوق کی طرف رزق، تخلیق، مغفرت، رحم اور نصرت کی نسبت مجازی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف حقیقی۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بھی دنیا میں تم کو تنخواہ، اجرت یا روٹی دیتے نظر آتے ہیں، یا جو لوگ بھی اپنی صنعت و کاریگری سے کچھ بناتے نظر آتے ہیں، یا جو لوگ بھی دوسروں کے قصور معاف کرتے اور دوسروں پر رحم کھاتے اور دوسروں کی مدد کرتے نظر آتے ہیں، اللہ ان سب سے بہتر رازق، خالق، رحیم، غفور ہے۔(تفہیم)

الحمدللہ ثم الحمدللہ آج سورۃ الجمعہ کی تفسیر پایہ تکمیل کو پہنچی، اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول و منظور فرمائے، آمین

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی عباسی

جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

۱۰ دسمبر ۲۰۱۸ء بروز پیر صبح ساڑھے نو بجے

☆☆☆☆

تعارف سورۃ المنافقون

سوال سورۃ المنافقون کا تعارف کروایئے۔

جواب یہ سورت ایک نہایت اہم تاریخی واقعے کے پس منظر میں نازل ہوئی، جس کے ذریعے اسلام نے نفاق کی حقیقت کو بے نقاب کیا اور امت کو باہمی اتحاد کا واضح درس دیا، واقعہ یہ ہے کہ عرب کے ایک قبیلے بنو المصطلق کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ وہ مدینہ منورہ پر حملے کی تیاری کر رہے ہیں، اس خبر کے بعد نبی کریم ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خود اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے، مقابلہ ہوا، دشمن کو شکست ہوئی اور بعد میں ان میں سے بہت سے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔

اس مہم کے بعد چند دن کا قیام ایک چشمے کے قریب ہوا جسے مریسیع کہا جاتا تھا، اسی قیام کے دوران ایک معمولی بات پر ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان تکرار ہوگئی، جو بڑھتے بڑھتے ہاتھا پائی تک جا پہنچی، اس موقع پر مہاجر نے اپنے ساتھیوں کو اور انصاری نے انصار کو آواز دی، یہاں تک کہ اندیشہ پیدا ہوگیا کہ کہیں یہ بات مہاجرین اور انصار کے درمیان کسی بڑے تصادم کی شکل اختیار نہ کرلے۔

جب رسول اللہ ﷺ کو اس صورتِ حال کی اطلاع ملی تو آپ فوراً تشریف لائے اور نہایت حکیمانہ انداز میں فرمایا کہ مہاجر و انصار کے نام پر جھگڑا کرنا جاہلیت کی عصبیت ہے، جس سے اسلام نجات دلانے کے لیے آیا ہے، آپ ﷺ نے واضح فرمایا کہ اس قسم کے نعرے مسلمانوں کے شایانِ شان نہیں، البتہ اصول یہ ہے کہ مظلوم کی مدد کی جائے اور ظالم کو ظلم سے روکا جائے، خواہ وہ کسی بھی گروہ سے تعلق رکھتا ہو، حضور ﷺ کی مداخلت سے فوراً فتنہ دب گیا اور جن کے درمیان تلخی پیدا ہوئی تھی، ان میں صلح ہوگئی۔

اگرچہ یہ جھگڑا ختم ہوگیا، لیکن اس لشکر میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل تھے جو دل سے مسلمان نہیں تھے، بلکہ صرف مالِ غنیمت کی نیت سے ساتھ آئے تھے، ان منافقین کا سردار عبد اللہ بن اُبی تھا،

جب اسے اس واقعے کا علم ہوا تو اس نے اپنے ہم خیالوں کے سامنے نہایت زہر آلود باتیں کہیں، اس نے مہاجرین کے خلاف نفرت انگیز کلمات کہے اور انصار کو بھڑکانے کی کوشش کی، یہاں تک کہ یہ تک کہہ دیا کہ مدینہ واپس پہنچ کر عزت والے ذلت والوں کو نکال باہر کریں گے، اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ مہاجرین کو مدینہ سے نکالنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔

اس مجلس میں ایک سچے اور مخلص صحابی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، انہوں نے اس بات کو سخت ناپسند کیا اور فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا واقعہ عرض کر دیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن اُبی سے اس بارے میں پوچھا تو اس نے صاف انکار کر دیا اور بات کو جھٹلا دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بظاہر معاملے سے درگزر فرمایا، جس سے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو سخت رنج ہوا کہ ایک منافق نے ان کے سامنے انہیں جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی۔

ابھی قافلہ مدینہ منورہ تک نہیں پہنچا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المنافقون نازل فرما دی، جس میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی بات کی تصدیق کر دی گئی اور منافقین کے باطن کو پوری وضاحت کے ساتھ آشکار کر دیا گیا، اس سورت کے ذریعے امت کو یہ سبق دیا گیا کہ ظاہری دعوے ایمان کی دلیل نہیں ہوتے بلکہ اصل معیار دل کی سچائی اور عمل کی صداقت ہے۔

مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو دو طرح کے دشمنوں سے سابقہ تھا، ایک علانیہ دشمن اور وہ تھے منافقین، اس سورۃ میں بنیادی طور پر منافقین کے رویہ کا ذکر آیا ہے بلکہ آیت شروع ہی ہوتی ہے ان کے تذکرہ سے، اسی لیے اس کا نام سورۃ منافقون ہے اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سورۃ آپ پر مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے، کیونکہ منافقین کا مرکز اصل میں مدینہ ہی تھا۔

اس سورۃ میں منافق کی صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ ایمان پر جھوٹا دعوی کرتا ہے، جھوٹی قسمیں کھاتا ہے، لوگوں کو دین سے روکتا ہے، لیکن ان میں حد درجہ بزدلی بھی ہے، پھر مسلمانوں کو تربیت دی گئی ہے کہ وہ مل جل کر رہیں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہیں۔ (آسان تفسیر رحمانی)

سورۃ المنافقون

منافقین کے احوال

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز یہ بتایا جائے کہ بیک وقت منافقین مومن اور کافر کیسے ہوتے ہیں؟

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ {۱} اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ {۲} ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ {۳} المنافقون.

جواب ترجمہ: جب منافق لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ واقعی اس کے رسول ہیں، اور اللہ (یہ بھی) گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق لوگ جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ایک ڈھال بنا رکھا ہے۔ پھر یہ لوگ دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت ہی برے ہیں وہ کام جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔ یہ ساری باتیں اس وجہ سے ہیں کہ یہ (شروع میں بظاہر) ایمان لے آئے پھر انہوں نے کفر اپنالیا اس لیے ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی، نتیجہ یہ کہ یہ لوگ (حق بات) سمجھتے ہی نہیں ہیں۔

المُنَافِقُون کا مادہ نفق ہے، نفق کا معنی زمین میں سرنگ بنانا ہے، ایک سوراخ سے جنگلی چوہا سرنگ میں داخل ہوتا ہے اور دوسرے سوراخ سے نکل جاتا ہے نِفاق کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ ایک طریقہ سے اسلام میں داخل ہونا اور دوسرے طریقہ سے نکل جانا، منافق زبان سے اسلام میں داخل ہوتا ہے اور دل سے اسلام سے نکل جاتا ہے۔ نفاق سازش اور دھوکے کی جنس سے ہے، وہ خیر کو ظاہر کرتا ہے اور اس کے دل میں شر ہوتا ہے۔

عربی لغت "لسان العرب" میں ہے کہ منافق نفق سے ماخوذ ہے، جس کا معنی سرنگ ہے۔ اور بعض نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ لومڑی اپنے بل کے دو منہ رکھتی ہے، ایک کا نام نافقاء اور دوسرے کا نام قاصعاء ہے۔ ایک طرف سے وہ داخل ہوتی ہے، جب کوئی شکاری اس کا تعاقب کرتا ہے تو دوسری طرف سے نکل جاتی ہے۔ اور اگر دوسری جانب سے اس کا کوئی تعاقب کرتا ہے تو پہلے سوراخ سے نکل جاتی ہے۔ کیونکہ اس کے بل کی ایک طرف کا نام نافقاء ہے۔

اسی سے منافق ماخوذ ہے، اس کے بھی دو پہلو ہیں ایک کفر جو اس کے دل میں ہے دوسرا ایمان جو اس کی زبان پر ہے، اگر کفر سے اسے کسی نقصان کا اندیشہ ہو تو وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے لگتا ہے اور اگر اسلام کے باعث اسے کوئی تکلیف پہنچ رہی ہو تو فوراً اپنے کافر ہونے کا اعلان کر دیتا ہے، یعنی وہ حقیقت میں عقیدے کا نہیں، مفاد کا آدمی ہوتا ہے، اسی لیے اس کی زبان اور دل میں ہم آہنگی نہیں ہوتی، وہ دل میں اپنے مفادات کی پرورش کرتا رہتا ہے اور زبان پر اس بات کو لاتا ہے جس سے اس کے دل میں اگنے والی فصل کی آبیاری ہو سکے۔

رئیس المنافقین عبد اللہ ابن ابی ابن سلول ایک کھلا ہوا منافق اور رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں سب سے آگے تھا۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عداوت اور دشمنی سے اچھی طرح واقف تھے لیکن آپ نے کبھی اس کو منافق کہہ کر نہ تو پکارا اور نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کو اس لقب سے یاد کیا۔ حالانکہ کوئی ایسا موقع نہیں تھا جہاں اس نے حضور اکرم ﷺ کی مخالفت اور اسلام دشمنی میں کوئی کسر چھوڑی ہو۔ (تفسیر بصیرت قرآن)

اصل میں نبی کریم ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری سے پہلے مدینہ کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج آپس کی لڑائیوں اور جنگ سے تنگ آچکے تھے انہوں نے یہ طے کیا کہ کسی ایک شخص کو ان دونوں قبیلوں کا سردار اور بادشاہ بنا لیا جائے تاکہ اختلاف اور جھگڑے کے وقت اس سے مدد لی جاسکے۔ عبد اللہ ابن ابی ایک نہایت چالاک اور عیار آدمی تھا۔ اس نے ایسے طریقے اختیار کئے کہ اوس

اور خزرج کے لوگ اس کو اپنا بادشاہ بنانے پر رضامند ہو گئے۔ انہوں نے بادشاہوں جیسا تاج تیار کر لیا تھا تاکہ باقاعدہ تاج پوشی کی رسم ادا کی جائے۔

ادھر بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ منورہ کے وہ حضرات جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کو قبول کر لیا تھا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اگرچہ ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی مگر انہوں نے جرأت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کو مدینہ منورہ آنے کی باقاعدہ دعوت پیش کر دی۔

نبی کریم ﷺ نے انصار مدینہ کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی، آپ ﷺ جیسے ہی مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہر گھر میں آپ ہی کا چرچا شروع ہو گیا۔

پھر آپ نے آتے ہی مہاجرین و انصار کو اخوت و محبت کے رشتے میں اس طرح منسلک کر دیا کہ وہ سگے بھائیوں سے زیادہ ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کرنے لگے، دوسری طرف آپ نے مدینہ منورہ میں آباد تمام قبیلوں سے باہمی صلح کا ایک ایسا معاہدہ فرمایا تاکہ سب ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے ایسی فضا پیدا کریں جس سے بیرونی دشمن کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے یا نقصان پہنچانے کی ہمت نہ ہو سکے۔

یہ سارے اقدامات ایسے تھے کہ لوگ عبد اللہ ابن ابی کی تاج پوشی کو بھول گئے۔ ہوا کا رخ دیکھتے ہوئے عبد اللہ ابن ابی نے اسی میں عافیت سمجھی کہ جس طرح اوس و خزرج اور دوسرے قبیلوں کے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں وہ بھی ظاہری طور پر اسلام قبول کر لے۔ چنانچہ اس نے اور اس کے قبیلے کے دو تین سو آدمیوں نے منافقت کے لبادے میں اسلام قبول کر لیا۔

کہتے ہیں چوٹ کھایا ہوا سانپ بڑا خطرناک ہوتا ہے، عبد اللہ ابن ابی بھی اس بات کو کیسے بھول سکتا تھا کہ حضرت محمد ﷺ کی آمد کی وجہ سے اس کی بادشاہت کا تصور چھن چکا تھا۔ چنانچہ اس نے ہر موقع پر مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور اسلام کے مقاصد کو نقصان پہنچانے میں کسر نہیں چھوڑی۔

جب نبی کریم ﷺ نے بنو قینقاع کی سرکشی اور معاہدہ شکنیوں پر ان کو سزا دینے کا فیصلہ کیا تو بنو قینقاع کی حمایت میں سب سے آگے یہی عبد اللہ ابن ابی تھا۔

غزوہ بدر کے بعد جب کفار مکہ نے تین ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ کیا تو نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک ہزار مسلمان تھے۔ اس موقع پر عبد اللہ ابن ابی نے لوگوں میں کفار مکہ کی طاقت کا اس طرح نقشہ کھینچا کہ وہ خود اور اس کے تین سو ساتھی میدان جنگ سے مدینہ منورہ میں اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

اتنے بڑے دشمن کے مقابلے کے وقت اتنی بڑی تعداد کا نکل جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا جس کو نظر انداز کر دیا جاتا لیکن نبی کریم ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھروسہ صرف اس اللہ پر تھا جو ساری کائنات کی قوتوں کا مالک ہے۔

نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ جن کے پاس پوری طرح ہتھیار بھی نہ تھے جنگ شروع ہوتے ہی ایسی بے جگری سے لڑے کہ دشمن کو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنا پڑا۔

بعض صحابہ کرام نے دشمن پر ایسے وار کئے کہ دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے۔ عبد اللہ ابن ابی ان سلول اور اس کے ساتھیوں کے نکل جانے سے اس جنگ پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا لیکن عبد اللہ ابن ابی نے اپنی ذہنیت کا مظاہرہ کر کے مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے میں کسر نہ چھوڑی۔

اسی طرح جب ۴ ہجری میں بنو نضیر نے غداری اور عہد شکنی کی انتہاء کر دی اور یہ ثابت ہو گیا کہ بنو نضیر مکہ کے کفار کے ساتھ سازش کر کے مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا پورا بندوبست کر چکے ہیں تو آپ نے بنو نضیر کو ان کی عہد شکنی کی سزا دینے کا فیصلہ کر لیا، عبد اللہ ابن ابی نے بنو نضیر کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنی جگہ ڈٹے رہیں، اس کے پاس دو ہزار ایسے مسلح نوجوان موجود ہیں جو ان کی مدد کریں گے۔

جب نبی کریم ﷺ نے بنو نضیر کو ذلت و رسوائی کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکال دیا اس کے بعد، غزوہ بنو مصطلق کا موقع تھا کہ ایک دن عبد اللہ ابن ابی نے ایک محفل میں اپنے دلی بغض اور دشمنی کا

اظہار کرتے ہوئے کہا کہ لوگو! تم نے ان مسلمانوں کو اپنے وطن میں بلا کر اپنے سروں پر مسلط کیا، اپنے مال و جائیداد میں ان کو شریک کیا، یہ تمہاری روٹیوں پر پلنے والے اب تمہارے ہی مقابلے پر آگئے ہیں، اگر تم نے اب بھی اپنے انجام پر غور نہ کیا تو یہ لوگ آگے تمہارا جینا حرام کر دیں گے، تمہیں چاہیے کہ تم آئندہ سے ان کی کسی طرح مدد نہ کرو اس طرح یہ لوگ مدینہ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے، اب تمہیں چاہیے کہ جب تم مدینہ پہنچو تو جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو باہر نکال دے۔

حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ جو بچے تھے انہوں نے عبد اللہ ابن ابی کی ساری باتیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادیں۔ آپ نے پوچھا کہ کیا تم نے یہ سب باتیں خود سنی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں، عبد اللہ ابن ابی کی یہ بات پورے لشکر اسلام میں پھیل گئی اور ہر طرف عبد اللہ ابن ابی کے خلاف غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔

عبد اللہ ابن ابی کے بیٹے کا نام بھی عبد اللہ ہی تھا، وہ سچے اور پکے مسلمان تھے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے باپ کو قتل کر دوں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ منع فرمادیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے اشتعال اور غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اس جگہ سے کوچ کا حکم دیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قریب وادی عقیق میں پہنچے تو عبد اللہ ابن ابی کے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ جب باپ پر نظر پڑی تو انہوں نے عبد اللہ ابن ابی کی سواری کو بٹھا کر اور اونٹ کے گھٹنے پر پاؤں رکھ کر کہا کہ اللہ کی قسم! تم مدینہ میں اس وقت تک داخل نہیں ہوسکتے جب تک اس بات کی وضاحت نہ کر دو کہ عزت والا ذلت والے کو نکال دے، بتاؤ اس میں عزت والا کون ہے۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ کا راستہ روکے کھڑے تھے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پاس سے گزری اور صورتِ حال معلوم کی تو آپ نے اپنے صحابی حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ عبد اللہ ابن ابی کا راستہ چھوڑ دو، مدینہ جانے دو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بعد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کا

راستہ چھوڑ دیا، لیکن عبد اللہ ابن بی نہایت ذلیل وخوار ہو چکا تھا اور اس کی منافقت پوری طرح کھل کر سامنے آچکی تھی، اس موقع پر زیر مطالعہ آیات نازل ہوئیں۔ (بصیرتِ قرآن)

قرآن حکیم نے منافقین کے اَسرار واَحوال کئی مقامات پر واشگاف طور پر بیان کئے ہیں تاکہ ان کو پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی واقعہ اور کوئی سازش مخفی نہیں۔ وہ ہر حرکت کو جانتا ہے اور ہر شرارت سے آگاہ ہے، اس کو دھوکہ نہیں دیا جاسکتا، اس صورت میں بالخصوص ان کے افعال کی مذمت کی اور بتایا کہ ان کو دیکھو تو بظاہر بھلے چنگے دکھائی دیتے ہیں، ظاہری شکل وصورت سے وجاہت ٹپکتی ہے، معقول آدمی دکھائی دیتے ہیں۔ مگر دل ودماغ کی یہ کیفیت ہے کہ بالکل بیکار ہیں، جس طرح غیر ضروری لکڑیاں دیوار کے سہارے کھڑی کر دی جاتی ہیں، اسی طرح یہ لوگ بالکل بے کار ہیں، ان سے فائدہ کی توقع فضول ہے، یعنی دنیا کے کاروبار میں بلحاظ غیر مفید ہونے کے ان کو لکڑیوں سے تشبیہ دی ہے۔

باوجود اس ڈیل ڈول اور اور جسامت کے بزدل اس درجہ ہیں کہ ہر آواز کو جو بلند ہو، یہ سمجھتے ہیں کہ ان ہی کی مخالفت میں بلند ہوتی ہے، دلوں میں تسکین وطمانیت موجود نہیں، ہر آن سہمے ہوئے رہتے ہیں اور انہیں خطرہ رہتا ہے کہ کہیں ہماری بد معاشیوں کی وجہ سے ہم کو گزند نہ پہنچایا جائے۔

سورۃ المنافقون کی ان ابتدائی آیات میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کفر کی ظاہری چمک دمک اور رکھ رکھاؤ سے متاثر نہیں ہونا چاہیے، منافقین اور منکرین کی دولت اور ثروت کو دیکھ کر یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اللہ ان سے خوش ہے اور اللہ کا ان پر بڑا کرم ہے کیونکہ جہاں ان کے باطن کا تعلق ہے، اس میں جرأت موجود نہیں ہے، پاکیزگی اور تقویٰ کا نام ونشان تک نہیں اور وہ فضائل جو ایک انسان میں موجود ہونے ضروری ہیں، ان سے یہ لوگ بالکل ہی محروم ہیں، منافقین کے حق میں طلب بخشش عبث اور فضول ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ منافقوں کے نفاق کو ظاہر کرتا ہے کہ گویہ تیرے پاس آکر قسمیں کھا کھا کر اپنے اسلام کا اظہار کرتے ہیں تیری رسالت کا اقرار کرتے ہیں مگر دراصل دل کے کھوٹے ہیں، فی الواقع آپ رسول اللہ بھی ہیں، ان کا یہ قول بھی ہے مگر چونکہ دل میں اس کا کوئی اثر نہیں، لہذا یہ جھوٹے ہیں، یہ تجھے رسول اللہ مانتے ہیں، اس بارے میں اگر یہ سچے ہونے کے لئے قسمیں بھی کھائیں لیکن آپ یقین نہ کیجئے، یہ قسمیں تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے یہ تو اپنے جھوٹ کو سچ بنانے کا ایک ذریعہ ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ مسلمان ان سے ہوشیار ہیں کہیں انہیں سچا ایماندار سمجھ کر کسی بات میں ان کی تقلید نہ کرنے لگیں کہ یہ اسلام کے رنگ میں تم کو کفر کا ارتکاب کرادیں، یہ بداعمال لوگ اللہ کی راہ سے دور ہیں۔ ضحاک بن مزاحم رحمۃ اللہ علیہ اسے یوں پڑھا کرتے تھے اتَّخَذُوا إِيمَانَهُمْ جُنَّةً الف کی زیر کے ساتھ، تو مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے اپنی ظاہری تصدیق کو اپنے لئے تقیہ بنالیا ہے کہ قتل سے اور حکم کفر سے دنیا میں بچ جائیں۔

یہ نفاق ان کے دلوں میں اس گناہ کی شومی کے باعث رچ گیا ہے کہ ایمان سے پھر کر کفر کی طرف اور ہدایت سے ہٹ کر ضلالت کی جانب آگئے ہیں، اب دلوں پر مہر الٰہی لگ چکی ہے اور بات کی تہہ کو پہنچنے کی قابلیت سلب ہو چکی ہے، بظاہر تو خوش رو خوش گو ہیں، اس فصاحت اور بلاغت سے گفتگو کرتے ہیں کہ خواہ مخواہ دوسرے کے دل کو مائل کرلیں، لیکن باطن میں بڑے کھوٹے بڑے کمزور دل والے نامرد اور بدنیت ہیں، جہاں کوئی بھی واقعہ رونما ہوا اور سمجھ بیٹھے کہ ہائے مرے۔

دوسرے مقام پر قرآن کریم ان کو یوں بیان کرتا ہے {أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ أُولَئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا} (الأحزاب: ۱۹) تمہارے مقابلہ میں بخل کرتے ہیں، پھر

جس وقت خوف ہوتا ہے تو تمہاری طرف اس طرح آنکھیں پھیر پھیر کر دیکھتے ہیں گویا کسی شخص پر موت کی بے ہوشی طاری ہے، پھر جب خوف چلا جاتا ہے تو تمہیں اپنی بد کلامی سے ایذاء دیتے ہیں اور مال غنیمت کی حرص میں نہ کہنے کی باتیں کہہ گذرتے ہیں یہ بے ایمان ہیں ان کے اعمال غارت ہیں اللہ پر یہ امر نہایت ہی آسان ہے۔

پس ان کی یہ آوازیں خالی پیٹ کے ڈھول کی بلند بانگ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں یہی تمہارے دشمن ہیں ان کی چکنی چپڑی باتوں اور ثقہ اور مسکین صورتوں کے دھوکے میں نہ آجانا، اللہ انہیں برباد کرے ذرا سوچیں تو کیوں ہدایت کو چھوڑ کر بے راہی پر چل رہے ہیں؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إِنَّ لِلْمُنَافِقِينَ عَلَامَاتٍ يُعْرَفُونَ بِهَا: تَحِيَّتُهُمْ لَعْنَةٌ، وَطَعَامُهُمْ نُهْبَةٌ، وَغَنِيمَتُهُمْ غُلُولٌ، وَلَا يَقْرَبُونَ الْمَسَاجِدَ إِلَّا هُجْرًا وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا دُبُرًا، مُسْتَكْبِرِينَ لَا يَأْلَفُونَ وَلَا يُؤْلَفُونَ، خُشُبٌ بِاللَّيْلِ، صُخُبٌ بِالنَّهَارِ، منافقوں کی بہت سی علامتیں ہیں جن سے وہ پہچان لئے جاتے ہیں ان کا سلام لعنت ہے، ان کی خوراک لوٹ مار ہے، ان کی غنیمت حرام اور خیانت ہے، وہ مسجدوں کے نزدیک رہنا ناپسند کرتے ہیں، وہ نمازوں کے لئے آخری وقت آتے ہیں، تکبر اور نخوت والے ہوتے ہیں، نرمی اور سلوک تواضع اور انکساری سے محروم ہوتے ہیں نہ خود ان کاموں کو کریں نہ دوسروں کے ان کاموں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھیں رات کی لکڑیاں اور دن کے شور وغل کرنیوالے۔ (ابن کثیر)

منافقین کا ظاہر و باطن

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے۔

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ {۴} سورۃ المنافقون

جواب ترجمہ: جب تم ان کو دیکھو تو ان کے ڈیل ڈول تمہیں بہت اچھے لگیں، اور اگر وہ بات کریں تو تم ان کی باتیں سنتے رہ جاؤ، ان کی مثال ایسی ہے جیسے یہ لکڑیاں ہیں جو کسی سہارے سے لگا رکھی ہیں، یہ ہر چیخ و پکار کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں۔ یہی ہیں جو (تمہارے) دشمن ہیں، اس لیے ان سے ہوشیار رہو۔ اللہ کی مار ہو ان پر۔ یہ کہاں اوندھے چلے جا رہے ہیں؟

آیت ۴ میں ان کی علامات کی نشان دہی کی ہے اور ان کو لکڑی کے کندوں کے ساتھ تشبیہ دے کر سمجھایا ہے کہ یہ اخلاق کی روح سے خالی ہیں، جو اصل جوہر انسانیت ہے ان کے ضمیر مجرم ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ وہ ایمان کے ظاہری پردے کی آڑ میں منافقت کا کھیل کھیل رہے ہیں اس لیے انہیں ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نامعلوم کب ان کے جرائم کا پردہ فاش ہو جائے۔

آج کل منافقین مسلمین پر بھی ان تمام علامتوں کو ایک ایک کر کے منطبق کر لیجئے کہ ان کی وضع کیسی شاندار اور قیمتی ہے کہ خوامخواہ نظروں میں کھب جاتی ہے باتیں سنیے، علی الخصوص اس وقت کی جب مسائل قومیہ واصلاحیہ میں رطب اللسان ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ دلوں کی باگیں انہی کے ہاتھ میں ہیں پھر جب کانفرنس کی سٹیجوں پر سرگرم سامعہ نوازی ہوتے ہیں اور پرزور جملے ادا کرنے کے بعد تن کر کھڑے ہو جاتے ہیں تو واقعی معلوم ہوتا ہے کہ، كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ، آخری علامت یہ بتلائی کہ کوئی بات زور سے کہیے سمجھیں گے کہ یہ ہماری ہی طرف اشارہ ہے۔ (ترجمان القرآن مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ)

منافقین کے ظاہری حالات دیکھ کر آپ دم بخود رہ جائیں گے، ان کی وضع قطع، ان کی شکل وشباہت، ان کی ڈیل ڈول، ان کی چمک دمک، ان کا کروفر، ان کی گفتار اور ظاہری بود وباش دیکھ کر انسان محو حیرت ہو جائے، ان کی چکنی چپڑی باتیں، ان کی طلاقت وفصاحت لسانی دیکھ کر عقل حیرت میں گم ہو جائے، مگر افسوس کہ ان کے دل ایمان سے تہی ہیں، ان کی عقلیں فہم وفراست اور علم نافع

سے خالی ہیں، قرآن کریم نے ان کی مثال لکڑیوں کے ان کندوں کے بیان کی ہے جو دیوار پر رکھ دیے گئے ہوں، جن میں زندگی کی کوئی رمق نہیں، حس و حرکت نہیں، بے جان ہیں، بے حرکت ہیں۔

ان منافقین کی ظاہری اور باطنی کیفیات کو اللہ ہی جانتا ہے، ان کی علامات اور نشانیاں کچھ ہیں جو رب العالمین، عالم الغیب والشہادہ، ظاہر و نہاں کو جاننے والے رب نے اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کو بتادیں تھیں، اس لیے ان میں سے کچھ کو تو آپ ﷺ جانتے بھی تھے، کچھ ابھی پردہ خفا میں ہی تھے، مگر وہ وقت کے ساتھ ساتھ اپنی حرکات کی بدولت سب پر عیاں ہو گئے تھے۔

وہ ہر اٹھنے والی بلند آہنگی کو اپنے خلاف اور اپنے لیے مضرت رساں خیال کرتے ہیں، کیونکہ وہ اپنی سیاہ اعمالیوں، کوتاہ بینیوں اور شاطرانہ چالوں سے آگاہ تھے، وہ اپنی جبانت اور بزدلی کو بھی جانتے تھے، ان کو حقیقی دشمن قرار دیا گیا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے دشمن ہیں اور اہل ایمان کی جڑیں بھی کاٹتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ ان کی ہوشیاریوں سے بچتے رہیں، اللہ انہیں رسوا کرے گا، انہیں اپنی رحمت سے دور پھینکے گا، یہ لوگ حق سے طرح روگردانی اور اعراض کرتے ہیں جس میں نفاق اور گمراہی نہیں ہے۔

منافقین کا تکبر اور دعائے بخشش کی ممانعت

سوال ان آیات کریمہ کی تفسیر کیجیے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۚ{۵}سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ {٦} المنافقون

جواب ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ، اللہ کے رسول تمہارے حق میں مغفرت کی دعا

کریں، تو یہ اپنے سروں کو مٹکاتے ہیں، اور تم انہیں دیکھو گے کہ وہ بڑے گھمنڈ کے عالم میں بے رخی سے کام لیتے ہیں۔ (اے پیغمبر) ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں، چاہے آپ ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں یا نہ کریں، اللہ انہیں ہر گز نہیں بخشے گا، یقین جانیے اللہ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔

جب قرآن کریم نے منافقین کی پالیسیوں، شرارتوں اور دورنگیوں کے پردے چاک کیے، ان کی حرکات وسکنات سے مسلمانوں اور ان کے عظیم الشان پیغمبر کو آگاہ کیا تو عبداللہ بن ابی وغیرہ کے پاس اس کے قبیلے کے لوگ پہنچے اور جا کر اسے کہا کہ تم اپنی منافقانہ پالیسیوں اور حرکتوں کی وجہ سے ذلیل وخوار ہو چکے ہو، اس لیے تم اپنی منافقت سے اللہ کی بارگاہ میں معافی کی التجا کرو، توبہ اور استغفار کرو، اور عرض کرو کہ وہ تمہاری بخشش فرمائے۔

اس فرمائش پر ان کو چاہیے تھا کہ وہ اپنے سر تسلیم خم کرتے، ندامت کے اشک بہاتے، زاری کرتے، اپنی معافی کی عرضی پیش کرتے مگر انہوں نے اس کے برعکس کیا، اپنے سر نفی میں متکبرانہ انداز میں ہلائے، استہزائی انداز اختیار کیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر سبب میں عبداللہ بن ابی کا ایسا مؤقف تھا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول کی طاعت پر برانگیختہ کرتا، اسے کہا گیا، یہ چیز تجھے کیا نفع دے گی جبکہ رسول اللہ ﷺ تجھ پر ناراض ہیں، آپ کی خدمت میں حاضر ہو تا کہ آپ ﷺ تیرے لئے بخشش طلب کریں، اس نے ایسا کرنے اور آپ ﷺ کی خدمت میں جانے سے انکار کر دیا۔

اس نے کہا، میں آپ کے پاس نہیں جاؤں گا، ان ایات کے نزول کا سبب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنی مصطلق کے ایک چشمہ پر جنگ کی جسے مریسیع کہتے ہیں جو قدید سے ساحل کی جانب تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزدور جسے جہجاہ کہتے کا عبداللہ بن ابی کے حلیف کے ساتھ جھگڑا ہو گیا جسے سنان کہتے ہیں، جھگڑا ایک چشمہ پر ہوا جسے مشلل کہتے ہیں۔

جہجاہ نے مہاجرین کو بلایا اور سنان نے انصار کو بلایا۔ جہجاہ نے سنان کو تھپڑ مارا، عبد اللہ بن ابی نے کہا، کیا انہوں نے ایسا کیا ہے اللہ کی قسم! ہماری اور ان کی مثال اس کی طرح ہے جس طرح پہلے نے کہا: اپنے کتے کو موٹا کرو تا کہ وہ تجھے کاٹ کھائے۔ اللہ کی قسم! اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹے تو عزت والا ذلیل کو نکال دے گا (عزت والے سے مراد اس نے اپنی ذات اور ذلت والے سے مراد اس نے سرور دو عالم ﷺ کی ذات لی تھی) پھر اس نے اپنی قوم سے کہا، اپنے کھانے کو آپ سے روک لو جو آپ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ بھاگ جائیں اور آپ ﷺ کو چھوڑ جائیں۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا جبکہ وہ عبد اللہ کے حمایتیوں میں سے تھا أَنْتَ وَاللهِ الذَّلِيلُ الْمُنْتَقَصُ فِي قَوْمِكَ، وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عِزٍّ مِنَ الرَّحْمَنِ وَمَوَدَّةٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَاللهِ لَا أُحِبُّكَ بَعْدَ كَلَامِكَ هَذَا أَبَدًا، اللہ کی قسم! تو ذلیل ہے، اپنی قوم میں پست درجہ پر ہے اور حضرت محمد ﷺ رحمان کی جانب سے عزت سے سرفراز ہیں اور مسلمانوں کی جانب سے محبت سے سرفراز ہیں، اللہ کی قسم! میں تیری اس بے ہودہ گفتگو کے بعد تجھ سے محبت نہیں رکھوں گا۔ عبد اللہ منافق نے کہا، خاموش رہ، میں تو ویسے ہی کھیل تماشہ لگا رہا تھا۔

حضرت زید نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کی تو عبد اللہ بن ابی نے قسم اٹھائی کہ نہ اس نے یہ عمل کیا اور نہ ہی یہ بات کہی، نبی کریم ﷺ نے اس کی معذرت قبول کر لی، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا، مجھے بڑا دکھ ہوا اور لوگوں نے مجھے ملامت کی تو سورۃ منافقین حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تصدیق اور عبد اللہ کی تکذیب میں نازل ہوئی۔

عبد اللہ بن ابی سے کہا گیا: تیرے بارے میں شدید آیات نازل ہوئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو تا کہ اپنے بارے میں بخشش کا طالب ہو، تو اس نے اپنا سر ہلا دیا تو یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ: اور تم انہیں دیکھو کہ وہ غرور کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں۔ یہ خطاب مسلمانوں سے ہے جنہوں نے منافقوں کو اعترافِ جرم اور خدمتِ نبوی میں حاضر ہو

کر دُعائے بخشش کا مشورہ دیا تھا یعنی تم دیکھو گے کہ وہ استغفار سے منہ موڑتے ہیں اور اعتراف جرم سے تکبر کرتے اور معذرت سے گریز کرتے ہیں۔

منافقین کے لیے استغفار: جب عبد اللہ بن ابی کا انتقال ہو گیا تو اس کے بیٹے نے آپ ﷺ سے (جو مسلمان اور باپ ہی کے ہم نام تھے) درخواست کی کہ ایک تو آپ (بطور تبرک) اپنی قمیض عنایت فرما دیں تاکہ میں اپنے باپ کو اس میں کفنا دوں۔ دوسرا آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھا دیں۔ آپ ﷺ نے قمیض بھی عنایت فرمادی اور نماز جنازہ پڑھانے کے لیے بھی تشریف لے گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھانے سے روکا ہے، آپ ﷺ کیوں اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے یعنی روکا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ " اگر تو ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کرے گا تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں فرمائے گا۔ تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ ان کے لیے استغفار کرلوں گا، چنانچہ آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھادی جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر آئندہ کے لیے منافقین کے حق میں دعائے مغفرت کی قطعی ممانعت فرمادی۔ (بخاری)

اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا: اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ دعائے مغفرت بھی صرف ان لوگوں کے لیے ہی قبول ہو گی یا ہو سکتی ہے جو خود بھی ہدایت کے راستے پر چلنا چاہتے ہوں یا چل رہے ہوں۔ خواہ دعائے مغفرت کرنے والے اللہ کے رسول ﷺ ہی کیوں نہ ہوں۔ دوسری یہ کہ جو لوگ اللہ کی نافرمانی کی روش اختیار کیے ہوئے ہوں انہیں اللہ زبردستی راہ ہدایت پر نہیں لایا کرتا۔

منافقین کی ایک اور یاوہ گوئی

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ {۷} يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ {۸} المنافقون.

جواب ترجمہ: یہی تو ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو، یہاں تک کہ یہ خود ہی منتشر ہو جائیں گے، حالانکہ آسمانوں اور زمین کے تمام خزانے اللہ ہی کے ہیں، لیکن منافق لوگ سمجھتے نہیں ہیں، کہتے ہیں کہ: اگر ہم مدینہ کو لوٹ کر جائیں گے تو جو عزت والا ہے، وہ وہاں سے ذلت والے کو نکال باہر کرے گا، حالانکہ عزت تو اللہ ہی کو حاصل ہے اور اس کے رسول کو، اور ایمان والوں کو، لیکن منافق لوگ نہیں جانتے۔

منافقین کا خبثِ باطن اور مسلمانوں کے بارے میں بغض ملاحظہ کیا جائے کہ وہ کسی طرح شجر اسلام کو پھلتا پھولتا اور آفتاب اسلام کو عالمتاب نہیں دیکھنا چاہتے تھے، اسی لیے وہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے جس میں اسلام، پیغمبر اسلام کے بارے میں منفی پروپیگنڈہ نہ کرتے ہوں، جب انہوں نے دیکھا کہ ہماری سر تاپا کاوشوں کے باوجود اسلام کے دیوانے، پروانے اور مستانے شمع اسلام پر فدا ہو رہے ہیں تو انہوں نے ایک اور طرح کی چال چلی، اور مدینہ والوں سے کہنے لگے کہ تم لوگ اصحاب رسول اللہ ﷺ پر نوازشات بند کر دو، انہیں عطیات نہ دو، ان کا حقہ پانی بند کر دو، تاکہ یہ سارے غریب مسکین نبی کریم ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔

مگر کائنات کا غیور رب کب اس طرح کی ریشہ دوانیوں سے ایمان والوں کو پریشان ہونے دیتا ہے، وہ واضح کرتا ہے کہ خزانوں کی کنجیاں اسی ذاتِ حق کے قبضہ قدرت میں ہیں، آسمان اور زمین کے خزانے منافقین مدینہ کے پاس نہیں بلکہ رب العالمین کے پاس ہیں، آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اسی کے اختیار میں ہے، رزق دینے والی ذات اللہ کی ہے، جسے رازق کہا جاتا ہے اس سے بڑھ کر وہ رزاق بھی ہے، جسے چاہتا ہے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے محروم رکھتا ہے، گبر و ترسا اسی کا وظیفہ

کھاتے ہیں، وہ دشمنوں کو بھی کھلاتا ہے تو اپنوں کو کیونکر محروم کرے گا۔ منافقین لاف و گزاف سے کام لیتے ہیں، عقل و دانش ان کے پلے نہیں ہے اور نہ ہی اگر ہو تو انہیں نفع دیتی ہے۔

آگے منافقین کے سرغنہ کا وہ بے ہودہ قول نقل کیا گیا ہے، جس میں اس نے اپنے لیے اعز (بڑا عزت والا) اور رحمت کائنات ﷺ کے لیے اس کے برعکس کلمہ منہ سے نکالا ہے، اس پر کائنات کے غیور رب نے فرمایا کہ عزت اور ذلت کا مالک اللہ ہے، عزت اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے، عزت ایمان والوں کے لیے ہے، ایمان سے تہی اور محروم لوگوں کے لیے کوئی عزت نہیں ہے، مگر منافقین اپنی جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے اس بات کو نہیں جان سکتے۔

حب مال واولاد اور ذکر اللہ

سوال ان آیات کی تفسیر کیجیے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾ المنافقون

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! تمہاری دولت اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں۔ اور جو لوگ ایسا کریں گے، وہ بڑے گھاٹے کا سودا کرنے والے ہوں گے۔ اور ہم نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس میں سے (اللہ کے حکم کے مطابق) خرچ کر لو، قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کے پاس موت آجائے تو وہ یہ کہے کہ: اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی دیر کے لیے اور مہلت کیوں نہ دے دی کہ میں خوب صدقہ کرتا، اور نیک لوگوں میں شامل ہو جاتا۔ اور جب کسی شخص کا معین وقت آجائے گا تو اللہ اسے ہرگز مہلت نہیں دے گا، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ ان آیات کے ذیل میں لکھتے ہیں اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کو مال و اولاد کی وجہ سے غفلت میں پڑ جانے سے منع فرمایا ہے اور اس بات پر آگاہ فرمایا ہے کہ جو لوگ ان چیزوں کی وجہ سے غفلت میں پڑ جائیں گے وہ خسارہ میں ہیں۔ اب آپ اپنی حالت پر غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ معصیت کا زیادہ سبب اکثر مال و اولاد ہی کا تعلق ہوتا ہے حق تعالیٰ اسی سے روکتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ مال و اولاد تمہارے لئے ذکر اللہ سے غفلت کا سبب ہو جاویں۔

یہاں ذکر اللہ سے مراد طاعت اللہ ہے چونکہ طاعات کی وضع ذکر اللہ ہی کے لئے ہے اس لئے ذکر بول کر طاعت مراد لی جاتی ہے (اور کنایہ میں نکتہ یہ ہے کہ جس طرح معصیت کا سبب غفلت ہے جس پر لَا تُلْهِكُمْ میں دلالت ہے اور غفلت کا سبب دنیا کے ساتھ قلب کا تعلق ہونا ہے جس پر اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ دلالت کر رہا ہے، جس سے مراد مجموعہ دنیا ہے اور ان دونوں کی تخصیص لفظی کی یہ وجہ ہے کہ یہ دونوں دنیا کے اعظم افراد ہیں۔

اسی طرح طاعت کی بجائے ذکر اللہ کہنے میں اس پر دلالت ہے کہ طاعات کا سبب غفلت کا مقابل ہے یعنی ذکر اور ذکر کا سبب خدا کے ساتھ دل کا متعلق ہونا ہے جس پر اضافت ذکر الی اللہ سے دلالت ہو رہی ہے) تو اس سے یہ بات مفہوم ہوئی ہے کہ مال و اولاد اکثر طاعت سے غفلت کا سبب ہوا کرتے ہیں اور جب طاعت سے غفلت ہو گی تو وہ معصیت ہو گی۔

نتیجہ یہ نکلا کہ معصیت کا زیادہ سبب مال و اولاد کا تعلق ہے اور جب یہ زیادہ تر معصیت کا سبب تھے جبھی تو حق تعالیٰ نے ان کی وجہ سے غفلت میں پڑنے کی ممانعت فرمائی کیونکہ حق تعالیٰ حکیم ہیں اور حکیم کا کوئی کلام حشو و زائد نہیں ہوتا پس دنیا بھر کی چیزوں میں سے اموال و اولاد کو خاص طور پر ذکر فرمانا اس کی صاف دلیل ہے کہ ان دونوں کو غفلت عن الطاعات یعنی صدور معاصی میں زیادہ دخل ہے۔

تو حق تعالیٰ کا اموال و اولاد کی وجہ سے غفلت میں پڑنے کی ممانعت فرمانا ہی اس کی دلیل ہے کہ یہ زیادہ تر معصیت کا سبب ہوتے ہیں خود کلام اللہ بھی اس کو بتلا رہا ہے اور مشاہدہ بھی چنانچہ اپنی حالت میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مال و اولاد کی وجہ سے کتنے گناہ ہوتے ہیں۔

مال و اولاد کے درجے: تفصیل اس کی یہ ہے کہ مال میں عمل کے دو مرتبے ہیں۔ ایک درجہ حاصل کرنے کا اور ایک اس کو محفوظ رکھنے کا اسی طرح اولاد میں بھی یہ دو مرتبے ہیں ایک اولاد حاصل کرنے کا دوسرے ان کی حفاظت کا اور ایک تیسرا مرتبہ اور ہے لیکن یہ مرتبہ اموال و اولاد میں دونوں کے لئے جدا جدا ہے پہلے دو مرتبوں کی طرح مشترک نہیں ہے چنانچہ مال میں تو تیسرا مرتبہ صَرف کرنے کا ہے اور اولاد میں تیسرا مرتبہ ان کے لئے آئندہ کی فکر کرنے کا ہے۔ غرض تین درجے عمل کے مال میں ہیں اور تین درجے اولاد میں ہیں۔

مال میں تو تین عمل یہ ہیں۔ ① مال کا پیدا کرنا۔ ② مال کی حفاظت کرنا۔ ③ مال کا صرف کرنا۔ اور اولاد میں تین درجے عمل کے یہ ہیں۔ ① اولاد کا حاصل کرنا۔ ② پھر اس کی حفاظت کرنا۔ ③ پھر اس کے لیے آئندہ کی فکر کرنا۔

تو کل چھ مرتبے ہوئے جو کہ حقیقت میں اعمال کے درجے ہیں اب ان چھ مرتبوں میں بہت مختصر انداز سے اپنی حالت کو دیکھ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان میں ہمارا برتاؤ کیا ہے اور ان میں ہم کتنے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مثلاً مال میں تین مرتبے تھے ایک حاصل کرنا دوسرے حفاظت کرنا تیسرے صَرف کرنا اب دیکھیے یہ مال کتنے ناچ نچاتا ہے۔

اہل خسارہ : یہاں کیا اچھا لفظ ارشاد فرمایا ہے فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ جس میں جیسا کہ ابھی مذکور ہوتا ہے اس طرف اشارہ ہے کہ ایسا شخص نفع کی چیز میں ٹوٹا اٹھانے والا ہو گا، جس سے یہ معلوم ہو گیا کہ مال و اولاد فی نفسہ ضرر کی چیز نہیں بلکہ اگر معصیت کا سبب نہ بنے تو واقع میں نفع کی چیز ہے اور

یہ اشارہ اس وجہ سے ہے کہ خسارہ مطلق نقصان کو نہیں کہتے بلکہ نفع کی چیز میں نقصان کو خسارہ کہا کرتے ہیں۔ بہر حال ایسے لوگ خسارہ میں ہیں اور زیاں کار ہیں۔

اطلاق خسارہ سے اس پر بھی دلالت ہے کہ صرف آخرت ہی میں نہیں بلکہ دنیا میں بھی یہ لوگ خسارہ ہی کے اندر ہیں کیونکہ مال و اولاد کی ایسی محبت وبال جان ہو جاتی ہے اور مال و اولاد ایسے ہی شخص کے لئے معصیت کا سبب ہو جاتے ہیں جس کو ان سے ایسی محبت ہو سو محبت مال کا وبال جان ہونا تو ظاہر ہے کہ ہر آدمی کو اسی کی فکر رہتی ہے کہ آج اتنے روپے ہیں تو کل کو اتنے ہو جائیں۔ چنانچہ اپنی جان پر مصیبت ڈال ڈال کر روپیہ جوڑا جاتا ہے پھر رات کو اسے بار بار دیکھا جاتا ہے کہ اپنی جگہ پر ہے بھی یا نہیں، چوروں کے کھٹکے سے راتوں کی نیند جاتی ہے۔

اور اولاد کا وبال جان ہونا آپ کو اس حکایت سے معلوم ہو جائے گا کہ میں (حضرت تھانوی) نے ایک والی ملک کی بیٹی کو دیکھا ہے کہ ان کو اپنے بیٹوں سے اس قدر محبت تھی کہ رات کو وہ سب کو ساتھ لے کر لیٹتی تھیں۔ جدا کر کے ان کو چین ہی نہ آتا تھا پھر جب بچے زیادہ ہو گئے اور ایک پلنگ پر نہ آسکے تو انہوں نے پلنگ پر سونا چھوڑ دیا سب کو لے کر نیچے زمین کے فرش پر سویا کرتی تھیں اور اس پر بھی اعتبار نہ آیا بلکہ کسی پر ہاتھ رکھ لیتیں اور کسی پر پیر اور رات کو بار بار آنکھ کھلتی اور بچوں کو ٹٹول کر دیکھ لیا کرتیں۔ واقعی یہ محبت تو عذاب ہی ہے پھر اگر ایمان بھی نہ ہو تو دونوں عالم میں معذب ہے اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں

وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ (التوبہ ۸۵) اور تمہیں ان کے مال اور اولاد (کی کثرت) سے تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں سے ان کو دنیا میں عذاب دے، اور ان کی جان بھی کفر ہی کی حالت میں نکلے۔ کیونکہ ان کو نہ دنیا میں چین ملا نہ آخرت میں اور اگر ایمان رہا تو خیر دنیا ہی

بے لذت ہوئی آخرت انجام کار اِن شَاءَ اللہ پر لطف ہو جائے گی۔ غرض ثابت ہو گیا کہ محبت مال و اولاد کبھی معصیت کا سبب ہو جاتی ہے اور اس سے دنیا و آخرت دونوں کا خسارہ ہو جاتا ہے خواہ خسارہ محدود ہو یا غیر محدود البتہ جو لوگ اعتدال کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور حقوق الٰہیہ کو غالب رکھتے ہیں ضائع نہیں کرتے وہ ہر وقت لطف میں ہیں۔ (اشرف التفاسیر)

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اعتقادی اور عملی منافقوں کے علاوہ ان کی بعض دیگر اقسام کا ذکر بھی کیا ہے، مثلاً منافقوں کی ایک قسم ان لوگوں کی ہے، جو اسلام میں داخل ہوتے وقت کمزوری دکھاتے ہیں اور پوری دلجمعی کے ساتھ اسلام قبول نہیں کرتے۔ یہ لوگ اپنے قومی اور خاندانی طور طریقے کو ہی جاری رکھتے ہیں، اور بظاہر اسلام میں داخل ہوتے ہیں، منافقوں کی ایک قسم وہ ہے جن کے دلوں میں دنیاوی لذات کا غلبہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے محروم ہوتے ہیں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منافقوں کی ایک قسم وہ ہے جو مال کی حرص، حسد اور کینہ وغیرہ جیسی روحانی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں جن کی موجودگی میں وہ خدا تعالیٰ کے سامنے مناجات کرنے میں لطف اندوز نہیں ہو سکتے۔

کچھ لوگ امور معاش میں اس قدر اِنہماک رکھتے ہیں کہ امور معاد کی فکر ہی نہیں ہوتی یہ بھی نفاق ہی کی ایک قسم ہے۔ بعض لوگوں کے دلوں میں اللہ کے نبی کی نبوت و رسالت کے متعلق شکوک و شبہات ہوتے ہیں کیونکہ وہ درحقیقت نبی پر نازل ہونے والے شرعی احکام کے ساتھ موافقت پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ بھی منافقوں ہی کی ایک قسم ہے۔

منافقوں کی ایک قسم ان لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے، جو اپنی قوم قبیلے اور خاندان کی مدد کرنا لازمی سمجھتے ہیں، خواہ وہ مدد اسلام کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، ایسے لوگ اسلام کے معاملے میں سستی کا

تعارف سورۃ التغابن

سوال سورۃ التغابن کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ التغابن قرآن مجید کی ۶۴ ویں سورت ہے، جس کی ۱۸ آیات، ۲۴۱ کلمات اور ۱۰۷۰ حروف ہیں اس سورت کے مدنی یا مکی ہونے میں اختلاف ہے: اکثر مفسرین کے نزدیک یہ مدنی ہے، جبکہ بعض کے نزدیک مکی ہے سوائے آخری تین آیات کے، جو مدینہ میں نازل ہوئیں، خاص طور پر آیت ۱۴ سے آخر تک، جو عوف بن مالک الأشجعی کے واقعے کے پس منظر میں نازل ہوئیں۔

اس سورت کا نام "التغابن" ہے، جو آیت ۹ میں آیا ہے "تغابن" کا مطلب ہے "نقصان اور فائدے کا دن"۔ قیامت کے دن مومن اور کافر کے درمیان اصل خسارہ اور نفع ظاہر ہو جائے گا، اس لیے اس دن کو "یوم التغابن" کہا گیا ہے۔

سورۃ التغابن میں بنیادی طور پر درج ذیل موضوعات بیان ہوئے ہیں

① اللہ کی قدرت اور بادشاہت: سورت کی ابتدا اللہ کی تسبیح سے ہوتی ہے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے، اسی کے لیے بادشاہت اور حمد ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

② انسانوں کی تقسیم: اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا، ان میں سے کچھ کافر اور کچھ مومن ہیں، اور اللہ ان کے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

③ آخرت اور یوم التغابن: قیامت کے دن سب کو جمع کیا جائے گا، اور اس دن اصل خسارہ اور نفع ظاہر ہو گا۔ مومنوں کو جنت کی خوشخبری اور کافروں کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

④ سابقہ اقوام کا انجام: پچھلی امتوں کے انجام کا ذکر ہے کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی، جس کے نتیجے میں وہ عذاب میں مبتلا ہوئے۔

⑤ ایمان اور عمل صالح: ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کے لیے گناہوں کی معافی اور جنت کی بشارت ہے۔

⑥ مصیبت اور قضا و قدر: ہر مصیبت اللہ کے اذن سے آتی ہے، اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔

⑦ اہل و عیال کی آزمائش: آخری آیات میں بیان ہوا کہ بیوی بچے بعض اوقات انسان کے لیے آزمائش بن جاتے ہیں، اس لیے ان سے ہوشیار رہنا چاہیے اور اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

⑧ تقویٰ اور انفاق: اللہ سے ڈرنے، اس کی اطاعت کرنے اور اس کی راہ میں خرچ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

سورۃ التغابن کی خصوصیات: ① اس سورت میں ایمان، آخرت، اللہ کی قدرت، قضا و قدر، اور انسان کی ذمہ داریوں پر زور دیا گیا ہے۔ ② اس میں دنیاوی مال و اولاد کی حقیقت اور ان کے ذریعے آزمائش کا ذکر ہے۔ ③ سورت کا مرکزی پیغام یہ ہے کہ اصل کامیابی آخرت میں ہے، اور دنیاوی فائدہ یا نقصان عارضی ہے۔

سورۃ التغابن کی فضیلت: بعض روایات میں آیا ہے کہ جو شخص سورۃ التغابن کی تلاوت کرے، اللہ تعالیٰ اس سے اچانک موت کی مصیبت کو دور فرما دیتا ہے، اگرچہ محدثین نے ان روایات کی صحت پر کلام کیا ہے۔

المختصر: سورۃ التغابن ایک جامع سورت ہے جو توحید، رسالت، آخرت، قضا و قدر، اور معاشرتی و اخلاقی تعلیمات پر مشتمل ہے۔ اس میں انسان کو اس کی اصل حقیقت اور انجام کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، اور دنیا و آخرت کی کامیابی کے لیے ایمان، عمل صالح، تقویٰ اور اللہ پر توکل کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کے مضامین مکی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد کی دعوت پر مشتمل ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے حوالے سے توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان کی دعوت دی گئی ہے، اور پچھلی امتوں کی تباہی کے اسباب بتاتے ہوئے توجہ دلائی گئی ہے کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کے رسول برحق اور ان پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لا کر آخرت کی تیاری کرنی چاہیے۔

سورۃ التغابن

رب تعالیٰ کی باکمال ہستی

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ {۱}هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ {۲}خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ {۳}يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ {۴} التغابن)

جواب ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے، اور بادشاہی اسی کی ہے، اور تعریف اسی کی، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے، اور کوئی مومن، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اسے خوب دیکھتا ہے۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے، اور تمہاری صورتیں بنائی ہیں اور تمہاری صورتیں اچھی بنائی ہیں، اور اسی کی طرف آخر کار (سب کو) پلٹ کر جانا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ اسے جانتا ہے، اور جو کچھ تم چھپ کر کرتے ہو اور جو کچھ کھلم کھلا کرتے ہو، اس کا بھی اسے پورا علم ہے، اور اللہ دلوں کی باتوں تک کا خوب جاننے والا ہے۔

زمین اور آسمانوں میں، جو مخلوق بھی ہے، وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہے۔ اس کی تسبیح اور تعریف کر رہی ہے، گویا اس پوری کائنات کی روح مومن ہے اور اس پوری کائنات کا دل مومن ہے، اللہ اس پوری کائنات کا مالک ہے اور اس کائنات کی ہر چیز میں اس کا شعور بھی ہے، اللہ اپنی ذات میں بھی ستودہ صفات ہے اور اس مخلوقات کے اندر بھی اس کی تعریف اور تمجید ہوتی ہے، اب اگر اس

وسیع کائنات کے سمندر میں ایک اکیلا انسان کافر بن جائے اور اس کی روح اور اس کا قلب غافل اور منکر ہو، وہ سرکش اور نافرمان ہو، اللہ کی تسبیح نہ کرے، اس کی طرف متوجہ نہ ہو تو یہ بالکل شاذ ہو گا، اور انوکھا ہو گا اور عجیب ہو گا اور نمایاں طور پر الگ ہو گا۔ اس طرح جیسے کسی کو یہ پوری کائنات دھتکار دے۔ (فی ظلال القرآن)

وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ: اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ کی قدرت بے قید اور لامحدود ہے، قلب مؤمن میں قرآن اس حقیقت کو طبع کرتا ہے، یوں انسان اس حقیقت کو جانتا ہے اور اس کے مدلول سے متأثر ہوتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ قدرت جو چاہے اس کے ساتھ کرے، وہ اپنے آپ کو قدرت کے سپرد کر دیتا ہے کہ قدرت اس کے معاملات کے اندر جو چاہے تصرف کرے۔

قدرت الٰہیہ کا یہ جامع تصور کہ ہر شے اس کی تسبیح کرتی ہے، اس کی تعریف کرتی ہے اور اس کی طرف متوجہ ہے، یہ اسلام کے اس عظیم جامع تصور کا ایک اہم پہلو ہے۔

دوسری چٹکی خود قلب انسانی کے اندر۔ انسان کا یہ چھوٹا سا دل اس عظیم کائنات کے سمندر کے اندر ہے، یہ پوری کائنات تسبیح الٰہی اور حمد الٰہی میں رطب اللسان ہے، یہ چھوٹا سا دل کبھی مومن بن جاتا ہے اور کبھی کافر، اس چھوٹے انسان کا چھوٹا قلب ہی اس کائنات میں ایسا مؤقف اختیار کرتا ہے، کائنات کی کوئی شے اس کفر میں اس کا ساتھ نہیں دیتی۔ (ظلال القرآن

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ: وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن" یہ انسان اللہ کی قدرت اور اللہ کے ارادے سے وجود میں آیا ہے اور یہ اللہ ہی ہے جس نے انسان کے اندر کفر کے رجحان کے امکانیات اور ایمان کے رجحان کے امکانیات رکھے، اس حضرت انسان کے اندر مختلف الجہات استعدادیں بیک وقت ودیعت کر دیں اور پھر اللہ نے اسے نیک وبد کی تمیز بھی عطا کی اور اسی استعداد کے مطابق اس انسان کے اندر ایمان پیدا ہوا، ایمان

اللہ کی طرف سے ایک بڑی امانت ہے اور اس کی بڑی ذمہ داریاں ہیں، اس کے بعد اللہ نے اسے دین و شریعت بھی عطا کی جس کے مطابق وہ اپنے ایمان اور عمل کو وزن کرتا ہے، یہ دین اس نے رسولوں پر نازل فرمایا اور یوں اللہ تعالیٰ نے انسان کی معاونت کی کہ وہ اس امانت کو اٹھائے اور دوسرے انسانوں کو اس میں داخل ہونے کے لئے مدد دے۔ (فی ظلال القرآن)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ: اور اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو، وہ دیکھ رہا ہے کہ انسان کر کیا رہا ہے؟ وہ انسانوں کی نیت اور رجحان سے واقف ہے لہٰذا انسان کو عمل بھی کرنا چاہیے اور ڈرنا بھی چاہیے کیونکہ نگران علیم و بصیر ہے، کہیں سویا ہوا نہیں ہے۔

انسان کی حقیقت اور اس جہاں میں اس کے مقام و مؤقف کے بارے میں یہ تصور، اس کائنات کے بارے میں اسلام کے واضح سیدھے تصور کا ایک حصہ ہے کہ انسان کو یہاں استعداد و اختیار دیا گیا ہے اور وہ اپنے خالق کے سامنے اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور خالق علیم و بصیر ہے۔ (ظلال القرآن)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ: اس نے زمین اور آسمانوں کو برحق پیدا کیا۔ اس سے ایک مؤمن کو یہ شعور ملتا ہے کہ اس کائنات کی تخلیق اور تدبیر میں حق ایک بنیادی عنصر ہے، یہ کوئی عارضی یا غیر ضروری چیز نہیں ہے، اس کائنات کی تشکیل ہی حق پر ہے اور جو ذات یہ حقیقت بیان کر رہی ہے وہ وہی ہے جس نے زمین و آسمان اور اس کائنات کو پیدا کیا ہے اور اسے معلوم ہے کہ یہ کائنات کس بنیاد پر قائم ہے۔ کسی شخص کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے تو جب اس کا سچائی پر اعتماد بحال ہوتا ہے تو اس کا اپنے دین پر بھی اعتماد بحال ہوتا ہے۔ کیونکہ دین اسلام بھی حق پر قائم ہے اور دین حق ہے۔ اور یہ کائنات بھی حق پر قائم ہے جو انسان کے ارد گرد پھیلی ہوئی ہے، لہٰذا حق غالب ہو گا، حق باقی رہے گا اور جب باطل کی جھاگ بیٹھ جائے گی تو حق نمودار ہوتا ہے۔ (فی ظلال القرآن)

وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ: اور اللہ نے تمہاری صورت بنائی اور بہت عمدہ صورت بنائی، انسان کو یہ شعور دیا جاتا ہے کہ اللہ کے نزدیک تم مکرم ہو اور اللہ نے تمہیں بہترین صورت میں پیدا کیا ہے،

تمہاری اخلاقی تصویر بھی اچھی ہے اور تمہاری شعوری تصویر بھی اچھی ہے اور پیدائشی تصویر بھی بہت حسین ہے، انسان اپنی جسمانی ساخت کے اعتبار سے بھی زندہ اشیاء سے زیادہ مکمل جسم کا مالک ہے اور روحانی و شعوری قابلیتوں کے لحاظ سے بھی وہ مکمل ہے، یہی وجہ ہے کہ زمین پر خلافت کا منصب انسان کو دیا گیا ہے اور انسان کے لحاظ سے اس وسیع جگہ یعنی زمین پر اسے بسایا گیا ہے۔ اگر انسان کی جسمانی ساخت اور اس کے نقشے پر ذرا گہری نظر ڈالی جائے یا انسانی جسم کے نظام کے کسی بھی حصے پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے۔

اس نے تمہاری صورت بنائی اور بڑی عمدہ بنائی، یہ ایک ایسا نقشہ ہے جس کے اندر کمال و جمال دونوں پائے جاتے ہیں اور پھر ہر انسان کے اندر خوبصورتی میں تفاوت ہے لیکن جہاں تک مجموعی نقشے کا تعلق ہے وہ بہت ہی خوبصورت ہے۔ اور کامل ہے اور انسانی ضروریات تمام زندہ چیزوں کی ضروریات کے مقابلے میں بطریق احسن پوری کرتا ہے۔

وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ: اور اس کی طرف آخر کار تمہیں پلٹنا ہے، ہر چیز کا انجام، ہر مخلوق کا مرجع اور ہر معاملے کا آخری فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اس پوری کائنات کا مرجع بھی وہ ہے، اس انسان کے لوٹنے کی جگہ بھی وہ ہے، اللہ کے ارادے ہی سے ان چیزوں نے وجود پایا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے، پیدائش بھی اس سے حاصل کی اور فنا اور انجام بھی اسی کی طرف ہے، وہی اول ہے اور وہی آخر ہے، ہر چیز پر محیط ہے، آغاز بھی وہ اور انجام بھی وہ اور وہ لا محدود ہے۔

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ: زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا اسے علم ہے، جو کچھ تم چھپاتے ہو، اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو، سب اس کو معلوم ہے، اور وہ دلوں کا حال تک جانتا ہے۔

اس حقیقت کا ایک مؤمن کے دل میں بیٹھنا، اسے معرفت رب عطا کرتا ہے۔ اس طرح اپنے رب کی معرفت حاصل ہونے کے بعد اس کے آفاقی اور کائناتی ایمان کا یہ پہلو بہت مضبوط ہو جاتا ہے،

وہ یہ شعور رکھتا ہے کہ وہ اللہ کی نظروں میں ہے، کوئی ایسا راز نہیں ہے جو اس پر مخفی ہو، اس کے ضمیر میں کوئی گہری سوچ بھی ایسی نہیں ہے جس سے اللہ باخبر نہ ہو۔

یہ آیات ہی انسان کے لئے اس قدر رہنمائی فراہم کر دیتی ہیں کہ انسان اپنی حقیقت کو سمجھے، اس کائنات کو سمجھے اور اس کائنات اور اپنے خالق کے ساتھ اپنا تعلق جوڑے، اللہ سے ڈرے، ہر حرکت اور ہر رخ میں۔ (ظلال القرآن)

منکرین کا عبرت ناک انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ {۵} ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ {۶} زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ {۷} التغابن

جواب ترجمہ: کیا تمہارے پاس ان لوگوں کے واقعات نہیں پہنچے جنہوں نے پہلے کفر اختیار کیا تھا، پھر اپنے کاموں کا وبال چکھا، اور (آئندہ) ان کے حصے میں ایک دردناک عذاب ہے؟ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر روشن دلائل لے کر آتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ: کیا (ہم جیسے) انسان ہیں جو ہمیں ہدایت دیں گے؟ غرض انہوں نے کفر اختیار کیا اور منہ موڑا، اور اللہ نے بھی بے نیازی برتی، اور اللہ بالکل بے نیاز ہے بذات خود قابل تعریف، جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ یہ دعوی کرتے ہیں کہ انہیں کبھی دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا، کہہ دو: کیوں نہیں؟ میرے پروردگار کی قسم! تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا، پھر تمہیں بتایا جائے گا کہ تم نے کیا کچھ کیا تھا، اور یہ اللہ کے لیے معمولی سی بات ہے۔

یہاں گزشتہ کافروں کے کفر اور ان کی بری سزا اور بدترین بدلے کا ذکر ہو رہا ہے کہ کیا تمہیں تم سے پہلے منکروں کا حال معلوم نہیں؟ کہ رسولوں کی مخالفت اور حق کی تکذیب کیا رنگ لائی؟ دنیا اور آخرت میں برباد ہو گئے یہاں بھی اپنے بد افعال کا خمیازہ بھگتا اور وہاں کا بھگتنا ابھی باقی ہے جو نہایت الم انگیز ہے۔ اس کی وجہ سوا اس کے کچھ بھی نہیں کہ دلائل و براہین اور روشن نشان کے ساتھ جو انبیاء اللہ ان کے پاس آئے انہوں نے انہیں نہ مانا اور اپنے نزدیک اسے محال جانا کہ انسان پیغمبر ہو، اور انہی جیسے ایک آدم زاد کے ہاتھ پر انہیں ہدایت دی جائے پس انکار کر بیٹھے اور عمل چھوڑ دیا، اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے بے پرواہی برتی وہ تو غنی ہے ہی اور ساتھ ہی حمد و ثناء کے لائق بھی۔

ذَالِكَ بِأَنَّهُ كَانَتْ تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالُوا أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا، اس انجام کے مستحق وہ اس لیے ہوئے کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی دلیلیں اور نشانیاں لے کر آتے رہے، مگر انہوں نے کہا کیا انسان ہمیں ہدایت دیں گے؟ اور یہ وہی اعتراض تھا جو مشرکین مکہ نبی ﷺ پر کرتے تھے۔ یہ بہت ہی گرا پڑا اعتراض ہے اور خالص جہالت پر مبنی ہے، یہ لوگ منصب رسالت کو سمجھے ہی نہیں اور اس بات کو سمجھے ہی نہیں کہ رسول اور رسالت نے انسانوں کے سامنے اللہ کی شریعت اور نظام پیش کرنا ہوتا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس نظام کو ایک بشر اپنے اوپر نافذ کر کے لوگوں کو دکھائے، یوں رسول کا بشر ہونا انوکھا نہیں بلکہ ضروری تھا۔

یہ رسول ہی ہوتا ہے جو اسلامی شریعت اور قانون پر عمل کر کے دکھاتا ہے، اگر رسول اور لوگوں کی جنس ہی الگ ہو تو لوگ رسالت کی ایک عملی صورت سے محروم ہو جائیں گے اور ان کے لئے یہ ممکن ہی نہ ہو گا کہ اس کی اطاعت کریں، اپنی ذات، اپنے اخلاق اور اپنے انداز معیشت میں۔

پھر ان کی یہ رائے خود انسان کی حقیقت سے جہالت پر مبنی ہے کہ اللہ نے انسان کو یہ صلاحیت عطا کی کہ وہ عالم علوی سے ہدایت اخذ کرنے کے قابل ہو اور اس کے لئے کسی فرشتے کو رسول بنانے کی

ضرورت ہی نہ ہو، انسان کے اندر تو اللہ کی روح پھونکی ہوئی ہے اور انسان کی اسی روحانیت کی وجہ سے وہ اللہ سے براہ راست رسالت اخذ کرتا ہے اور اس کے فرائض اللہ کی منشا کے مطابق ادا کرتا ہے۔

یہ انسانوں کے لئے ایک ایسا اعزاز ہے جس سے انکار کوئی جاہل ہی کر سکتا ہے جس کو انسان کے مقام و مرتبہ کا علم نہ ہو، اگر کوئی جاہل نہیں ہے تو پھر وہ متکبر اور مغرور ہے اور اپنے کبر و غرور کی وجہ سے رسول اللہ کی اطاعت نہیں کرتا، گویا یہ اعتراض کرنے والے یا جاہل ہیں یا متکبر اور مغرور ہیں اور اپنے کبر و غرور کی وجہ سے رسول اللہ کی اطاعت نہیں کرتا، گویا یہ اعتراض کرنے والے یا جاہل ہیں یا متکبر ہیں اور نظر انداز کرنے کے قابل ہیں، ان کے نزدیک یہ تو جائز ہے کہ جنس انسان کے علاوہ کوئی جنس فرشتے وغیرہ آئیں تو ان کی رسالت کو تو یہ ماننے کے لئے تیار ہیں مگر اپنے میں سے ایک انسان کو یہ رسول ماننے کے لئے تیار نہیں۔

فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوْا: صرف یہی وجہ ہے جس کی بنا پر تاریخ میں لوگوں نے رسولوں کا انکار کیا، حالانکہ ان کے ساتھ دلائل و معجزات تھے اور اعلیٰ تعلیمات تھیں، اس جہالت اور کبر کی وجہ سے لوگوں نے کفر و شرک تو اختیار کیا مگر رسالتوں کا انکار کرتے رہے۔

وَاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ: تب اللہ بھی ان سے بے پرواہو گیا اور اللہ تو ہے ہی بے نیاز اور اپنی ذات میں محمود، اللہ ان کے ایمان اور ان کی اطاعت سے مستغنی ہو گیا، اللہ کو ان چیزوں کی ضرورت کیا ہے، اللہ تو ان چیزوں کا اصلاً محتاج ہی نہیں ہے، وہ غنی ہے اور اپنی ذات ہی میں محمود ہے، یہ تو وہ لوگ تھے جو اپنے کفر اور شرک پر اصرار کر رہے تھے، کیا یہ بھی اسی انجام کو پہنچنے کے خواہش مند ہیں۔

زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا: مشرکین اور کافرین کے اس قول کو کہ ہمیں دوبارہ نہ اٹھایا جائے گا، آغاز ہی سے زعم باطل کہا اور یہ بتا دیا کہ یہ سفید جھوٹ ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سے کہا جاتا کہ آپ ان سے سخت ترین الفاظ میں کہہ دیں کہ تمہیں اٹھایا جائے گا اور اس تاکید کو اپنے

رب کے نام سے حلف اٹھا کر مزید مؤکد کر دیں م آخر رسول جب اپنے رب کے نام کی قسم اٹھا کر کوئی بات کرے تو اس سے مزید تاکید اور کیا ہو سکتی ہے۔

قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ: ان سے کہو میرے رب کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے اور نہ صرف یہ کہ اٹھائے جاؤ گے بلکہ

ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ: پھر تمہیں بتایا جائے گا کہ تم نے کیا کچھ کیا ہے، اس میں سے کوئی چیز بھی چھوٹی ہوئی نہ ہو گی اور اللہ تمہارے اعمال سے اچھی طرح باخبر ہو گا، اس لئے وہ قیامت کے دن بتادے گا۔

وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ: اور ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے، وہ زمین و آسمان کی ہر چیز کو جانتا ہے، وہ ظاہری اور خفیہ سب چیزوں کو جانتا ہے، وہ ان رازوں سے واقف ہے جو دلوں کے اندر پوشیدہ ہیں اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (تفسیر فی ظلال القرآن)

اللہ، رسول اللہ اور کتاب اللہ پر ایمان

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے، نیز یہ بتائیے کہ اس آیت میں اللہ نے جس نور کے اتارنے کا ذکر فرمایا اس سے کیا مراد ہے؟

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ {۸} التغابن.

جواب ترجمہ: لہٰذا اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس روشنی پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کی ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

جب دلائل سے یہ بات ثابت ہو گئی اور انسانی تاریخ سے بھی اس کی صداقت مبرہن ہو گئی تو پھر اگر تمہیں اپنی تباہی منظور نہیں اور اپنی عاقبت کو برباد نہیں کرنا چاہتے تو پھر اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے۔

نور سے مراد قرآن مجید ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان امتیاز پیدا کرنے کے لیے نازل فرمایا، نور کی صفت یہ ہے کہ وہ خود روشن ہوتا ہے اور گردوپیش کی تمام چیزوں کو نمایاں کر دیتا ہے جو پہلے تاریکی میں چھپی ہوئی تھیں۔

اسی طرح قرآن کریم ایک ایسا چراغ ہے جس کا روشن ہونا یعنی برحق ہونا بجائے خود روشن ہے، اس کے الفاظ، اس کے معنیٰ، اس کے الفاظ کا دروبست، اس میں دیئے ہوئے نظام زندگی کا اختلاف سے پاک ہونا، بجائے خود اپنے روشن ہونے کی دلیل ہے، لیکن جو اس کی روشنی سے دل کو روشن کرنا چاہے، علم و عقل کو منور کرنا چاہے، فکر و عمل کی بے شمار پر پیچ راہوں کے درمیان حق کی سیدھی راہ دیکھنا چاہے تو قرآن کریم کی تعلیمات اور اس کی رہنمائی اس کے لیے کافی ہے۔ (روح القرآن)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ: آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے، جو کچھ تم کر رہے ہو اور جس طرح سے قرآن کریم کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانے پر تلے ہوئے ہو اور جس طرح تم گردوپیش میں سازشوں کے جال بن رہے ہو، اللہ تعالیٰ تمہاری ایک ایک حرکت سے واقف ہے، یہ سب کچھ ایک دن تمہارے سامنے آ کے رہے گا۔ (تفسیر روح القرآن)

قرآن حکیم کو نور سے تعبیر کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ یہ کتاب اپنے مطالب کی وضاحت میں بمنزلہ روشنی کے ہے، اس میں کوئی الجھن نہیں اور نہ کسی عقیدہ کو تشنہ دلائل رکھا گیا ہے، اس کی ہر بات بجائے خود نپی تلی اور مدلل ہے، اس لئے ان تمام لوگوں کو جو ضیاءِ بصیرت اور یقین حاصل کرنا چاہتے ہیں، دعوت ہے ایمان کی کہ وہ اس کتاب کو اپنا دستور العمل بنائیں اور پھر دیکھیں کہ کیونکر قلب و دماغ کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔ (تفسیر سراج البیان)

یوم التغابن سے کیا مراد ہے؟

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز بتائیے کہ یوم التغابن سے کون سا دن مراد ہے؟

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۚ{۹}وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ{۱۰} التغابن.

جواب ترجمہ: (یہ دوسری زندگی) اس دن (ہوگی) جب اللہ تمہیں روز حشر میں اکٹھا کرے گا۔ وہ ایسا دن ہوگا جس میں کچھ لوگ دوسروں کو حسرت میں ڈال دیں گے۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان لایا ہوگا، اور اس نے نیک عمل کیے ہوں گے، اللہ اس کے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہوگا، اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا وہ دوزخ والے ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

تغابن غبن سے مشتق ہے جس کے معنٰی خسارے اور نقصان کے ہیں۔ مالی نقصان کو بھی غبن کہتے ہیں اور رائے اور عقل کے نقصان کو بھی غبن کہتے ہیں۔ لفظ تغابن کا مطلب ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو اور دوسرا اس کو نقصان پہنچائے یا اس کے نقصان کو ظاہر کرے۔ قیامت کو یوم تغابن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے آخرت میں دو گھر پیدا کیے ہیں، ایک جہنم میں دوسرا جنت میں، اہل جنت کو جنت میں داخل کرنے سے پہلے ان کا وہ مقام بھی دکھایا جائے گا جو ایمان و عمل نہ ہونے کی صورت میں ان کے لیے مقرر تھا تاکہ اس کو دیکھنے کے بعد جنت کے مقام کی اور زیادہ قدر ان کے دل میں پیدا ہو، اور اللہ تعالیٰ کا مزید شکر گزار ہو۔

اسی طرح اہل جہنم کو جہنم میں داخل کرنے سے پہلے ان کا جنت کا وہ مقام دکھلایا جائے گا جو ایمان اور عمل صالح کی صورت میں ان کے لیے مقرر تھا تاکہ ان کو اور زیادہ حسرت ہو۔ ان روایات میں یہ بھی ہے کہ پھر جنت میں جو مقامات اہل جہنم کے تھے وہ بھی اہل جنت کو مل جائیں گے اور جہنم میں جو

مقامات اہل جنت کے تھے وہ اہل جہنم کے حصے میں آئیں گے، اس وقت کفار اور فجار کو اپنے غبن اور خسارے کا احساس ہو گا کہ کیا چھوڑا اور کیا پایا۔

بہت سے ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اس دن غبن اور خسارے کا احساس صرف کفار اور فجار ہی کو نہیں بلکہ مؤمنین صالحین کو بھی ہو گا کہ کاش! ہم عمل اور زیادہ کرتے تاکہ جنت کے مزید درجات حاصل کرتے، اس روز ظالم اور بد عمل لوگ اپنی تقصیرات (کمی اور کوتاہی) پر حسرت کریں گے اور مؤمنین نے عمل میں جو کوتاہی کی ہے اس پر ان کو حسرت ہو گی۔ اس طرح قیامت کے روز سبھی اپنی اپنی کوتاہی پر نادم اور عمل کی کمی پر غبن و خسارہ کا احساس کریں گے اس لیے اس کو یوم التغابن کہا گیا ہے

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں هُوَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَذٰلِكَ أَنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ يَغْبِنُونَ أَهْلَ النَّارِ، یوم التغابن قیامت کا ایک نام ہے، اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ جنت اہلِ دوزخ کو نقصان میں ڈالیں گے۔

حضرت مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں لَا غَبْنَ أَعْظَمُ مِنْ أَنْ يُدْخَلَ هٰؤُلَاءِ إِلَى الْجَنَّةِ، وَيُذْهَبَ بِأُولٰئِكَ إِلَى النَّارِ، اس سے زیادہ غبن (نقصان) کیا ہو گا کہ کافروں کے سامنے مسلمانوں کو جنت میں لیا جائے گا اور مسلمانوں کے سامنے کافروں کو جہنم میں لے جایا جائے گا۔

یوم التغابن سے مراد قیامت کا ہولناک دن ہو گا جس میں اللہ تعالیٰ سب اولین و آخرین کو میدان محشر میں جمع کرے گا، یہی وہ دن ہو گا جس میں مخلوق کے درمیان غبن و تفاوت ظاہر ہو گا۔

وَمَن يُؤْمِن بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحاً: جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھے گا اور نیک اعمال کرتا رہے گا اس کے گناہوں کو مٹا دیا جائے گا، اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا، جہاں نہریں رواں دواں ہوں گی، بیش بہا نعمتوں سے سرفراز فرمایا جائے گا، جہاں اس کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے، کہیں دوسری جگہ نہیں جانا ہو گا، جس شخص کے ساتھ ایسا معاملہ کر دیا جائے گا وہ کامیاب ہو گا، یہ بڑی کامیابی اسے مل جائے گی۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا: اور جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی آیات ونشانیوں کا انکار کیا ان کا برا انجام اس طرح ہو گا کہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے، جہاں دھکتی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ جلیں گے، وہاں گرمی سے بچنے کا کوئی انتظام ہو گا نہ بھوک پیاس کی شدت کے خاتمے کا کوئی انصرام ہو گا، ان کو یہاں سے نکلنے کی کوئی آس اور امید بھی نہیں رہے گی، اور نہ یہ یہاں سے باہر نکلیں گے، ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، اور دوزخ برا ٹھکانہ ہے۔

مصیبت اللہ کی اجازت سے آتی ہے

سوال کسی کو خلاف طبیعت بات کا سامنا کرنا پڑے تو یہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوتا ہے اور اللہ کے امر کو تسلیم کرنا لازم ہے، ایسا اس آیت میں بیان کیا جارہا ہے، ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ؕ وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ يَهۡدِ قَلۡبَهٗ‌ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ {۱۱} التغابن.

جواب ترجمہ: کوئی مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی، اور جو کوئی اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

مکہ سے برسوں کفار کے ظلم وستم سہنے کے بعد اہل ایمان اپنا وطن، گھر بار سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہجرت پر مجبور کر دیئے گئے تھے، ادھر مدینہ میں انصار پر ایسا وقت آپڑا کہ ایک طرف تو سینکڑوں مہاجرین کو سہارا دینا تھا، دوسری طرف پورے عرب کے اعدائے اسلام ان کے دشمن اور درپے آزار ہو گئے تھے، تو ان آیات میں اہل ایمان کو تسلی دی جاتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ دنیا میں جو تکلیف و مصیبت بھی آتی ہے اللہ کے اذن سے آتی ہے یعنی خدا کی اجازت اور اس کے حکم سے ہوتا ہے۔

اللہ کی قضاوقدر اور مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا یعنی یہ مصائب دنیا میں نہ خود آجاتے ہیں نہ دنیا میں یہ کسی کی طاقت ہے کہ اپنے اختیار سے جس پر جو مصیبت چاہے نازل کر دے، یہ تو سراسر

مشیت الٰہی اور حکم خداوندی پر موقوف ہے کہ کسی پر کوئی مصیبت نازل ہونے دے یا نہ ہونے دے اور اللہ کا حکم بہر حال کسی نہ کسی مصلحت کی بنا پر ہوتا ہے جسے انسان نہ سمجھ سکتا ہے نہ جان سکتا ہے۔

تو مومن کو یہاں یہ بات ذہن نشین کرانی مقصود ہے کہ جب ان کو اس بات کا یقین ہے کہ مصیبت اور سختی اللہ کی مشیت اور ارادہ کے بدون نہیں پہنچتی تو مؤمن کو بد دل اور غم گین و پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہر صورت میں مالک حقیقی کے فیصلہ پر راضی رہنا چاہیے اور صبر وسہار سے برداشت کرنا چاہیے اور سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر سے مجھے یہ تکلیف پہنچی ہے، اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت اور حکمت ہے، اس لئے اللہ کی مرضیات پر قائم رہے اور ثواب اور بھلائی کی امید رکھے، تو جو یہ سچے دل سے مانتا ہو کہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہی اس کائنات کا مالک اور فرمانروا ہے اور اسی کے اذن سے مصیبت آتی ہے اور اسی کے حکم سے ٹل سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے مؤمن کے دل کو صبر وسہار اور رضا بقضا کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں۔

اس کو عزم وہمت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے کی طاقت بخشتے ہیں، اور تاریک سے تاریک حالات میں بھی مومن کے دل میں اللہ کے فضل کی امید کا چراغ روشن رہتا ہے اس طرح کوئی مصیبت بھی حقیقت میں اس مومن کے لئے مصیبت نہیں رہتی بلکہ انجام و نتیجہ کے اعتبار سے ہر مصیبت اس کے لئے خیر کے دروازے کھول دیتی ہے اور اس طرح وہ مصیبت نتیجہ کے اعتبار سے رحمت بن جاتی ہے۔

اسی بات کو ایک حدیث میں حضور اقدس نبی مکرم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے کہ عَجَبًا لِلْمُؤْمِنِ، لَا يَقْضِي اللهُ لَهُ قَضَاءً إِلَّا كَانَ خَيْرًا لَهُ، إِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَلَيْسَ ذَلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ (مسلم) مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے اللہ تعالیٰ اس کے حق میں جو فیصلہ بھی کرتے ہیں وہ اس کے لئے اچھا ہی ہوتا ہے مصیبت پڑے تو صبر کرتا ہے اور وہ اس کے لئے اچھا ہوتا ہے اور اگر کوئی

خیر پہنچے تو شکر کرتا ہے اور وہ بھی اس کے لئے اچھا ہی ہوتا ہے اور یہ بات مومن کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں ہوتی (تفسیر محمد احمد)

یہ آیت کریمہ جان ومال اولاد اور احباب کے مصائب وغیرہ سب کو شامل ہے چنانچہ بندوں پر نازل ہونے والے تمام مصائب اللہ کی قضا وقدر سے ہیں جس کا اللہ کو پہلے سے علم ہے اس پر اس کا قلم جاری ہو چکا، اس پر اس کی مشیت نافذ ہو چکی اور اس کی حکمت نے اس کا تقاضا کیا۔

مگر اصل معاملہ یہ ہے کہ آیا بندے نے اس ذمے داری کو پورا کیا جو اس مقام پر اس پر عائد تھی یا وہ اس کو پورا نہ کر سکا؟ اگر اس نے اس ذمے داری کو پورا کیا تو اس کے لیے دنیا وآخرت میں ثواب جزیل اور اجر جمیل ہے پھر جب وہ اس حقیقت پر ایمان لے آیا کہ یہ مصیبت اللہ کی طرف سے ہے تب اس پر راضی ہوا اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت سے بہرہ مند کر دیتا ہے پس وہ مطمئن ہو جاتا ہے تب وہ مصائب کے وقت گھبراتا نہیں جیسا کہ اس شخص کا وطیرہ ہے جس کے قلب کو اللہ ہدایت عطا نہیں کرتا مگر مصائب کے وارد ہونے پر اللہ اسے ثابت قدمی اور موجبات صبر کو قائم کرنے کی توفیق سے نوازتا ہے اس سے اس کو دنیاوی ثواب حاصل ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جزا اور سزا کے دن کے لیے ثواب کو ذخیرہ کر دیا جاتا ہے

جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۱۰) الزمر) جو صبر کرنے والے ہیں ان کو بے حد وحساب اجر عطا کیا جائے گا، اس سے یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ جو کوئی مصائب کے وارد ہونے پر اللہ پر ایمان نہیں رکھتا اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر کا لحاظ نہیں کرتا بلکہ محض اسباب کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے تو اسے بے یار ومددگار چھوڑ دیا جاتا ہے اور اللہ اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔ جب بندہ نفس پر بھروسہ کرتا ہے تو نفس کے پاس چیخ وپکار اور بے صبری کے سوا کچھ نہیں، یہ فوری سزا ہے جو آخرت کی سزا سے پہلے بندے کو اس دنیا میں اس پاداش میں ملتی ہے کہ اس نے صبر میں کوتاہی کی جو اس پر واجب تھا، یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے متعلق ہے۔

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ: اور جو کوئی اللہ پر ایمان لائے تو مصائب کے خاص وقت میں بھی اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت عطا کرتا ہے۔ رہی وہ چیز جو عموم لفظی کی حیثیت سے اس سے تعلق رکھتی ہے تو اللہ نے آگاہ فرمایا کہ ہر وہ شخص جو ایمان لایا یعنی ایسا ایمان جو مامور بہ ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، یوم آخرت اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لانا۔

پھر ایمان جن لوازم اور واجبات کا تقاضا کرتا ہے اس کے ایمان نے ان کی تصدیق کی بلاشبہ یہی سبب جس کو بندے نے اختیار کیا اس کے اقوال وافعال اس کے تمام احوال اور اس کے علم و عمل میں اللہ کی طرف سے اس کے لیے ہدایت کا سب سے بڑا سبب ہے یہ بہترین جزا ہے جو اللہ اہل ایمان کو عطا کرتا ہے جیسا کہ اللہ نے خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ اہل ایمان کو دنیا اور آخرت کی زندگی میں ثابت قدمی سے بہرہ مند کرتا ہے۔ اصل ثابت قدمی دل کی ثابت قدمی ہے، اس کا صبر اور ہر قسم کے فتنے کے وارد ہونے کے وقت اس کا یقین ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (۲۷) اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے مضبوط بات کے ذریعے سے دنیا اور آخرت کی زندگی میں ثابت قدمی عطا کرتا ہے، (سورۃ ابراہیم) پس اہل ایمان کے دل لوگوں میں سب سے زیادہ راہ ہدایت پر ہوتے ہیں اور وہ گھبراہٹ اور خوف کے موقعوں پر سب سے زیادہ ثابت قدم ہوتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے ساتھ ایمان ہے۔ (تفسیر سعدی لعبد الرحمٰن السعدی)

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ: (اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے) فرما کر جتلا دیا کہ جو تکلیف و مصیبت اس نے بھیجی عین علم و حکمت سے بھیجی اور وہی جانتا ہے کہ کون تم میں سے واقعی صبر و استقامت اور تسلیم و رضا کی راہ پر چلا اور کس کا دل کن احوال و کیفیات کا مورد بننے کے قابل ہے۔ (تفسیر مولانا محمد احمد رحمہ اللہ)

اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت کا حکم

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ {۱۲} اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ {۱۳} التغابن

جواب ترجمہ: اور تم اللہ کی فرمانبرداری کرو، اور رسول کی فرمانبرداری کرو۔ پھر اگر تم نے منہ موڑا تو ہمارے رسول کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ صاف صاف بات پہنچادے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

حکم دیا جارہا ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ اور آقا کی اطاعت کرے، جو حکم وہ دے اس حکم کو تسلیم کرے پھر اس پر عمل کرے، اسی طرح اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر کی اطاعت کرے جو اللہ اور بندوں کے درمیان پیام رسانی کرتا ہے، اللہ کے احکامات اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے، دنیا کے مصائب ومشکلات تمہیں اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت سے نہ روکیں، اس کی کتاب پر عمل سے یہ چیزیں تمہارے لیے رکاوٹ نہیں ہونی چاہییں، خوشی اور غمی دونوں صورتوں میں اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت کو لازم رکھا جائے، اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت واجب اور ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے سب سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو قرآن کریم جیسی عظیم الشان کتاب عطا فرمائی، اس کتاب میں وہ احکامات موجود ہیں جو اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور جن جن چیزوں سے منع کیا گیا ان کا ذکر بھی موجود ہے، بعض نہ سمجھ آنے والی باتیں یا قابل تشریح باتوں کی تعبیر وتشریح نبی کریم ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے، اپنے پیارے الفاظ کے ساتھ کردی ہے، ان احکامات کو بلاچوں چراں تسلیم کیا جائے، سر تسلیم خم کیا جائے۔

جو لوگ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں گے اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوگا اور انہیں دونوں جہانوں میں کامیاب وکامران کرے گا اور جو لوگ اطاعت واتباع سے روگردانی کریں گے ان کو

دونوں جہانوں میں نقصان ہو گا، ان کی نافرمانی کا وبال انہی لوگوں پر ہو گا، رسول اللہ ﷺ تو واضح طور پر پیام رسانی کے لیے آئے ہیں، آپ ﷺ سے اس چیز کی باز پرس نہیں کی جائے گی کہ لوگوں نے آپ ﷺ کے احکامات کی پیروی اور آپ ﷺ کے طریقوں کی اتباع کیوں نہیں کی، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں پر داروغہ نہیں ہیں، جو سر گردانی، روگردانی اور اعراض کرے گا، پیٹھ پھیرے گا تو اسے اللہ عذاب دے گا، عام سا عذاب نہیں بلکہ عذاب اکبر (بڑا عذاب) دے گا۔

اس لیے یہ بات ہر شخص کو ذہن نشین رہنا چاہیے کہ رسالت اللہ کی طرف سے ہے، یہ ایک عظیم الشان منصب ہے، رسول ایک عظیم انسان ہے جو اللہ کی طرف سے پیغام اللہ کی مخلوق تک پہنچاتا ہے جب کہ ہم لوگ اس پیام کو ماننے، تسلیم کرنے اور اس پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔

اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ: خبر دی جا رہی ہے کہ اللہ کی الوہیت کو تسلیم کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، وہی ایک ایسی ذات ہے جس پر اہل ایمان کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔

مال اور اہل و عیال باعث فتنہ

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کرتے ہوئے بتائیے کہ ہماری بیویاں اور ہماری اولاد کیونکر اور کیسے ہماری دشمن ہے؟

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ {۱۴} اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ {۱۵} التغابن.

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں، اس لیے ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کرو، اور بخش دو تو اللہ بہت بخشنے والا، بہت

مہربان ہے۔ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو تمہارے لیے ایک آزمائش ہیں اور وہ اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فَهٰؤُلَآءِ رِجَالٌ أَسْلَمُوا مِنْ مَكَّةَ، فَأَرَادُوا أَنْ يَأْتُوا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَبَى أَزْوَاجُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ أَنْ يَدَعُوهُمْ، فَلَمَّا أَتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَوُا النَّاسَ قَدْ فَقِهُوا فِي الدِّينِ، فَهَمُّوا أَنْ يُعَاقِبُوهُمْ، جب اہل مکہ کے یہ لوگ اسلام قبول کر لیتے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کرتے تو ان کے گھر والے اور ان کی اولاد اس بات سے انکار کر دیتے کہ وہ انہیں چھوڑ کر جائیں، پھر جب وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دیتے تو لوگوں کو دیکھتے کہ وہ تو دین سیکھ رہے ہیں، اس پر وہ ارادہ کر لیتے کہ اب وہ اپنے گھر والوں کو سزا دیں گے، اس پر معافی والا حکم آیا۔

علامہ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کردہ روایت کے مطابق بعض کا دل نرم پڑ جاتا اور وہ وہیں قیام کر لیتا اور ہجرت نہ کرتا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر زاد المسیر، تفسیر طبری)

اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی خاطر گھر بار چھوڑنا، وطن چھوڑنا، دیس سے بے دیس ہونا، خانماں سے بے خانماں ہونا اللہ کے قرب کی نشانی ہے، عقبیٰ میں بیش بہا نعمتیں ملنے کی توقع ہے، اللہ کی مہربانی سے جنت مل سکتی ہے، ہجرت سے اللہ اور رسول اللہ ﷺ راضی ہو سکتے ہیں، تو جو اولاد اللہ کے راستے میں جانے سے روکے، جو بیوی اللہ کے راستے میں جانے سے روکے، خیر کے کاموں میں آگے بڑھنے کی بجائے پسپائی اختیار کرنے کا کہے یہ دشمن ہے، اسے یہاں دشمن کہا گیا ہے۔

مفسر قرآن علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ارشاد ہوتا ہے کہ بعض عورتیں اپنے مردوں کو اور بعض اولاد اپنے ماں باپ کو اللہ کی یاد اور نیک عمل سے روک دیتی ہے جو درحقیقت دشمنی ہے، جس سے پہلے تنبیہ ہو چکی ہے کہ ایسا نہ ہو تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل کر دیں

اگر ایسا ہو گیا تو تمہیں بڑا گھاٹا رہے گا یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان سے ہوشیار رہو، اپنے دین کی نگہبانی ان کی ضروریات اور فرمائشات کے پورا کرنے پر مقدم رکھو۔

بیوی بچوں اور مال کی خاطر انسان قطع رحمی کر گزرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر تل جاتا ہے، آل واولاد کی محبت میں پھنس کر احکام اسلامی کو پس پشت ڈال دیتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بعض اہل مکہ اسلام قبول کر چکے تھے مگر زن و فرزند کی محبت نے انہیں ہجرت سے روک دیا، پھر جب اسلام کا خوب افشا ہو گیا تب یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ ان سے پہلے کے مہاجرین نے بہت کچھ علم دین حاصل کر لیا ہے اب جی میں آیا کہ اپنے ہاں بچوں کو سزا دیں جس پر یہ فرمان ہوا کہ ان سے اب درگزر کرو آئندہ کے لئے ہوشیار رہو۔ اللہ تعالیٰ مال و اولاد دے کر انسان کو پرکھ لیتا ہے کہ معصیت میں مبتلا ہونے والے کون ہیں اور اطاعت گزار کون ہیں؟ اللہ کے پاس جو اجر عظیم ہے تمہیں چاہیے اس پر نگاہیں رکھو۔

جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ {زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ} یعنی بطور آزمائش کے لوگوں کے لئے دنیوی خواہشات یعنی بیویاں اور اولاد، سونے چاندی کے بڑے بڑے لگے ہوئے ڈھیر، شائستہ گھوڑے، مویشی، کھیتی کی محبت کو زینت دی گئی ہے مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان ہے اور ہمیشہ رہنے والا اچھا ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ لمبے لمبے کرتے پہنے ہوئے آ گئے، دونوں بچے ان کرتوں میں الجھ الجھ کر گرتے پڑتے آ رہے تھے یہ کرتے سرخ رنگ کے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظریں جب ان پر پڑیں تو منبر سے اتر کر انہیں اٹھا کر لائے اور اپنے

سامنے بٹھالیا پھر فرمانے لگے صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُولُہٗ، إِنَّمَا أَمْوَالُکُمْ وَأَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ، نَظَرْتُ إِلَی ھَذَیْنِ الصَّبِیَّیْنِ یَمْشِیَانِ وَیَعْثُرَانِ فَلَمْ أَصْبِرْ حَتّٰی قَطَعْتُ حَدِیثِی وَرَفَعْتُھُمَا اللہ تعالیٰ سچا ہے اور اس کے رسول ﷺ نے بھی سچ فرمایا ہے کہ تمہارے مال اولاد فتنہ ہیں میں ان دونوں کو گرتے پڑتے آتے دیکھ کر صبر نہ کر سکا آخر خطبہ چھوڑ کر انہیں اٹھانا پڑا۔ (مسند احمد، تفسیر ابن کثیر)

حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کندہ قبیلے کے وفد میں میں بھی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا تمہاری کچھ اولاد بھی ہے؟ میں نے کہا ہاں اب آتے ہوئے ایک لڑکا ہوا ہے کاش کہ اس کے بجائے کوئی درندہ ہی ہوتا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

لَا تَقُولَنَّ ذٰلِكَ، فَإِنَّ فِيهِمْ قُرَّةَ عَيْنٍ، وَأَجْرًا إِذَا قُبِضُوا، ثُمَّ قَالَ: وَلَئِنْ قُلْتَ ذَاكَ: إِنَّهُمْ لَمَجْبَنَةٌ مَحْزَنَةٌ (مسند احمد) خبردار! ایسا نہ کہو ان میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور انتقال کر جائیں تو اجر ہے، پھر فرمایا ہاں ہاں یہی بزدلی اور غم کا سبب بھی بن جاتے ہیں یہ بزدلی اور غم ورنج بھی ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اَلْوَلَدُ ثَمَرَۃُ الْقُلُوبِ، وَإِنَّھُمْ مَجْبَنَۃٌ مَبْخَلَۃٌ مَحْزَنَۃٌ (مسند البزار) اولاد دل کا پھل ہے اور یہ بخل وبزدلی اور غمگینی کا باعث بھی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا لَیْسَ عَدُوُّكَ الَّذِي إِنْ قَتَلْتَهُ كَانَ فَوْزًا لَكَ، وَإِنْ قَتَلَكَ دَخَلْتَ الْجَنَّةَ، وَلٰكِنَّ الَّذِي لَعَلَّهُ عَدُوٌّ لَكَ وَلَدُكَ الَّذِي خَرَجَ مِنْ صُلْبِكَ، ثُمَّ أَعْدَى عَدُوٍّ لَكَ مَالُكَ الَّذِي مَلَكَتْ يَمِينُكَ (معجم کبیر طبرانی) تیرا دشمن صرف وہی نہیں جو تیرے مقابلہ میں کفر پر جم کر لڑائی کے لئے آیا کیونکہ اگر تو نے اسے قتل کر دیا تو تیرے لئے باعث کامرانی ہے اور اگر اس نے تجھے قتل کر دیا تو قطعاً جنتی ہو گیا۔ پھر فرمایا شاید تیرا دشمن تیرا بچہ ہے جو تیری پیٹھ سے نکلا پھر تجھ سے دشمنی کرنے لگا تیرا پورا دشمن تیرا مال ہے جو تیری ملکیت میں ہے پھر دشمنی کرتا ہے۔

تقویٰ، سمع، طاعت، انفاق، بخل

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ{١٦}التغابن

جواب ترجمہ: لہٰذا جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنو اور مانو اور (اللہ کے حکم کے مطابق) خرچ کرو، یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے اور جو لوگ اپنے دل کی لالچ سے محفوظ ہو جائیں، وہی فلاح پانے والے ہیں۔

فرمایا جارہا ہے کہ اللہ سے ڈرو، جتنا ڈر سکتے ہو، اس کے بعد حکم فرمایا جارہا ہے کہ سنو، اس کے بعد یہ فرمایا جارہا ہے کہ اطاعت کرو، اس کے بعد مال خرچ کرنے کا حکم دیا جارہا ہے، ان چار حکموں کے بعد فرمایا جارہا ہے کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ چار امر ہیں اور ظاہر میں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اوامر سب الگ الگ ہیں تو اگر ایسا ہوتا بھی تو بھی مضائقہ نہیں تھا لیکن واقع میں اس میں ربط بھی ہے اور اس سب مجموعہ سے مقصود ایک ہی چیز ہے جو کہ اصل ہے یعنی اطاعت اور یہ دوسرے اوامر اس کے طرق ہیں۔

تفصیل اِطاعت کی یہ ہے کہ اول دیکھا جاوے کہ ہماری ترکیب کتنے اجزاء سے ہے تو انسان میں دو چیزیں ہیں ایک جوارح ایک قلب یا ایک ظاہر اور ایک باطن تو خدا نے اس اطاعت کی تفصیل فرمائی کہ اول اتقوا اللہ فرمایا ہے یہ تو قلب کے متعلق ہے۔

تقویٰ کی حقیقت: وہ تقویٰ حقیقت میں نہیں جس کو لوگوں نے تجویز کیا ہے تقویٰ وہ ہے کہ جو حدیث میں ہے اَلَا اِنَّ التَّقْوٰی ھٰھُنَا فَاَشَارَ اِلٰی صَدْرِہٖ ہاں ظاہری درستی بھی اس پر مترتب

ہوتی ہے تو اصل لغت میں اس کی حقیقت ہے ڈرنا اور شریعت میں ایک مضاف الیہ کی تخصیص ہے کہ خدا سے ڈرنا۔ پس تقویٰ تو افعال قلوب سے ہے تو فَاتَّقُوا اللہ میں تو یہ فرمایا کہ قلب کو درست کرو جو کہ قلب کی اطاعت ہے۔ اس کے بعد فرمایا ہے وَاسْمَعُوا یہ جوارح کا فعل اور اس کی اطاعت ہے بس حاصل یہ ہوا کہ تم ظاہر اور باطن دونوں کو اطاعت میں مشغول کرو، یہ ہے اصلاح تو خدا تعالیٰ نے ہم کو دو عمل دیئے ہیں، ایک ظاہر، ایک باطن، تو اطاعت میں سب ہی مقید ہیں چنانچہ خداوند جل جلالہ نے اِتَّقُوا کے ساتھ اِسْمَعُوا فرما دیا کہ دونوں ہی درست ہوں اور اسی میں مقائسہ کے طور پر سارے جوارح لے لئے کیونکہ جارحہ سمع و دیگر جوارح میں کوئی وجہ فرق کی نہیں پھر اس کے بعد اَطِیعُوا فرما دیا کہ کوئی کسی خاص عمل کی تخصیص نہ سمجھ جاوے اور اَطِیعُوا میں ایک بات ہے طالب علموں کے سمجھنے کی وہ یہ کہ اطاعت مشتق طَوَعَ سے ہے اور طَوَعَ کہتے ہیں رغبت کو، تو ترجمہ اس کا یہ ہے کہ خوشی سے کہنا مانو اور خوشی قلب میں ہوتی ہے اور کہنا ماننا جوارح کو بھی عام ہے پس اس میں بھی جمع بین الظاہر والباطن ہو گیا۔ (اشرف التفاسیر)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اطاعت کی اقسام کے تحت فرماتے ہیں آگے ارشاد ہے اَنْفِقُوا خَیْرًا لِّاَنْفُسِکُمْ اس میں دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ طاعات دو قسم کی ہیں ایک مالی، ایک بدنی۔ ہر چند کہ اَطِیعُوا میں سب آ گئے ہیں لیکن چونکہ حرص ہم میں غالب ہے تو خدا تعالیٰ نے اِتَّقُوا سے پرہیز بتلایا ہے کہ یہ پرہیز کرو۔ اکثر طبائع میں یہ حُب غیر برنگ حُب مال زیادہ ظاہر ہوا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے ایک لطیف طریقہ بتلایا ہے اس کے نکلنے کا کہ خرچ کیا کرو۔

واللہ العظیم کوئی بتلا نہیں سکتا کیا خبر ہو سکتی ہے کسی کو معافی کے خواص کی صاحبو! حکماء صرف خواص اجسام کو دریافت کر سکے مگر انبیاء علیہم السلام نے خدا کے بتلانے سے معافی خواص کو بتلایا ہے مثلاً حُب مال کے خاصہ کو دیکھ کر اس کا علاج بتلایا ہے کہ خرچ کیا کرو اور علاج بھی کیسا آسان کہ جس میں نہ محنت ہو نہ مشقت ہر شخص کر سکے۔

محققین کے یہاں ہر شخص کو اس کی حالت کے موافق تعلیم دی جاتی ہے قوی کو اس کے موافق، ضعیف کو اس کے موافق، جب اس میں اس قدر سہولت ہے تو یہ دولت اصلاح باطن ہر شخص کو حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ حُب دنیا کو نکالنے کے لئے ظاہراً کسی کو مشکل پیش آئی تھی مگر خدا تعالیٰ نے اس کا بھی کیسا آسان طریقہ بتلادیا اور ہر ایک میں مناسب اور مفید رعایتیں فرمائیں۔(اشرف التفاسیر)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اِتَّقُوا اللّٰہ میں یہ قید لگائی کہ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ جس سے معلوم ہوا کہ ہم کو اسی قدر کا مکلف کیا گیا ہے کہ جس قدر طاقت ہو اگر اس پر کوئی کہنے لگے کہ ہم کو تو صرف ایک ہی وقت کی نماز کی طاقت ہے تو جواب یہ ہے کہ تم نے صرف اسی کو دیکھا ہے دوسرے مقام کو نہیں دیکھا کہ حق تعالیٰ نے پانچ وقت کی نماز کا مکلف فرمایا اور پھر اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا اس سے صاف معلوم ہوا کہ جتنے کا مکلف فرمایا ہے اس کی طاقت ضرور ہے پس اب جو یہاں فرمایا اِسۡتَطَعۡتُمۡ تو مطلب یہ ہوا کہ جتنا تم کو بتلایا سب کرو اور یہ عنوان دل بڑھانے کے لئے فرمادیا جیسے کوئی نوکر سے کہے کہ تم سے یہ کام تو جو ہو سکتا ہے وہ تو کرو تو گویا تصریحاً متنبہ کیا کہ تم سے تو ہو سکتا ہے تو یہ شبہ تو دفع ہو گیا۔(اشرف التفاسیر)

مفسر قرآن صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سب سے پہلے فرائض کو پورا کرو۔ مال نصاب کو پہنچ گیا ہے تو زکوٰۃ ادا کرو، صدقہ فطر دو، قربانی کرو پھر غربیوں محتاجوں، مسکینوں، مسافروں ،ہمسائیوں اور اقرباء پر خرچ کرو۔ لوگوں کے حقوق ادا کرو اور مستحبات پر خرچ کرو، حج کرو اور دیگر عبادات پر خرچ کرو وَخَیۡرًا لِّاَنۡفُسِکُمۡ ،ایسا کرنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ بخل اچھا نہیں ہے۔

وَمَنۡ یَّبۡخَلۡ فَاِنَّمَا یَبۡخَلُ عَنۡ نَّفۡسِہٖ: جو شخص بخل کرتا ہے اس کا وبال اس کے اپنے نفس پر ہی پڑتا ہے۔ یہی مضمون اللہ نے یہاں بھی بیان فرمایا ہے وَمَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ، جس کو اس کے نفس کے بخل سے بچالیا گیا، پس یہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں بخل، حرص اور لالچ بداخلاقی کی باتیں ہیں اور بخل خاص طور پر بدترین بیماری ہے کتنے افسوس کا مقام

ہے کہ لوگ ناجائز اور فضول رسومات پر تو بے دریغ خرچ کرتے ہیں، مگر نیکی کے کام پر خرچ کرنے سے اعراض کرتے ہیں یہی بخل ہے۔ (معالم العرفان) ایک روایت میں آتا ہے کہ بسا اوقات انسان اولاد کی خاطر بخل کرتا ہے تاکہ ان کے لئے مال جمع رہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کی فرضیت میں دو مصالح ہیں، ایک مصلحت تو خود زکوٰۃ دہندہ کے لئے ہے کہ اس کے نفس سے بخل کا مادہ خارج ہوتا ہے اور اس کی بجائے فیاضی کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور دوسری مصلحت محتاجوں کی ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے ان کی ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں، اسی لئے فرمایا کہ خرچ کرو تاکہ تمہاری طبیعتوں میں سے بخل کا مادہ نکل جائے۔ (معالم العرفان)

قرض حسن کی فضیلت

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ {۱۷} التغابن

جواب اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے تو اللہ تمہارے لیے اس کو کوئی گنا بڑھا دے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا، اور اللہ بڑا قدر دان، بہت بردبار ہے۔

اوپر کی آیت میں مال کے خرچ کرنے کا ذکر کیا گیا ہے اور یہاں اسی خرچ کی ایک شاخ جس کا مرتبہ سب سے بلند ہے اس کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ پہلی آیت میں جس انفاق کا ذکر کیا گیا ہے اس کا تعلق ہر قسم کے انفاق سے ہے، خواہ اس کا تعلق صدقات و زکوٰۃ سے ہو یا جہاد سے، لیکن اس آیت میں خاص طور پر جہاد کے لیے انفاق کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں قرض کا لفظ عام طور پر جہاد ہی میں انفاق کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ المزمل میں ہے وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو قرض دو اچھا قرض۔

اس آیت میں زکوٰۃ کے بعد قرض حسن کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے اس سے مراد وہ انفاق ہے جو جہاد کے لیے ہوتا ہے اور خاص طور پر جس کے لیے اپیل کی جاتی ہے۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ عام انفاق کے لیے بھی ترغیب کے انداز میں اس لفظ کا استعمال قرآن کریم نے کیا ہے۔ لیکن زیادہ تر جہاد کے لیے اس کا استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہاں وہی مراد ہے۔

یہاں قرض کو قرض حسن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرضِ حسن سے مراد وہ انفاق ہے جو حلال اور طیب مال میں سے کیا جائے۔ اور خوشدلی اور دل کے انشراح کے ساتھ اور فیاضی سے دیا جائے اور اپنی ضرورت کو اس ضرورت پر قربان کر دیا جائے۔ جس قرض کے اندر یہ خوبیاں ہوں گی اسے قرض حسن کہا جائے گا۔

ایسے قرض پر اللہ تعالیٰ نے یہ نوید سنائی ہے کہ وہ اسے بڑھا دے گا اور بڑھانے سے مراد صرف یہ نہیں کہ اسے دونا کر دے گا بلکہ اس سے اَضۡعَافًا مُّضَاعَفَةً یعنی کئی گنا بھی ہو سکتا ہے۔ ایسا ہی قرض بیشمار اجر و ثواب کا باعث بھی ہوتا ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کی بخشش بھی نصیب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے قرض کو بڑی قدر دانی کے ساتھ قبول فرماتا ہے۔ یعنی چاہے دیکھنے کو وہ معمولی انفاق ہو۔ لیکن اگر اس کے پیچھے انفاقِ حسن کی روح پائی جاتی ہے، یعنی مکمل اخلاص، فدائیت اور محبت کارفرما ہے تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ بہت وقیع سمجھا جاتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جنگ تبوک کے سلسلے میں جب حضور ﷺ نے اپیل فرمائی تو ایک شخص کھجوروں کی ایک پوٹلی لے کر آیا۔ آپ نے نہایت خوشی سے قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ مسجد کے صحن میں لوگوں کے صدقات کا جو ڈھیر لگا ہوا ہے ان کھجوروں کو اس پر بکھیر دیا جائے، اس کی برکت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو قبول فرمائے گا۔

اس انفاق کو قرض کہنے کی شاید وجہ یہ بھی ہے کہ قرض لینے والے پر قرض کی ادائیگی لازمی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے حضور جو نذرانہ پیش کیا جاتا ہے دینے والا تو اسے یہ سمجھ کے دیتا ہے کہ اگر اسے

قبول کر لیا جائے تو میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہو گا۔ لیکن یہ لفظ استعمال کر کے یہ تصور دیا گیا کہ لینے والا چونکہ بہت قدر دان بھی ہے اور حلیم بھی۔

اس لیے وہ نہایت فیاضانہ معاملہ کرتے ہوئے اس کو نہ صرف عزت بخشے گا اور اسے واپس کرے گا بلکہ دینے والے نے جس مقدار میں دیا ہے اس میں بہت اضافہ کر کے واپس کرے گا کیونکہ اس کے لیے مال میں اضافہ کر دینا کوئی مشکل نہیں، وہ کائنات کے خزانوں کا مالک ہے اس کے خزانے ہمیشہ بھرے رہتے ہیں، اس میں کوئی کمی نہیں آتی۔ تم سے قرض لینے کا مقصد تو صرف یہ ہے تاکہ تم آخرت میں اسے ۷۰ گنا تک وصول کرو اور تمہارے لیے بیش از بیش اجر و ثواب کا ذریعہ بنے یہود پر خدا کی لعنت کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کا ہم سے قرض مانگنا شاید اس لیے ہے کہ وہ فقیر ہو گیا ہے اور ہم غنی ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہم فقیروں سے جو کچھ لیتا ہے وہ اسی کا دیا ہوا ہے۔ اور پھر اس کو آخرت میں بڑھا چڑھا کر ہمیں لوٹائے گا تاکہ ہمارے لیے درجات کا ذریعہ بنے۔ (تفسیر روح القرآن)

اللہ غیب و حاضر کو جانتا ہے

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ {۱۸} التغابن

جواب ترجمہ: وہ ہر بھید کا اور ہر کھلی ہوئی چیز کا جاننے والا ہے، بڑے اقتدار کا، بڑی حکمت کا مالک۔

وہ غائب و حاضر ہر چیز کا جاننے والا ہے، اس کے راستے میں جو قربانی بھی کی جائے گی اور دلوں میں جذبات پالے جائیں گے اس سے کچھ بھی مخفی نہیں، وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اور مزید یہ کہ وہ عزیز بھی ہے، کوئی کمزور ہستی نہیں کہ تم اس کا ساتھ نہ دو تو اس کے غلبہ میں کمی آجائے گی، بلکہ اس کا ساتھ دینے والا اپنے لیے طاقت اور عظمت کا ایک حوالہ تلاش کر لیتا ہے جس سے وہ ہمیشہ عظیم ہو جاتا ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ وہ آج جن لوگوں سے قرض لے رہا ہے اس میں بھی حکمت ہے۔

تعارف سورۃ الطلاق

سوال سورۃ الطلاق کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ الطلاق قرآن مجید کی ۶۵ ویں سورت ہے اور یہ مدنی سورت ہے، یعنی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، اس میں ۱۲ آیات ہیں، اس سورت کو "سورۃ النساء القصریٰ" یا "سورۃ النساء الصغریٰ" بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں عورتوں کے احکام خصوصاً طلاق، عدت اور ان سے متعلقہ مسائل کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ الطلاق کا مرکزی موضوع طلاق اور اس کے شرعی احکام ہیں، اس میں مطلقہ عورتوں کے حقوق، عدت کے اصول، رجوع کے طریقے اور عدت کے دوران عورتوں کے رہنے سہنے کے احکام بیان کیے گئے ہیں، اس کے علاوہ، اس سورت میں تقویٰ، اللہ کی حدود کی پابندی اور اللہ پر توکل کی تلقین کی گئی ہے۔

شان نزول: اس سورت کے نزول کے اسباب میں متعدد روایات ملتی ہیں، ایک روایت کے مطابق، رسول اللہ ﷺ نے اپنی زوجہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور آپ کو رجوع کرنے کا حکم دیا، کیونکہ وہ صوامہ قوامہ تھیں اور جنت میں آپ کی زوجہ ہیں۔

بعض روایات میں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں، جیسے عبد اللہ بن عمرو بن العاص وغیرہ۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس سورت کو "سورۃ النساء القصری" کہتے تھے، کیونکہ اس میں عورتوں کے احکام مختصر مگر جامع انداز میں بیان ہوئے ہیں۔

خصوصیات سورۃ الطلاق ① احکام طلاق: سورۃ الطلاق میں طلاق کے شرعی طریقے بیان کیے گئے ہیں، جیسے طلاق کا وقت، عدت کا شمار اور عدت کے دوران عورتوں کو گھروں سے نہ نکالنے کا حکم۔ ② عدت کے احکام: مطلقہ عورتوں کی عدت کے بارے میں تفصیل دی گئی ہے، جیسے جن

عورتوں کو حیض نہیں آتا، ان کی عدت تین ماہ ہے اور حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔

③ رجوع اور حسن سلوک: عدت کے دوران شوہر کو رجوع کرنے یا معروف طریقے سے علیحدگی اختیار کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور اس میں گواہوں کی موجودگی کی تاکید کی گئی ہے۔

④ تقویٰ اور توکل: سورت میں بار بار تقویٰ اور اللہ پر توکل کی تلقین کی گئی ہے اور وعدہ کیا گیا ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور اسے غیر متوقع جگہ سے رزق دیتا ہے۔

⑤ حدود اللہ: طلاق اور عدت کے احکام کو "حدود اللہ" قرار دیا گیا ہے، اور ان کی خلاف ورزی کو ظلم قرار دیا گیا ہے۔

⑥ معاشرتی عدل وانصاف: سورت میں عورتوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی گئی ہے، تاکہ معاشرتی نظام میں عدل وانصاف قائم رہے۔

سورۃ التغابن سے مناسبت: سورۃ الطلاق کا آغاز اس بات سے ہوتا ہے کہ پچھلی سورت (التغابن) میں ازواج اور اولاد کی آزمائش کا ذکر تھا اور یہاں اس آزمائش کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل یعنی طلاق اور اس کے احکام کو بیان کیا گیا ہے۔

المختصر: سورۃ الطلاق ایک جامع سورت ہے جو خاندانی نظام، طلاق، عدت، عورتوں کے حقوق و فرائض اور معاشرتی عدل وانصاف کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کو واضح کرتی ہے، اس میں تقویٰ، اللہ کی حدود کی پاسداری اور اللہ پر توکل کی تلقین کی گئی ہے، اس سورت کا مقصد معاشرتی نظام میں عدل، رحمت اور عورتوں کے حقوق کی حفاظت ہے۔

شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی فرماتے ہیں میاں بیوی کا تعلق ایسا ہے کہ ان کی ہر شکایت کا علاج عدالتوں سے نہیں مل سکتا، ایک متوازن خاندانی نظام اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک ہر فریق اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس کرتے ہوئے اپنے فرائض انجام نہ دے، اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں انہی کو دنیا اور آخرت میں کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

سورۃ الطلاق

عدت کے احکام

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا {۱} الطلاق.

جواب ترجمہ: اے نبی! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دینے لگو تو انہیں ان کی عدت کے وقت طلاق دو، اور عدت کو اچھی طرح شمار کرو اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا پروردگار ہے، ان عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو، اور نہ وہ خود نکلیں الا یہ کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں اور یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدود ہیں اور جو کوئی اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدود سے آگے نکلے، اس نے خود اپنی جان پر ظلم کیا، تم نہیں جانتے، شاید اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دے۔

طلاق کا لغوی معنی بندش کو کھول دینا، چھوڑ دینا یا آزاد کر دینا ہے۔ اللہ نے طلاق کا حق مردوں کو دیا ہے جیسے فرمایا بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ (البقرہ ۲۳۷) یعنی نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھوں میں ہے، وہی اس کو بصورت طلاق کھولنے کا مجاز ہے۔ مطلب یہ کہ نکاح کا اعتبار مرد سے ہے اور طلاق کی صورت میں عدت کا اعتبار عورت سے ہوتا ہے۔ کیونکہ عدت اسے پورا کرنا ہوتی ہے۔ طلاق ایک ناپسندیدہ امر ہے جب ایک مرد اور ایک عورت آپس میں نکاح کرتے ہیں تو وہ اس تعلق کو تازیست قائم رکھنے کا عہد کرتے ہیں۔

پھر اگر ان کے درمیان کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے اور نباہ نہ ہوتا ہو تو قرآن پاک کا حکم یہ ہے کہ

سب سے پہلے خود میاں بیوی ایسے تنازعہ کو سلجھانے کی کوشش کریں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو عورت اور مرد کے عزیز و اقارب یا سرپرست مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں تاکہ طلاق کی نوبت نہ آئے۔ کیونکہ شریعت کی رو سے نکاح ادامت مقصود ہے۔ اگر کوشش کے باوجود نباہ کی کوئی صورت نہ بن سکے تو پھر شریعت نے میاں بیوی میں جدائی کی اجازت دی ہے، اور اسی کا نام طلاق ہے۔

دیگر مذاہب کے ساتھ تقابل : طلاق کے مسئلہ میں دیگر مذاہب افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ یہودیوں میں طلاق کو ایک معمولی چیز سمجھا جاتا ہے، جب چاہا بلا قصور طلاق دے دی۔ اور پھر عورت کے لئے بھی کوئی پابندی نہیں، وہ طلاق کے فوراً بعد نکاح ثانی کرنے کی مجاز ہے۔

اس کے برخلاف نصاریٰ میں ازروئے انجیل طلاق کی گنجائش بہت کم ہے۔ عورت کے زانیہ ثابت ہونے کے علاوہ طلاق کے لئے کوئی عذر قابل قبول نہیں، اگر اس واحد عذر کے بغیر کوئی شخص طلاق دے دیں تو وہ طلاق ہی شمار نہیں ہوتی اور اگر ایسی عورت نکاح ثانی کرلے تو وہ زنا شمار ہوتا ہے۔

اسی طرح ہندوؤں میں نکاح تازیست ہوتا ہے، اور طلاق کی کوئی گنجائش نہیں خواہ حالات کتنے بھی خراب ہو جائیں۔ غرضیکہ دیگر مذاہب میں اس مسئلہ میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرے میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس نے اعتدال کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ اگرچہ اسلام میں نکاح تازیست ہوتا ہے جس نے نباہ کی صورت میں فی الجملہ آزادی کی گنجائش بھی رکھی گئی ہے۔

طلاق کے لوازمات : حضور ﷺ کا ارشاد ہے اَبغَضُ المُبَاحَاتِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقِ اللہ کے نزدیک جائز امور میں مبغوض ترین چیز طلاق ہے۔ اگرچہ طلاق کو پسند نہیں کیا گیا مگر اشد ضرورت کے وقت یہ حق استعمال بھی کیا جاسکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب میاں بیوی کا نباہ نہ ہوسکے اور دینی یا معاشرتی لحاظ سے خرابیاں پیدا ہو رہی ہوں تو پھر آزادی کا راستہ بھی موجود ہے، تاہم طلاق کے معاملہ میں بعض پابندیاں بھی عائد کی گئی ہیں،

طلاق دیتے وقت مناسب اور موزوں وقت کالحاظ ضروری ہے اور طلاق کی تعداد کا تعین بھی کر دیا گیا ہے۔

پھر اگر طلاق دے دی جائے تو نکاح ثانی سے پہلے عورت کے لئے مقررہ عدت گزارنا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے، مرد وزن کے نکاح کا تعلق ایک عظیم تعلق ہے جس کا حق عدت کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آدمی کے نسب وغیرہ میں کوئی اشتباہ واقع نہ ہو جائے۔ مثال کے طور پر اگر عورت حاملہ ہو تو نکاح ثانی سے پہلے پیدا ہونے والے بچے کی نسل کا تعین ہونا ضروری ہے، اس مقصد کے لئے عورت کو عدت گزارنے کا حکم دیا گیا ہے۔

خلع اور طلاق بالمال: اللہ نے طلاق کا تعلق مرد کے ساتھ رکھا ہے اور عورت کو خلع کا حق دیا ہے، جس کا ذکر سورۃ البقرہ میں موجود ہے۔ ایک خلع ہے اور ایک طلاق بالمال۔

اگر زوجین کے درمیان تنازعہ شدت اختیار کر جائے اور مرد طلاق دینے کے لئے تیار نہ ہو، جب کہ عورت اس سے گلو خلاصی چاہتی ہو تو ایسی صورت میں عورت عدالت مجاز کی طرف رجوع کر کے اپنا معاملہ پیش کر سکتی ہے، عدالت فریقین کے دلائل سننے کے بعد اگر مناسب سمجھے تو میاں بیوی میں تفریق یا علیحدگی کرا سکتی ہے۔

ایسی صورت میں مرد کی طرف سے طلاق کی بھی ضرورت نہیں ہے البتہ اگر فریقین رضامند ہوں تو عورت کچھ مال دے کر بھی مرد کو خلع پر راضی کر سکتی ہے اس مقصد کے لئے عورت حق مہر واپس کر سکتی ہے۔ اگرچہ اس سے زیادہ مال بھی ادا کیا جا سکتا ہے، خلع کے بعد عورت عدت گزار کر نکاح ثانی کر سکتی ہے۔

دوسری صورت طلاق بالمال ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بیوی طلاق لینا چاہے تو مرد کسی مال کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ جس کے عوض وہ طلاق دینے پر راضی ہو جائے گا، اگر بیوی مطلوبہ مال دے کر گلہ خلاصی کرانے پر تیار ہو تو اس مال کے بدلے میں خاوند اپنی بیوی کو باقاعدہ طلاق دے دے گا، یہ طلاق بالمال ہے۔ اس کے بعد عورت عدت پوری کر کے نکاح ثانی کرنے کی مجاز ہو گی۔

طلاق کا صحیح طریقہ :طلاق دینے کا احسن طریقہ یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو ایسے طہر میں ایک طلاق دے جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو۔ اس سے طلاق کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ یعنی تین حیض گزرنے پر عدت پوری ہو جائیگی اور عورت نکاح ثانی کے لئے آزاد ہو گی۔

اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ طلاق دینے کے بعد میاں بیوی کو سوچنے سمجھنے کے لئے کم و بیش تین ماہ کا وقت مل جائے گا، اگر اس دوران میں فریقین کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو مرد رجوع بھی کر سکتا ہے اور اس کے لئے دوبارہ نکاح کی ضرورت بھی نہیں ہو گی۔ اور اگر تین حیض گزر جائیں تو پھر بھی مرد وزن باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں، یا عورت دوسری جگہ بھی نکاح کر سکتی ہے۔

یہ اس صورت میں ہے جب کہ ایک طلاق رجعی دی گئی ہو یعنی طلاق دیتے وقت ڈرانے دھمکانے کی نیت ہو اور اگر طلاق دیتے وقت بالکل جدائی کی نیت تھی، تو پھر یہ طلاق بائن ہو گی اور اگر میاں بیوی عدت کے اندر بھی دوبارہ ملنا چاہیں تو دوبارہ نکاح کر کے ایسا کر سکتے ہیں۔

طلاق کا دوسرا صحیح طریقہ سنت کہلاتا ہے، اگر کسی شخص نے حتمی فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ عورت کو کسی صورت میں بھی نہیں رکھنا چاہتا اور ایک سے زیادہ طلاقیں دینے پر ہی بضد ہے تو پھر اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دے۔

پھر دوسرے طہر میں دوسری طلاق دے اور اگر اب تک وہ اپنے فیصلے پر قائم ہے تو پھر تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے دے، اب یہ طلاق مغلظہ ہو گئی اور رجوع نہیں ہو سکتا، ہاں اگر عورت کسی دوسری جگہ نکاح کر لے اور پھر وہاں سے طلاق ہو جائے یا عورت بیوہ ہو جائے تو اس صورت میں اگر وہ پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کرنا چاہے تو ایسا ہو سکتا ہے، عدت گزارنے کے بعد۔

طلاق بدعت :تیسری قسم کی طلاق طلاق بدعت کہلاتی ہے، یہ ایسی طلاق ہوتی ہے جو حیض کی حالت میں دی جائے، یا طہر کی حالت میں تین طلاقیں بیک وقت دے دی جائیں، ایسی طلاق نافذ تو ہو جائے

گی، مگر طلاق دینے والا گناہ کا مرتکب ہو گا اور عورت مغلظہ ہو کر جدا ہو جائیگی، اب نہ تو رجوع ہو سکتا ہے اور نہ ہی دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

اس کی تشریح حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات میں موجود ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ اگر حیض کے دوران تین طلاقیں دے دی جائیں تو اس کا کیا حکم ہے ؟ فرمایا طلاق نافذ ہو جائے گی اور ایسا غلط طریقہ اختیار کرنے پر حکم جاری ہو گا اور عورت بھی اس سے جدا ہو جائے گی وعصیت ربک اور رب تعالیٰ کا نافرمان بھی ہو گا۔ (معالم العرفان)

اس آیت کریمہ کے شان نزول میں حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ دو واقعات بیان کرتے ہیں، ایک حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور دوسرا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا، اسباب النزول میں علامہ نیشاپوری نے دونوں واقعات نقل فرمائے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طَلَّقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَفْصَةَ، فَأَتَتْ أَهْلَهَا، فَأَنْزَلَ اللهُ، رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے حضرت حفصہ کو طلاق دی تو وہ اپنے میکے آگئیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (ابن ابی حاتم، اسباب النزول، ابن کثیر)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ ان سے رجوع کر لیں وہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والی اور بہت زیادہ نماز پڑھنے والی ہیں اور وہ یہاں بھی آپ کی بیوی ہیں اور جنت میں بھی آپ کی ازواج میں داخل ہیں۔

دوسرا واقعہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی صاحبہ کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی، جب کہ وہ حیض کی حالت میں تھیں، جب اس بات کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا

فَتَغَيَّظَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ: لِيُرَاجِعْهَا، ثُمَّ يُمْسِكْهَا حَتَّى تَطْهُرَ، ثُمَّ تَحِيضَ فَتَطْهُرَ، فَإِنْ بَدَا لَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا،

فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللهُ، عَزَّ وَجَلَّ (رواہ البخاری) آپ ﷺ یہ واقعہ سن کر ناراض ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا اسے چاہیے کہ رجوع کرلے پھر حیض سے پاک ہونے تک روکے رکھے پھر دوسرا حیض آئے اور اس سے نہالیں پھر اگر جی چاہے طلاق دیں یعنی اس پاکیزگی کی حالت میں بات چیت کرنے سے پہلے یہی وہ عدت ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

عزہ کے آزاد کردہ غلام حضرت عبدالرحمٰن بن ایمن نے حضرت ابو الزبیر کے سنتے ہوئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جس نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی؟ تو آپ نے فرمایا سنو ابن عمر نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں طلاق دی تو حضور ﷺ نے حکم دیا کہ اس سے رجوع کرلے، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رجوع کرلیا اور یہی حضور ﷺ نے فرمایا تھا اس سے پاک ہوجانے کے بعد اسے اختیار ہے خواہ طلاق دے خواہ بسالے اور آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ (مسلم)

اس آیت میں اگرچہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے مگر مقصد آپ ﷺ کی امت کو سمجھانا ہے، کہ جب تم لوگ اپنی ان بیویوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو جن کے ساتھ تم صحبت کرچکے ہو تو انہیں حیض کی مدت سے پہلے طہر (پاکی) میں طلاق دو، ازروئے احادیث یہ وہ پاکی کا زمانہ ہے جس میں ان سے صحبت نہ کی گئی ہو، پھر طلاق کے بعد مرد اور عورت دونوں اس عدت کو یاد رکھیں، خطاب میں اگرچہ مذکر کا صیغہ بیان کیا گیا ہے، جس سے اس عدت کو یاد رکھنا مردوں کے لیے ضروری بتایا جارہا ہے، چونکہ عورتوں میں غفلت زیادہ ہوتی ہے، وہ اس عدت کو یاد رکھنے کا زیادہ اہتمام نہیں کرسکتیں۔

طلاق کے معاملات بہت نازک ہیں، اس میں اکثر زیادتی ہوجایا کرتی ہے، اس لیے قرآن کریم نے واضح طور پر بتادیا کہ ان معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، کہیں یکبارگی تین دفعہ طلاق نہ دو، حیض کی حالت میں طلاق نہ دو، عدت کے دوران عورتوں کو گھروں سے باہر نہ دھکیلا جائے، اس لیے

کہ طلاق یافتہ عورت کی رہائش کا حق خاوند کے ذمہ اسی طرح واجب ہے جس طرح منکوحہ کی رہائش واجب ہے، جس طرح انہیں گھر سے نکالا نہیں جاسکتا اسی طرح مطلقہ عورت کو بھی چاہیے کہ وہ خود بھی نہ نکلے، اس لیے کہ وہ رہائش صرف محض شوہر کا حق نہیں جو اس کی رضا سے ختم ہو جائے بلکہ شرعی حق بھی ہے، ہاں اگر عورت کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے، بدکاری کرے، چوری کرے تو اسے سزا کے لیے نکالا جائے۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کھلی بے حیائی سے کیا مراد ہے اس میں ائمہ تفسیر کے تین قول منقول ہیں، اول یہ کہ بے حیائی سے مراد خود یہی گھر سے نکل جانا ہے تو اس صورت میں یہ استثناء صرف صورۃً استثناء ہے جس سے خروج من البیت کی اجازت دینا مقصود نہیں بلکہ اس کی ممانعت کو اور زیادہ مؤکد کرنا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے یہ کہا جائے کہ فلاں کام کسی کو نہیں کرنا چاہیے بجز اس کے کہ وہ آدمیت ہی سے نکل جائے، یا کہ اپنی ماں کو گالی نہ دو بجز اس کے کہ تم ماں کے بالکل ہی نافرمان ہو جاؤ تو یہ ظاہر ہے کہ پہلی مثال میں اس صورت استثناء سے اس فعل کا جواز بتلانا منظور نہیں اور دوسری مثال میں ماں کی نافرمانی کا جواز ثابت کرنا نہیں بلکہ بلیغ انداز میں اس کی اور بھی زیادہ ممانعت وشناعت کا بیان ہے۔

تو خلاصہ مضمون آیت اس صورت میں یہ ہوا کہ مطلقہ عورتیں اپنے شوہروں کے گھروں سے نہ نکلیں مگر یہ کہ وہ بے حیائی ہی پر اتر آئیں اور نکل بھاگیں تو اس کا مطلب نکل بھاگنے کا جواز نہیں بلکہ اور زیادہ مذمت اور ممانعت کا اثبات ہے، فاحشہ مبینہ کی یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سدی رحمہ اللہ، ابن السائب نخعی رحمہ اللہ وغیرہ سے منقول ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ (روح المعانی)

دوسرا قول یہ ہے کہ فاحشہ مبینہ سے مراد زنا اور بدکاری ہے اس صورت میں استثناء اپنے معنیٰ میں ہے کہ اگر مطلقہ عورت نے زنا کیا اور جرم اس پر ثابت ہو گیا تو اس کو حد شرعی جاری کرنے کے

لئے لامحالہ بیت عدت سے نکالا جائے گا۔ یہ تفسیر حضرت قتادہ رحمۃ اللہ، حسن بصری رحمۃ اللہ، شعبی رحمۃ اللہ، زید بن اسلم رحمۃ اللہ اور ضحاک رحمۃ اللہ و عکرمہ رحمۃ اللہ وغیرہ سے منقول ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ فاحشہ مبینہ سے مراد زبان درازی اور لڑائی جھگڑا ہے تو معنیٰ آیت کے یہ ہوں گے کہ مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نکالنا جائز نہیں بجز اس صورت کے کہ عورت بد زبان، جھگڑالو ہو، اپنے شوہر اور اس کے متعلقین سے بد زبانی کے ساتھ پیش آئے تو ایسی صورت میں اس کو مکان عدت سے نکالا جاسکتا ہے۔

فاحشہ مبینہ کی یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بروایت متعددہ منقول ہے اور آیت مذکور میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت اس طرح ہے الا ان یفحش اس لفظ کے ظاہری معنیٰ فحش کلام اور بد زبانی کے ہیں۔ اس قرأت سے بھی آخری تفسیر کی تائید ہوتی ہے (روح المعانی) اس صورت میں بھی استثناء اپنی حقیقت پر رہے گا کہ بد زبانی اور جھگڑا کرنے کی صورت میں مطلقہ کو مکان عدت سے نکالا جاسکتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ اگر عورت زبان درازی، منہ زوری کرے، ہر وقت توتکار، بحث مباحثہ، ایذا دہی کرتی رہے تو بھی اسے نکال دینا چاہیے۔

جن باتوں کی پاسداری کرنے کا حکم دیا گیا، جن چیزوں پر پابندی عائد کی گئی یہاں انہیں حدود اللہ فرمایا گیا ہے، حدود اللہ کی پاسداری ایک مسلمان کے لیے لازم ہے، حدود اللہ کی پائمالی کرنے والوں کے بارے میں واضح فرمایا گیا کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، یعنی ان لوگوں نے گناہ کیا ہے، گناہ کا انجام ٹھیک نہیں ہوتا، انسان اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آسکتا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدود اللہ سے مراد شریعت کے مقرر کردہ قوانین ہیں۔ وَمَن يَّتَعَدَّ یعنی جو شخص حدود اللہ میں تعدی کرے یعنی ان حدود و احکام کی خلاف ورزی کرے فَقَدْ

ظَلَمَ نَفسَهُ، تو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، یعنی اللہ کا یا شریعت اسلام کا کچھ نہیں بگاڑا اپنا ہی نقصان کیا ہے اور یہ نقصان عام ہے دینی بھی اور دنیاوی بھی، دینی نقصان تو اس میں خلاف شروع کرنے کا گناہ اور اس کا وبال آخرت ہے اور دنیوی نقصان یہ ہے کہ جو شخص شرعی ہدایات کے بغیر طلاق دے بیٹھتا ہے وہ اکثر تین طلاقوں تک پہنچ جاتا ہے جس کے بعد آپس میں رجوع یا نکاح جدید بھی نہیں ہو سکتا اور آدمی اکثر طلاق دینے کے بعد پچھتاتا ہے اور مصیبت جھیلتا ہے خصوصاً جبکہ صاحب اولاد بھی ہو، اس لئے یہ مصیبت دنیا ہی میں اپنی جان پر پڑی اور بہت سے لوگ جو بیوی کو تکلیف دینے اور نقصان پہنچانے کی نیت سے ظالمانہ طلاق دیتے ہیں گو اس کی تکلیف عورت کو بھی کچھ پہنچ جائے لیکن اس کے لئے ظلم پر ظلم اور دوہرا وبال ہو جائے گا ایک اللہ کی مقرر کردہ حدود کو توڑنے کا دوسرے عورت پر ظلم کرنے کا۔ (معارف القرآن)

آیت کے آخری حصہ میں طلاق دینے والے کو بتایا جارہا ہے کہ طلاق رجعی بہتر ہے، کہ طلاق دینے والے تجھے پتا نہیں ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طلاق دینے کے بعد کوئی نئی بات تیرے دل میں ڈال دیتے، جیسے طلاق دینے کے بعد شرمندگی اور ندامت ہو جاتی، جب طلاق دینے کے بعد خاوند کو ندامت اور شرمندگی ہوئی تو اس صورت میں بیوی کی طرف رجوع تب ہی ہو سکتا ہے کہ اس نے اسے ایک طلاق دی ہوتی، طلاق رجعی دی ہوتی۔ شریعت کے نزدیک طلاق انتہائی مبغوض اور قابل نفرت چیز ہے اس وجہ سے اس پر حدود اور قیود ایسی نازل کی گئیں کہ حتی الامکان اس کی نوبت نہ آسکے۔

احادیث میں ہے کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور اپنی ذریت کو دنیا کے گمراہ کرنے کے لیے بھیجتا ہے، جب اس کی ذریت دنیا کو مختلف طریقوں سے گمراہ کر کے واپس آتی ہے اور ہر ایک ابلیس اعظم کو اپنی رپورٹ پیش کرتا ہے تو ہر ایک کی کاروائی سن کر ابلیس کوئی خاص خوشی کا اظہار نہیں کرتا، اخیر میں ایک شطونگڑا جو اپنے بارے میں یہ سمجھ کر ایک کنارہ پر تھا کہ میں نے کوئی خاص کام انجام نہیں دیا نہ چوری کرائی نہ قتل وبدکاری جب اس نے اخیر میں یہ کہا کہ میں ایک عورت اور مرد کے

درمیان پڑ گیا ان میں لڑائی کرائی حتی کہ طلاق تک نوبت پہنچادی تو اس سے فارغ ہو کر اب آیا ہوں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ابلیس اعظم اس شیطان کو فرط مسرت سے اپنے ساتھ چمٹالے گا اور کہے گا" نِعمَ اَنتَ کہ تو بہت اچھا ہے یا اگر اس لفظ کو نِعمَ اَنتَ پڑھیں تو معنی یہ کہ ہاں بس شیطان تو ہی ہے۔

عائلی قانون اور متقی کا رزق

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا {۲} وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا {۳} الطلاق.

جواب ترجمہ: پھر جب وہ عورتیں اپنی عدت گزرنے کے قریب پہنچ جائیں تو انہیں روک لو بھلائی کے ساتھ یا چھوڑ دو بھلائی کے ساتھ اور عدل والے دو آدمیوں کو گواہ بنالو اور اللہ کے لیے گواہی کو قائم کرو اور یہ وہ چیز ہے جس کی اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان لائے اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہو وہ اس کے لیے مشکل سے نکلنے کا راستہ بنادیتا ہے۔ اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہو گا۔ اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے، تو اللہ اس (کا کام بنانے) کے لیے کافی ہے۔ یقین رکھو کہ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ (البتہ) اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ: ارشاد ہوتا ہے کہ عدت والی عورتوں کی عدت جب پوری ہونے کے قریب پہنچ جائے تو ان کے خاوندوں کو چاہیے کہ دو باتوں میں سے ایک کر لیں یا تو انہیں بھلائی اور سلوک کے ساتھ اپنے ہی نکاح میں روک رکھیں یعنی طلاق جو

دی تھی اس سے رجوع کر کے باقاعدہ اس کے ساتھ بود و باش رکھیں یا انہیں طلاق دے دیں، لیکن برا بھلا کہے بغیر گالی گلوچ دیئے بغیر سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ بغیر بھلائی، اچھائی اور خوبصورتی کے ساتھ۔ (یہ یاد رہے کہ رجعت کا اختیار اس وقت ہے جب ایک طلاق ہوئی ہو یا دو ہوئی ہوں)

وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ: پھر فرمایا اگر رجعت کا ارادہ ہو اور رجعت کرو یعنی لوٹالو تو اس پر دو عادل مسلمان گواہ رکھ لو، ابو داؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ **أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الرَّجُلِ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ ثُمَّ يَقَعُ بِهَا وَلَمْ يُشْهِدْ عَلَى طَلَاقِهَا وَلَا عَلَى رَجْعَتِهَا فَقَالَ: طَلَّقْتَ لِغَيْرِ سُنَّةٍ، وَرَجَعْتَ لِغَيْرِ سُنَّةٍ، وأشهِدْ عَلَى طَلَاقِهَا وَعَلَى رَجْعَتِهَا، وَلَا تَعُدْ** (ابی داؤد، ابن ماجہ) ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے پھر اس سے جماع کرتا ہے نہ طلاق پر گواہ رکھتا ہے نہ رجعت پر تو آپ نے فرمایا اس نے خلاف سنت طلاق دی اور خلاف سنت رجوع کیا طلاق پر بھی گواہ رکھنا چاہیے اور رجعت پر بھی، اب دوبارہ ایسا نہ کرنا۔

حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **لَا يَجُوزُ فِي نِكَاحٍ وَلَا طَلَاقٍ وَلَا رِجَاعٍ إِلَّا شَاهِدَا عَدْلٍ، كَمَا قَالَ اللّٰهُ، عَزَّ وَجَلَّ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ مِنْ عُذْرٍ** (تفسیر ابن کثیر) نکاح، رجعت بغیر دو عادل گواہوں کے جائز نہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ہاں کوئی عذر ہو تو اور بات ہے۔

{ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ} گواہ مقرر کرنے اور سچی شہادت دینے کا حکم انہیں ہو رہا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں، اللہ کی شریعت کے پابند اور عذاب آخرت سے ڈرنے والے ہوں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ طلاق دیتے وقت اور طلاق سے رجوع کے وقت اپنے دو نیک آدمیوں کو گواہ بنالو، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ

گواہ بنانا مستحب ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق کے وقت گواہ بنانا مستحب ہے اور طلاق سے رجوع کے وقت گواہ بنانا واجب ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ گواہ بنانے کا فائدہ یہ ہے کہ بعد میں فریقین میں سے کوئی طلاق یا رجوع کا انکار نہ کر سکے اور اس کے نکاح میں بیوی کو روکنے پر تہمت نہ لگائے، اور جب فریقین میں سے کوئی دوران عدت مر جائے تو اس کے وارث ہونے کا ثبوت ہو، ایک قول یہ ہے کہ گواہ بنانے کی حکمت یہ ہے کہ بیوی رجوع کا انکار کر کے عدت کے بعد کسی اور سے شادی نہ کر سکے۔ (تفسیر کبیر)

اس مسئلہ کو ماننے والی علماء کرام کی جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ رجعت زبانی کہے بغیر ثابت نہیں ہوتی کیونکہ گواہ رکھنا ضروری ہے اور جب تک زبان سے نہ کہے گواہ کیسے مقرر کئے جائیں گے۔

{وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ} جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام بجالائے اس کی حرام کردہ چیزوں سے پرہیز کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے مخلصی پیدا کر دیتا ہے اور اس کو اس طرح رزق پہنچاتا ہے کہ اس کے خواب وخیال میں بھی نہ ہو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میرے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا يَا أَبَا ذَرٍّ، لَوْ أَنَّ النَّاسَ كُلَّهُمْ أَخَذُوا بِهَا كَفَتْهُمْ، اے ابوذر! اگر تمام لوگ صرف اسے ہی لے لیں تو ان کے لیے کافی ہے۔ پھر آپ نے بار بار اس کی تلاوت کی یہاں تک کہ مجھے اونگھ آنے لگی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر! تم کیا کرو گے جب تمہیں مدینہ سے نکال دیا جائے گا؟ جواب دیا کہ میں اور کشادگی اور رحمت کی طرف چلا جاؤں گا یعنی مکہ شریف کو، وہیں کا کبوتر بن کر رہ جاؤں گا، آپ نے فرمایا پھر کیا کرو گے جب تمہیں وہاں سے بھی نکالا جائے؟ میں نے کہا شام کی پاک زمین میں چلا جاؤں گا فرمایا جب شام سے نکالا جائے گا تو کیا کرے گا؟ میں نے کہا، اللہ کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ پیغمبر بنا کر بھیجا ہے پھر تو اپنی تلوار اپنے کندھے پر رکھ کر مقابلہ پر اتر آؤں گا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں تجھے اس سے بہتر ترکیب بتاؤں؟ میں نے کہا کیا اس سے بہتر بھی کوئی ترکیب ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تَسْمَعُ وَتُطِيعُ، وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا، سنتا رہ اور مانتا رہ اگرچہ وہ حبشی غلام ہی ہو۔ (مسند احمد بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ إِنَّ أَجْمَعَ آيَةٍ فِي الْقُرْآنِ: {إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ} (النَّحل: ۹۰) وَإِنَّ أَكْثَرَ آيَةٍ فِي الْقُرْآنِ فَرَجًا: {وَمَنْ يَتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا} قرآن کریم میں بہت ہی جامع آیت سورۃ النحل کی آیت ۹۰ ہے اور سب سے زیادہ کشادگی کا وعدہ سورۃ الطلاق کی اس آیت میں فرمایا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مَنْ أَكْثَرَ مِنَ الِاسْتِغْفَارِ جَعَلَ اللهُ لَهُ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا، وَمِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (مسند احمد) جو شخص بکثرت استغفار کرتا رہے اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے نجات اور ہر تنگی سے فراخی دے گا اور ایسی جگہ سے رزق پہنچائے گا جہاں کا اسے خیال و گمان تک نہ ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ يُنْجِيهِ مِنْ كُلِّ كَرْبٍ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، اسے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کے ہر کرب و بے چینی سے نجات دے گا۔ حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ضَاقَ عَلَى النَّاسِ، لوگوں پر کام بھاری ہو اس پر آسان ہو جائے گا۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مَنْ طَلَّقَ كَمَا أَمَرَهُ اللهُ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا، جو شخص اپنی بیوی کو اللہ کے حکم کے مطابق طلاق دے گا اللہ اسے نکاسی اور نجات دے گا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے يَعْلَمُ أَنَّ اللهَ إِنْ شَاءَ مَنَعَ، وَإِنْ شَاءَ أَعْطَى وہ جانتا ہے کہ اللہ اگر چاہے دے اگر نہ چاہے نہ دے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آیت کا مطلب یہ ہے کہ مِنْ شُبُهَاتِ الْأُمُورِ وَالْكَرْبِ عِنْدَ الْمَوْتِ، تمام

امور کے شبہات سے اور موت کی تکلیف سے بچالے گا اور روزی ایسی جگہ سے دے گا جہاں کا گمان بھی نہ ہو۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، آیت کا مطلب یہ ہے کہ يُطَلِّقُ لِلسُّنَّةِ، وَيُرَاجِعُ لِلسُّنَّةِ، یہاں اللہ سے ڈرنے کے یہ معنیٰ ہیں کہ سنت کے مطابق طلاق دے اور سنت کے مطابق رجوع کرے۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کو کفار گرفتار کر کے لے گئے اور انہیں جیل خانہ میں ڈال دیا ان کے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکثر آتے اور اپنے بیٹے کی حالت اور حاجت مصیبت اور تکلیف بیان کرتے رہتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں صبر کرنے کی تلقین کرتے اور فرماتے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے چھٹکارے کی سبیل بنادے گا۔

تھوڑے دن گذرے ہوں گے کہ ان کے بیٹے دشمنوں کے چنگل سے نکل بھاگے راستہ میں دشمنوں کی بکریوں کا ریوڑ مل گیا جسے اپنے ساتھ ہنکالائے اور بکریاں لئے ہوئے اپنے والد کی خدمت میں جا پہنچے، یوں ان بکریوں کی وجہ سے ان کے ہاں مالداری بھی آگئی، اس پر یہ آیت اتری کہ متقی بندوں کو اللہ نجات دے دیتا ہے اور اس کا گمان بھی نہ ہو وہاں سے اسے روزی پہنچاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ إِنَّ الْعَبْدَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ، وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ، وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ (مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ) گناہ کی وجہ سے انسان اپنی روزی سے محروم ہو جاتا ہے تقدیر کو لوٹانے والی چیز صرف دعا ہے عمر میں زیادتی کرنے والی چیز صرف نیکی اور خوش سلوکی ہے۔ حضرت مالک بن اشجعی رضی اللہ عنہ کے لڑکے حضرت عوف رضی اللہ عنہ جب کافروں کی قید میں تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں پیغام بھیجو کہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ يَأْمُرُكَ أَنْ تُكْثِرَ مِنْ قَوْلِ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ کثرت سے لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتا رہ، ایک دن اچانک بیٹھے بیٹھے ان کی قید کھل گئی اور یہ وہاں سے نکل بھاگے اور ان لوگوں کی ایک اونٹنی ہاتھ لگ گئی جس پر سوار ہو لئے راستے میں ان کے اونٹوں کے ریوڑ ملے انہیں بھی اپنے ساتھ ہنکالائے وہ لوگ پیچھے دوڑے لیکن یہ کسی کے ہاتھ نہ لگے سیدھے اپنے گھر آئے اور دروازے پر

کھڑے ہو کر آواز دی باپ نے آواز سن کر فرمایا اللہ کی قسم یہ تو عوف ہے ماں نے کہا ہائے وہ کہاں وہ تو قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہا ہو گا اب دونوں ماں باپ اور خادم دروازے کی طرف دوڑے دروازہ کھولا تو ان کے لڑکے حضرت عوف رضی اللہ عنہ ہیں اور تمام انگنائی اونٹوں سے بھری پڑی ہے پوچھا کہ یہ اونٹ کیسے ہیں؟ انہوں نے واقعہ بیان فرمایا کہا اچھا ٹھہرو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی بابت مسئلہ دریافت کر آؤں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِصْنَعْ بِهَا مَا أَحْبَبْتَ، وَمَا كُنْتَ صَانِعًا بِمَالِكَ، وہ سب تمہارا مال ہے جو چاہو کرو اور یہ آیت اتری کہ اللہ سے ڈرنے والوں کی مشکل اللہ آسان کرتا ہے اور بے گمان روزی پہنچاتا ہے (سیرت ابن اسحاق، تفسیر ابن کثیر)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنِ انْقَطَعَ إِلَى اللهِ كَفَاهُ اللهُ كُلَّ مَئُونَةٍ، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ، وَمَنِ انْقَطَعَ إِلَى الدُّنْيَا وَكَلَه إِلَيْهَا (معجم طبرانی، ابن ابی حاتم) جو شخص ہر طرف سے کھچ کر اللہ کا ہو جائے اللہ اس کی ہر مشکل میں اسے کفایت کرتا ہے اور بے گمان روزیاں دیتا ہے اور جو اللہ سے ہٹ کر دنیا ہی کا ہو جائے اللہ بھی اسے اسی کے حوالے کر دیتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی سواری پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا يَا غُلَامُ، إِنِّي مُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ: اِحْفَظِ اللهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ، لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ كَتَبَهُ اللهُ لَكَ، وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ، لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ، وَجَفَّتِ الصُّحُفُ (مسند احمد، ترمذی) بچے! میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں سنو تم اللہ کو کو یاد رکھو وہ تمہیں یاد رکھے گا اللہ کے احکام کی حفاظت کرو تو اللہ کو اپنے پاس بلکہ اپنے سامنے پاؤ گے جب کچھ مانگنا ہو اللہ ہی سے مانگو جب مدد طلب کرنی ہو اسی سے مدد چاہو تمام امت مل کر تمہیں نفع

پہنچانا چاہے اور اللہ کو منظور نہ ہو تو ذرا سا بھی نفع نہیں پہنچا سکتی اور اسی طرح سارے کے سارے جمع ہو کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو بھی نہیں پہنچا سکتے اگر تقدیر میں نہ لکھا ہو، قلمیں اٹھ چکیں اور صحیفے خشک ہو گئے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ نَزَلَ بِهِ حَاجَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ كَانَ قَمِنًا أَنْ لَا تُسَهَّلَ حَاجَتُهُ، وَمَنْ أَنْزَلَهَا بِاللهِ أَتَاهُ اللهُ بِرِزْقٍ عَاجِلٍ، أَوْ بِمَوْتٍ آجِلٍ (مسند احمد) جسے کوئی حاجت ہو اور وہ لوگوں کی طرف لے جائے تو بہت ممکن ہے کہ وہ سختی میں پڑ جائے اور کام مشکل ہو جائے اور جو اپنی حاجت اللہ کی طرف لے جائے اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مراد پوری کرتا ہے یا تو جلدی اسی دنیا میں ہی یا دیر کے ساتھ موت کے بعد۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ: اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے سو اللہ اس کے لیے کافی ہے، اس سے پہلے متقی کے لیے غیبی مدد اور خیر و خوبی اور رزق کا وعدہ فرمایا اور اس جملہ میں توکل کرنے والوں سے خیر کا وعدہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے اس کے لیے کافی ہے یہ بھی بہت بڑی بشارت ہے اور اللہ کی طرف سے مدد اور نصرت کا اعلان ہے۔ تقویٰ اور توکل دونوں بڑی اہم چیزیں ہیں مومن کی گاڑی کے پہیے ہیں، کوئی دونوں کو اختیار کر کے تو دیکھے پھر دونوں چیزوں کی برکات بھی دیکھ لے۔ (انوار البیان)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کا دل ہر وادی میں کچھ نہ کچھ مشغول رہتا ہے سو جس شخص نے اپنے دل کو ان سب مشغولیتوں میں لگا دیا اس کے بارے میں اللہ کوئی پروا نہیں کرے گا کہ اسے کس وادی میں ہلاک کر دے اور جو شخص اللہ پر توکل کرے اللہ اس کے سب کاموں کی کفایت فرمائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۵۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اللہ پر توکل کرتے جیسا کہ توکل کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح رزق دیتا جیسے پرندوں کو رزق دیتا ہے وہ صبح کو خالی پیٹ جاتے ہیں

اور شام کو بھرے پیٹ واپس آجاتے ہیں۔

توکل کے درجات ہیں ترک اسباب بھی ایک درجہ ہے رسول اللہ ﷺ نے اسی کو اختیار فرمایا کہ میری طرف یہ وحی نہیں کی گئی کہ مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں بلکہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَ اعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کیجئے اور سجدہ کرنے والوں میں سے رہیے اور موت آنے تک اپنے رب کی عبادت کیجئے ((مشکوٰۃ المصابیح، انوار البیان)

اسباب اختیار کرتے ہوئے بھی بندہ متوکل ہو سکتا ہے بشرطیکہ اسباب پر بھروسہ نہ ہو بھروسہ اللہ پر ہی ہو اور حقیقی رازق اسی کو سمجھتا ہو جب یہ بات حاصل ہو جائے تو بندہ اسباب اختیار کرنے میں بھی گناہ سے بچتا ہے اور رزق حاصل کرنے کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتا جس میں گناہ کو اختیار کیا جائے۔ (انوار البیان)

{إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهٖ} اللہ تعالیٰ اپنے قضا اور احکام جس طرح اور جیسے چاہے اپنی مخلوق میں پورے کرنے والا اور اچھی طرح جاری کرنے والا ہے۔ ہر چیز کا اس نے اندازہ مقرر کیا ہوا ہے جیسے اور جگہ ہے وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ (الرعد: ۸) ہر چیز اس کے پاس ایک اندازے سے ہے۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے، ہر چیز کا اندازہ اور وقت مقرر ہے، یہ اس بات کی وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کیوں ضروری ہے اور معاملات کو کیوں اس کے سپرد کرنا چاہیے کیونکہ جب انسان کو یہ معلوم ہو گیا کہ ہر چیز خواہ وہ رزق ہو یا روشنی اس کا ایک وقت واندازہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، تو رب مخلوق کی تقدیر کے تسلیم کرنے اور اس کی ذات پر بھروسہ کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ (مدارک التنزیل)

بڑی اور چھوٹی عمر والیوں کی عدت

سوال وہ خواتین جن کو طلاق دی گئی ہو اور زیادہ بوڑھی ہو جانے کی وجہ سے ان کا سلسلہ حیض

رک گیا ہو ان کی مدت عدت کتنی ہے؟ وہ چھوٹی عمر والیاں جو ابھی حیض کی عمر کو نہیں پہنچ سکیں ان کی مدت عدت کتنی ہے؟ وہ خواتین جو حاملہ ہیں ان کی مدت عدت کتنی ہے؟ ان آیات کی روشنی میں تفسیر مطلوب ہے۔

وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا {۴} ذَٰلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنزَلَهُ إِلَيْكُمْ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا {۵} الطلاق.

جواب ترجمہ: اور تمہاری عورتوں میں سے جو ماہواری آنے سے مایوس ہو چکی ہوں اگر تمہیں (ان کی عدت کے بارے میں) شک ہو تو (یاد رکھو کہ) ان کی عدت تین مہینے ہے، اور ان عورتوں کی (عدت) بھی (یہی ہے) جنہیں ابھی ماہواری آئی ہی نہیں، اور جو عورتیں حاملہ ہوں، ان کی (عدت کی) میعاد یہ ہے کہ وہ اپنے پیٹ کا بچہ جن لیں۔ اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔

قرآن کریم میں واضح ارشاد فرمایا گیا ہے، اسلام کیونکہ عالمگیر مذہب ہے اس لیے اس کے احکامات بھی بڑی وسعت رکھتے ہیں، ان آیات میں بندے کی سہولت کے لیے ایسی عورتوں کی عدت کا تعین کیا گیا ہے جو یا تو اتنی بوڑھی ہوں کہ ماہواری کی عمر سے اوپر چلی گئی ہوں کیونکہ قدرت نے عورت کا جسمانی نظام ایسے بنایا ہے کہ ایک خاص عمر تک وہ ماہواری کے مراحل سے گزرتی ہے پھر عمر کا زیادہ ہو جانا ماہواری کے بند ہو جانے کا سبب بنتا ہے۔ تو ایسی عورتوں کے لیے بھی عدت کا وقت تین مہینے ہے اور کچھ ایسی عورتیں ہوتی ہیں جو کسی بیماری کی وجہ سے یا پھر لڑکی اتنی کم عمر ہو کہ ماہواری شروع ہی نہ ہوئی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی عدت بڑی احتیاط سے تین مہینے گن لی جائے اور باقی احکامات ویسے ہی ہوں گے جو پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

اب مسئلہ آتا ہے ایسی عورت کا کہ جو حمل سے ہو تو اس کے لیے حکم ہے کہ بچہ پیدا ہونے تک اس کی عدت مقرر کی گئی ہے، یہ بھی اس لئے کہ ہو سکتا ہے بچہ کی پیدائش صلح کا سبب بن جائے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ پھر تاکید فرماتے ہیں کہ جو بھی کام کرو اللہ کے بتائے ہوئے اصول و قوانین کے مطابق اللہ کا خوف دل میں رکھ کر کرو کیونکہ اس طرح ایک تو تمہاری نیت صاف رہے گی۔ دوسرا: تمہارے کام خوش اسلوبی سے ہو جائیں گے۔ تیسرا: اللہ کی فرمانبرداری کا بہت بڑا ثواب ملے گا۔ (مفہوم القرآن)

مولانا غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں کہ جن عورتوں کو نابالغہ ہونے کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا ان کی عدت تین ماہ ہے۔ پھر اس آیت میں جو فرمایا ہے: اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو، اس کے تین محمل ہیں۔ ① مجاہد نے کہا: اگر تم کو معلوم نہ ہو جو عورت، حیض سے رک گئی ہے یا جس کا حیض شروع نہیں ہوا تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ زہری نے کہا: جو عورت بوڑھی ہے اور اس کو حیض میں شک ہے تو وہ تین ماہ عدت گزارے گی، اگر جوان عورت کو حیض نہ آئے تو دیکھا جائے گا، وہ حاملہ ہے یا غیر حاملہ، اگر متعین ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے، نہیں تو انتظار کیا جائے حتیٰ کہ حمل کا معاملہ صاف ہو جائے اور انتظار کی مدت ایک سال ہے۔

② ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! قرآن مجید میں بوڑھی عورت، نابالغہ اور حاملہ عورت کی عدت نہیں بیان کی گئی تو یہ آیت نازل ہو گئی۔

③ عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر عورت کو مہینہ میں بار بار خون آتا ہے اور کئی مہینہ خون آتا رہتا ہے اور اس کو شک ہے اور یہ متعین نہیں ہوتا کہ یہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا، یعنی یہ خون رحم سے آیا ہے یا بیماری کی وجہ سے کسی رگ سے آیا ہے تو پھر اس کی عدت تین ماہ ہے۔ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ نے اسی آخری قول کو ترجیح دی ہے۔ (جامع البیان جز ۲۸ ص ۱۸، ۱۷۹) نیز فرمایا ہے: اور حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔ علامہ ابن جریر طبری نے فرمایا: اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے۔ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔

بیوہ حاملہ کی عدت میں اختلاف صحابہ: اس میں اختلاف ہے کہ جس حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے یا اس کی عدت وضع حمل ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مختار یہ ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہے، وہ کہتے تھے جو چاہے میں اس سے اس مسئلہ پر لعان کرنے کے لیے تیار ہوں کہ الطلاق: ۴ جس میں فرمایا: حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے، البقرہ: ۲۳۴ کے بعد نازل ہوئی ہے جس میں فرمایا ہے کہ بیوہ عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور وہ قسم کھا کر فرماتے: النساء القصریٰ (الطلاق) النساء الطولیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے اور حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ کہتے تھے کہ اس کی عدت زیادہ لمبی مدت ہے، یعنی اگر وضع حمل کی مدت چار ماہ سے زیادہ ہو تو وہ اس کی عدت ہے اور اگر چاہ ماہ دس دن کی مدت وضع حمل کے عرصہ سے زیادہ ہو تو پھر وہ اس کی عدت ہے۔ (جامع البیان جز ۲۸ ص ۱۸۴)

نابالغہ، بوڑھی اور حاملہ عورتوں کی عدت کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات: علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی لکھتے ہیں: جس عورت کو کم عمر ہونے کی وجہ سے حیض نہیں آتا بایں طور کہ اس کی عمر نو سال سے کم ہو، اس کی عدت تین ماہ ہے یا جو عورت بوڑھی ہو اور سن ایاس کو پہنچ چکی ہو، اس کی عدت بھی تین ماہ ہے، یا جو عورت بالغہ ہو چکی ہو اور بار بار حیض آنے کے بعد اس کا طہر دائم ہو اور بوڑھی ہونے تک اس کو دوبارہ حیض نہ آیا اس کی عدت بھی تین ماہ ہے اور مہینوں کا اعتبار چاند کی تاریخوں کے حساب سے ہو گا۔ (الدر المختار مع رد المختار ج ۵ ص ۱۴۹، ۱۴۶)

اور عدت وفات چاند کی تاریخوں کے اعتبار سے چار ماہ دس دن ہے اور حاملہ عورت کی عدت مطلقاً وضع حمل ہے، خواہ وہ عدت طلاق گزار رہی ہو یا عدت وفات۔ (الدر المختار مع رد المختار ج ۵ ص ۱۵۱)

علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی لکھتے ہیں: رہی عدت حمل تو اس کی مقدار اتنی ہے جتنی مدت وضع حمل میں رہ گئی ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ حتیٰ کہ عدت واجب ہونے کے ایک دن یا ایک گھنٹہ بعد بھی ولادت ہو جائے تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا

ہے: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق: ۴) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

اور کتاب الاصل میں مذکور ہے کہ اگر میت تخت غسل پر ہو اور اس کی بیوی کے ہاں ولادت ہو جائے تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی، پھر لکھتے ہیں: عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی، وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق: ۶) تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ آیت مطلقہ کی عدت کے بارے میں ہے یا بیوہ کی عدت کے بارے میں؟ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دونوں کے بارے میں ہے، اور سبیعہ بنت الحارث نے روایت کیا ہے کہ ان کے شوہر کی موت کے بیس اور کچھ دنوں کے بعد ان کو نکاح کرنے کی اجازت دے دی۔ (بخاری، مسلم)

نیز عدت سے مقصود یہ ہے کہ برأت رحم واضح ہو جائے اور تین حیض گزر جانے سے بھی برأت رحم واضح ہوتی ہے اور وضع حمل سے اس سے بھی زیادہ برأت رحم واضح ہوتی ہے، پس وضع حمل سے عدت کا پورا ہونا مہینوں کی بہ نسبت زیادہ واضح ہے اور قرآن مجید کی اس آیت میں عموم ہے۔ (بدائع الصنائع ۴ ص ۴۳۲)

اللہ سے ڈرنے کے فوائد: الطلاق: ۵ میں فرمایا: اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے گناہوں کو مٹا دے گا اور اس کے ثواب کو بڑھا دے گا۔ یعنی اللہ اس کے معاملہ کو آسان بنا دے گا اور اس کو نیک اعمال کی توفیق دے گا۔ عطاء نے کہا: اللہ اس کی دنیا اور آخرت کے معاملات کو آسان کر دے گا اور اللہ کے احکام پر جو شخص عمل کرے گا اور اس کی اطاعت کرنے میں اس سے ڈرتا رہے گا، اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں پر عمل کرے گا، تو وضو کرنے سے اور ایک نماز سے دوسری نماز اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اس سے جو صغیرہ گناہ ہوئے، ان کو مٹا دے گا اور توبہ کرنے سے اس کے کبیرہ گناہوں کو بھی مٹا دے گا اور آخرت میں اس کے کبیرہ گناہوں کو بھی مٹا دے گا۔ (ماخوذ از بیان القرآن)

مطلقہ کی رہائش اور نان ونفقہ

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى{٦} الطلاق.

جواب **ترجمہ:** ان عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق اسی جگہ رہائش مہیا کرو جہاں تم رہتے ہو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے انہیں ستاؤ نہیں، اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان کو اس وقت تک خرچ دیتے رہو جب تک وہ اپنے پیٹ کا بچہ جن لیں۔ پھر اگر وہ تمہارے لیے بچے کو دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت ادا کرو، اور (اجرت مقرر کرنے کے لیے) آپس میں بھلے طریقے سے بات طے کر لیا کرو، اور اگر تم ایک دوسرے کے لیے مشکل پیدا کرو گے تو اسے کوئی اور عورت دودھ پلائے گی۔

اللہ تعالیٰ ان عورتوں کے بارے میں ارشاد فرمارہے ہیں جن کو طلاق دی گئی ہے کہ یہ عدت کہاں گزاریں گی، ان کا خرچ کس کے ذمہ ہے، اور عام عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی کیا صورت ہو گی، ایک حکم واضح طور پر یہ فرمادیا کہ جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہے انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو، ان کی عدت پوری ہونے تک خاوند کے پاس جس قدر گنجائش، قدرت اور وسعت موجود ہے اس کے مطابق انہیں رہائش کے لیے وہاں مکان دو جہاں تم لوگ خود رہتے ہو، اس مکان کے کسی دوسرے حصے میں انہیں رہنے دو۔

اگر کسی عورت کو اس کے خاوند نے طلاق رجعی دی ہے تو اس صورت میں خاوند اور بیوی کے درمیان کسی پردے کی ضرورت نہیں ہے، اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دی، یا تین طلاقیں دے دیں تو اس صورت میں رشتہ ٹوٹ چکا ہے اس عورت کے لیے اپنے سابق شوہر سے پردہ لازم ہے، اس لیے حکم دیا گیا کہ پردہ کے ساتھ اسی مکان میں رہنے دیا جائے جہاں رہ رہی تھی۔

اللہ تعالیٰ حکم دے رہے ہیں کہ عدت کے دنوں میں عورتوں کو پریشان نہ کرو، جن دنوں طلاق دی گئی عورت تمہارے ساتھ رہے تو اسے کسی قسم کا طنز نہ کیا جائے، کوئی طعنہ نہ دیا جائے، کوئی ایسی بات اسے نہ سنائی جائے جس سے اس کا دل پریشان ہو، اسے تکلیف ہو، کوئی ایسی بات نہ کی جائے کہ وہ بھاگ کھڑی ہو، عدت بھی مکمل نہ کر سکے۔

ایک حکم یہ دیا گیا کہ مطلقہ (جسے طلاق دی گئی) عورتیں اگر حمل والیاں ہوں تو خاوند کی ذمہ داری ہے کہ ان پر اس وقت تک خرچ کرتا رہے جب تک کہ بچی بچہ پیدا نہ ہو جائے، اسی قرآنی ارشاد کی روشنی میں امت مسلمہ اس بات پر اتفاق رکھتی ہے کہ بچہ بچی پیدا ہونے تک اس مطلقہ کا نان نفقہ خاوند کے ذمہ واجب ہے۔

اسی طرح جس عورت کو رجعی طلاق دی گئی ہے اور وہ حاملہ نہیں ہے اس کا خرچ عدت بھی خاوند پر واجب ہے، اور وہ عورت جسے طلاق بائن دی گئی یا جس نے خلع وغیرہ کے ذریعہ اپنا نکاح ختم کرا دیا ہو اس کے بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں ان کا نان نفقہ خاوند پر واجب نہیں ہے، جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں ان کا نان نفقہ بھی خاوند کے ذمہ لازم ہے، جس طرح رہائش کا حق خاوند پر ان تمام طلاق یافتہ عورتوں کا لازم ہے اسی طرح نان نفقہ بھی تمام طلاق یافتہ عورتوں کا واجب ہے، اسی آیت مبارکہ سے اس کا استدلال کیا گیا۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ حمل والی عورتوں کا نفقہ عدت تو صراحتہً اس آیت نے واجب قرار دیا ہے اسی لئے اس پر اجماع امت ہے۔ اسی طرح مطلقہ رجعیہ کا چونکہ ابھی تک نکاح ٹوٹا نہیں ہے اس کا نفقہ بھی باتفاق واجب ہے مطلقہ بائنہ یا ثلثہ وغیرہ کے معاملہ میں فقہاء امت کا اختلاف ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا بھی نفقہ واجب ہے۔

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ: یعنی مطلقہ عورتیں اگر حاملہ ہوں اور پھر حمل سے بچہ پیدا ہو گیا تو ان کی عدت تو وضع حمل کی وجہ سے پوری ہو گئی اس لئے ان کا نفقہ تو شوہر پر لازم نہیں رہا مگر جو

بچہ پیدا ہوا ہے اگر یہ مطلقہ ماں اس کو دودھ پلائے تو دودھ پلانے کا معاوضہ لینا اور دینا جائز ہے۔ (معارف القرآن)

جب بچہ بچی پیدا ہو جائے تو اب اسے دودھ پلانے کا مرحلہ آتا ہے، جب تک عورت خاوند کے نکاح میں ہے تب تک تو ازروئے شریعت ماں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچے بچی کو دودھ پلائے، جیسے قرآن کریم میں صاف ارشاد موجود ہے کہ مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں، جب قرآن نے دودھ پلانے کی ذمہ داری عورت پر ڈال دی ہے تو اس کا معاوضہ لینا اخلاقی اور دینی لحاظ سے مناسب بھی نہیں ہے اور ایسا کرنے کو رشوت بتایا گیا ہے اور رشوت لینے دینے والے کے بارے میں شریعت میں سخت وعید آئی ہے۔

عدت کے دنوں میں بھی عورت کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے بچے کو دودھ پلائے، کیونکہ عدت کا زمانہ نکاح کے حکم میں ہی ہے، اس دوران چونکہ خاوند کے ذمہ لازم کیا گیا کہ مطلقہ کا نان نفقہ اور رہائش طلاق دینے والے کے ذمہ واجب ہے، جب بچہ بچی پیدا ہو گئی تو اب خاوند کی ذمہ داری ختم ہو گئی، مطلقہ کا نان نفقہ اور رہائش اس کے ذمہ واجب نہ رہی اس صورت میں اگر عورت اس بچے بچی کو دودھ پلائے گی تو سورۃ الطلاق کی اس آیت کریمہ کی روشنی میں وہ اس کی اجرت لینے کی مجاز ہو گی۔

آیت کے اگلے حصے میں دونوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ بچے بچی کو دودھ پلانے کی صورت میں دونوں کے درمیان کوئی تلخی اور نزاع کی صورت پیدا نہیں ہونا چاہیے بلکہ دونوں ایک دوسرے کی باہمی رضامندی سے اجرت طے کر لیں، جو بھی اجرت خوش اسلوبی سے طے ہو جائے اس کی ادائیگی خاوند پر لازم ہے۔ اگر باہمی رضامندی نہیں ہوتی، عورت اپنے بچے بچی کو دودھ پلانے پر راضی نہیں ہوتی تو ایسی صورت میں خاوند کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچے بچی کو دودھ پلانے والی کا اہتمام کرے۔

حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر دودھ پلانے کا معاملہ باہمی مشورہ سے طے نہ ہو پائے یا مطلقہ عورت اگر اپنے بچہ کو معاوضہ لے کر بھی دودھ پلانے سے انکار کر دے تو اس کو قضاءً مجبور نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ ماں کی شفقت بچے پر سب سے زیادہ ہونے کے باوجود جب

انکار کر رہی ہے تو کوئی واقعی عذر ہو گا لیکن اگر فی الواقع اس کو عذر نہیں محض غصہ و ناراضی کی وجہ سے انکار کرتی ہے تو عند اللہ وہ گنہگار ہو گی مگر قاضی کی عدالت اس کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کریگی۔

اسی طرح اگر شوہر کو دودھ پلانے کی اجرت دینے کی بوجہ افلاس کے قدرت نہیں اور کوئی دوسری عورت بلا معاوضہ یا اس معاوضہ سے کم پر دودھ پلانے کو تیار ہو جو معاوضہ مطلقہ ماں مانگتی ہے تو شوہر کو مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ ماں کا مطالبہ منظور کر کے اسی سے دودھ پلوائے بلکہ دونوں صورتوں میں دوسری عورت سے اس کو دودھ پلوایا جاسکتا ہے۔ ہاں اگر دوسری دودھ پلانے والی عورت بھی اتنا ہی معاوضہ طلب کرے جتنا ماں کر رہی ہے تو شوہر کے لئے باتفاق فقہاء جائز نہیں کہ ماں کو چھوڑ کر دوسری عورت سے اسی معاوضہ پر دودھ پلوائے۔ (معارف القرآن)

مسئلہ: اگر دوسری عورت سے دودھ پلوانا طے ہو جائے تو یہ ضروری ہے کہ دودھ پلانے والی عورت اس کی ماں کے پاس رکھ کر دودھ پلائے۔ ماں سے الگ کر کے دودھ پلوانا جائز نہیں کیونکہ حضانت یعنی تربیت اور اپنی نگرانی میں رکھنا از روئے احادیث صحیحہ ماں کا حق ہے اس سے یہ حق سلب کرنا جائز نہیں (مظہری)

نان نفقہ کے اُصول کا تعین

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا {۷} الطلاق

جواب ترجمہ: ہر وسعت رکھنے والا اپنی وسعت کے مطابق نفقہ دے۔ اور جس شخص کے لیے اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہو، تو جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے وہ اسی میں سے نفقہ دے، اللہ نے کسی کو جتنا دیا ہے، اس پر اس سے زیادہ کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ کوئی مشکل ہو تو اللہ اس کے بعد کوئی آسانی بھی پیدا کر دے گا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق (بچہ پر) خرچ کرنا چاہیے اور جس کی آمدنی کم ہو اس کو چاہیے کہ اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں سے (بیوی، بچہ پر) خرچ کرے۔ خدائے تعالیٰ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو دیا ہے، اللہ جلدی تنگی کے بعد فراغت بھی دے دے گا۔

مِّنْ سَعَتِه : یعنی اپنی وسعت کے موافق۔

مسئلہ * غیر مطلقہ بیبیوں کا اور مطلقہ کا نفقہ (اور عدت کا خرچ) کتنا ہونا چاہیے ؟ کیا شرعاً اس کی کوئی مقدار معین ہے یا اس کی کمی بیشی زوجین کے حال پر موقوف ہے یا صرف مرد کی وسعت و تنگ دستی پر نفقہ کی زیادتی و کمی مبنی ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک روایت میں یہی قول آیا ہے اور اسی کو صاحب ہدایہ نے پسند کیا ہے کہ شرعاً کوئی مقدار نفقہ مقرر نہیں بلکہ مرد و عورت کی حالت پر اس کی کمی بیشی موقوف ہے اور محض اجتہاد (تجویز حاکم) پر مبنی ہے اگر دونوں خوشحال ہیں تو مطابق حال مقدار نفقہ زیادہ ہونا چاہیے اور دونوں تنگدست (اور نادار) ہیں تو کم سے کم جتنی مقدار کافی ہو جائے اتنی دی جائے گی اور قاضی نے تنگدستی کے باوجود اگر متوسط مقدار نفقہ تجویز کی ہو یا دونوں متوسط مقدار پر متفق ہو گئے تو کم سے کم دینے کے بعد باقی مقدار بذمہ مرد واجب رہے گی۔ آیت زیر تشریح سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مرد کی مالداری اور ناداری ملحوظ رہنی چاہیے۔ اسی کے مطابق مقدار نفقہ کی متعین کی جائے۔ عورت کی تنگدستی اور فراخ دستی کو تعیین مقدار میں کوئی دخل نہیں ہے۔

عورت نادار ہو اور مرد مال دار تو نفقہ زیادہ تجویز کیا جائے گا۔ **لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ** کا یہی مفہوم ہے اور اگر مرد نادار اور تنگ دست ہو تو جیسی اس کی حالت ہو اسی کے موافق یعنی جتنا وہ

ادا کر سکتا ہو نفقہ مقرر کیا جائے گا اور اس سے آگے کچھ اس کے ذمہ باقی نہیں رہے گا خواہ عورت مالدار ہو یا تنگ حال کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰهَا: (بس جتنی وسعت ہو اتنا نفقہ دیا جائے) اس سے زیادہ واجب نہیں۔ ظاہر روایت میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول آیا ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے ظاہر روایت کے بموجب یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شوہر تنگدست اور بیوی خوشحال ہو تو تنگدستی کے بموجب عورت کا نفقہ ہو گا کیونکہ خوشحال عورت نے جب تنگدست مرد سے برضامندی نکاح کر لیا تو یہی سمجھا جائے گا کہ تنگی پر رضامند ہے اور اگر مرد خوشحال ہے اور عورت تنگدست تو عورت کو مرد کی حالت کے موافق فراخی کے ساتھ خرچ دیا جائے گا۔

شوہر کی حالت کو نفقہ میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے اس کا ثبوت (مذکورہ) آیت قرآنی سے ہو رہا ہے۔ رہا عورت کی حالت کو ملحوظ رکھنا تو اس کا ثبوت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہوتا ہے (آیت قرآنی سے نہیں ہوتا) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ہندہ بنت عتبہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم (میرا شوہر) ابوسفیان بڑا کنجوس آدمی ہے، مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو جائے۔ میں اس کے مال سے اتنا لے لیتی ہوں جس کا اس کو علم بھی نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اتنا لے لیا کر جو تیرے اور تیرے بچوں کے لیے حسب معمول کافی ہو۔ (متفق علیہ)

ایک شبہ: یہ حدیث احاد ہے اور قرآن سے جو حکم ثابت ہے وہ قطعی ہے اور حدیث احاد سے حکم قطعی بدلنا جائز نہیں۔

جواب صاحب ہدایہ نے اس شبہ کا ازالہ اس طرح کیا ہے کہ (ہم نص قرآنی کو حدیث سے نہیں بدلتے بلکہ) ہمارا قول قرآن کے بموجب ہے قرآن نے مرد کو خطاب کر کے بقدر وسعت ادا کرنے کا حکم دیا اور (مالدار، خوشحال عورت اگر مستحق زائد نفقہ کی ہے تو) باقی بذمۂ مرد واجب رہے گا۔ مفاد عبارت قرآنی یہی ہے کہ نفقہ دینے میں مرد کی حالت کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ ہم کہتے ہیں یہ بات اپنی

جگہ درست ہے لیکن اس سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ عورت کی حالت کا اعتبار نہ کیا جائے اور مرد کی حالت کے موافق نفقہ دے دیا جائے اور اس سے زائد مرد کے ذمے کچھ باقی نہ رہے، قرآن مجید نے مرد کو کم یا زیادہ نفقہ کا ذمہ دار قرار دیا ہے اور حدیث نے عورت کے حال کے بموجب نفقہ کو واجب کہا ہے، لیکن مرد کے تنگ دست اور عورت کے خوشحال ہونے کی صورت میں نفقہ کی ادائیگی مرد کے حال کے موافق ہوگی اور باقی مرد کے ذمہ رہے گا۔ اس طرح عورت کے حق کی نفی نہیں ہوگی اور مرد وسعت سے زائد نفقہ دینے کا مکلف نہیں قرار پائے گا۔

یہ جواب قابل اعتراض ہے۔ رسول اللہ ﷺ واقف تھے کہ ابوسفیان مالدار آدمی ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے اس کی صراحت نہیں فرمائی اور عورت کو بقدر کفایت لینے کی اجازت دے دی پھر عورت کے لحاظ کو قابل لحاظ نہیں قرار دیا کیونکہ قدر کفایت کے درجات مختلف ہیں، مقدار کفایت محدود نہیں۔ اس کے علاوہ حدیث میں جو بالمعروف کا لفظ آیا ہے اس سے ابوسفیان کی حالت کے اعتبار کی طرف اشارہ ہے، ابوسفیان کے مال میں سے بقدر کفایت لے لینا اسی وقت ممکن تھا جب ابوسفیان مالدار ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان کے پاس مال تھا مگر کنجوسی کی وجہ سے بقدر کفایت نہیں دیتے تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نفقہ کی مقدار شرعی ہے (اجتہاد، قاضی اور اختلاف حالات کے تابع نہیں ہے) مرد کا حال ہی ملحوظ رکھا جائے گا۔ آیت میں اسی کی صراحت ہے، مالدار مرد ہو تو دو مد (دو سیر) تنگدست ہو تو ایک مد اور درمیانی حالت ہو تو ڈیڑھ مد (غلہ) دیا جائے گا (یہ مقدار یومیہ ہے) آیت میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی کوئی دلیل نہیں، نہ یہ مقدار نفقہ آیت میں مذکور ہے۔

مسئلہ: اگر عورت خدمت گار کی ضرورت مند ہے تو مالدار مرد پر خدمت کے لیے کسی خادم کا مقرر کرنا لازم ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تنگ دست شخص پر بھی خادم کا نفقہ واجب ہے (یعنی اگر بیوی

ضرورت مند ہے تو اس کے لیے خادم فراہم کرنا اور خادم کی خدمت کا معاوضہ دینا مرد پر لازم ہے، مرد فراخ دست ہو یا نہ ہو)۔

اگر عورت کو ایک سے زیادہ خادموں کی ضرورت ہو تو کیا کیا جائے؟ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف ایک خادم دینا مرد پر واجب ہے (ایک سے زیادہ خدام کی فراہمی اور نفقہ واجب نہیں)۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ دو یا تین خادموں کی عورت کو ضرورت ہو تو مرد پر ان کا نفقہ لازم ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: زیادہ سے زیادہ دو خادموں کا نفقہ دینا واجب ہے۔ ایک خادم گھر کے اندر کام کرنے کے لیے اور ایک خادم باہر کے کام کے لیے۔

اس سے اگلے جملہ میں اللہ تعالیٰ نے تنگدست مردوں کی دلجوئی کیلئے فراخ دست اور خوشحال بنانے کا وعدہ فرمایا اور ارشاد فرمایا :

سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا: یعنی جلد یا بدیر اللہ تنگی کے بعد فراخی عطا فرمادے گا۔ (مظہری)

مولانا عاشق الٰہی رحمۃ اللہ آیت کے آخری حصہ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ لہٰذا کوئی خرچ کرنے والا راہ خیر میں خرچ کرنے سے پہلو تہی نہ کرے اور مالیات کے سلسلہ میں جو فرائض و واجبات ہیں ان میں خرچ کرے اور یہ نہ سوچے کہ اس کو خرچ کر دوں گا تو اور کہاں سے آئے گا۔ عموماً فقہاء کے کلام میں مطلقہ عورت کے لیے زمانہ عدت کا نان و نفقہ اور سکنیٰ یعنی رہائش کا گھر دینے کا ذکر ہے کسوۃ یعنی پہننے کے کپڑے دینے کا ذکر نہیں ہے۔

صاحب البحر الرائق نے اس پر توجہ فرمائی ہے اور لکھا ہے کہ ذخیرہ اور خانیہ اور عنایہ اور مجتبیٰ میں پوشاک کے مستحق ہونے کا بھی ذکر ہے۔ پھر لکھا ہے کہ اس کا تعلق حاجت اور ضرورت سے ہے اگر عورت کے پاس پہننے کے لیے کپڑے ہیں اور مدت بھی مختصر ہے مثلاً تین حیض یا تین ماہ ہیں تو کپڑے کا انتظام کرنا واجب نہیں اور اگر اسے کپڑوں کی ضرورت پڑ گئی اور عدت کی مدت لمبی ہو گئی مثلاً حیض نہیں آتا جس کی وجہ سے طہر میں امتداد ہو گیا تو قاضی کپڑے بھی دلائے گا۔

وَلَمْ يَذْكُرِ الْكِسْوَةَ، وَالْمَنْقُولُ فِي الذَّخِيرَةِ وَالْخَانِيَّةِ وَالْعِنَايَةِ وَالْمُجْتَبَى أَنَّ الْمُعْتَدَّةَ تَسْتَحِقُّ الْكِسْوَةَ قَالُوا وَإِنَّمَا لَمْ يَذْكُرْهَا مُحَمَّدٌ فِي الْكِتَابِ؛ لِأَنَّ الْعِدَّةَ لَا تَطُولُ غَالِبًا فَتَسْتَغْنِي عَنْهَا حَتَّى لَوْ احْتَاجَتْ إلَيْهَا يُفْرَضُ لَهَا ذٰلِكَ اهـ. فَظَهَرَ بِهٰذَا أَنَّ كِسْوَةَ الْمُعْتَدَّةِ عَلَى التَّفْصِيلِ إذَا اسْتَغْنَتْ عَنْهَا لِقِصَرِ الْمُدَّةِ كَمَا إذَا كَانَتْ عِدَّتُهَا بِالْحَيْضِ وَحَاضَتْ أَوْ بِالْأَشْهُرِ فَإِنَّهُ لَا كِسْوَةَ لَهَا وَإِنْ احْتَاجَتْ إلَيْهَا لِطُولِ الْمُدَّةِ كَمَا إذَا كَانَتْ مُمْتَدَّةَ الطُّهْرِ وَلَمْ تَحِضْ فَإِنَّ الْقَاضِيَ يَفْرِضُ لَهَا، وَهٰذَا هُوَ الَّذِي حَرَّرَهُ الطَّرَسُوسِيُّ فِي أَنْفَعِ الْوَسَائِلِ وَهُوَ تَحْرِيرٌ حَسَنٌ مَفْهُومُهُ مِنْ كَلَامِهِمْ (البحر الرائق)

کپڑے کا یہاں ذکر نہیں ہے، ذخیرہ، خانیہ، عنایہ اور مجتبیٰ (کتابوں کے نام) میں ہے کہ معتدہ (جو عورت عدت گزار رہی ہے) کپڑے کی مستحق ہو گی، حضرت امام محمد نے اسے اپنی کتاب میں ذکر نہیں فرمایا ہے، کیونکہ اکثر عدت کی مدت لمبی نہیں ہوتی، اس لیے کسوہ (کپڑے سے مستغنی ہو گی، اگر اسے کپڑے کی ضرورت ہے تو اسے مہیا کیا جائے گا، یہ بات یہاں سے ظاہر ہے، کیونکہ معتدہ کے کپڑے کی تفصیل ہے کہ اگر معتدہ کی مدت عدت تھوڑی ہے، جب اس کی عدت حیض کے ساتھ ہو اور وہ حائضہ ہو گئی یا اس کی عدت مہینوں سے ہو تو اس صورت میں اس کے لیے کپڑا نہیں ہو گا، اور اگر اسے کپڑے کی ضرورت ہو بوجہ مدت عدت دراز ہونے کے، جیسے اس کی مدت طہر لمبی ہو گئی اور اسے حیض نہ آیا تو قاضی اس کے کپڑے کا حکم دے گا، اور یہ وہ بات ہے جسے طرطوسی نے انفع الوسائل میں لکھا ہے اور وہ بہت اچھی تحریر ہے، جس کا مفہوم ان کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ اس آیت کے آخری حصہ کے ذیل میں لکھتے ہیں اس آیت میں ایسے شوہروں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراخی ملنے کی طرف اشارہ ہے جو مقدور پھر نفقات واجبہ پورا کرنے کی کوشش میں رہیں۔ بیوی کو تنگ رکھنے کی عادت نہ ہو۔ (روح المعانی) واللہ اعلم

تین مختلف آدمی: طبرانی کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص کے پاس دس دینار تھے اس نے ان میں سے ایک اللہ کی راہ میں صدقہ کیا، دوسرے کے پاس دس اوقیہ تھے اس نے ان میں سے ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم خرچ کئے۔ تیسرے کے پاس سو اوقیہ تھے جس میں سے اس نے اللہ کے نام پر دس اوقیہ خرچ کئے تو یہ سب اجر میں خدا کے نزدیک برابر ہیں اس لیے کہ ہر ایک نے اپنے مال کا دسواں حصہ فی سبیل اللہ دیا ہے۔ (معجم طبرانی)

امام قرطبی رحمۃ اللہ اپنی تفسیر میں اس مقام پر لکھتے ہیں کہ رُوِیَ أَنَّ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَرَضَ لِلْمَنْفُوسِ مِائَۃَ دِرْھَمٍ، وَفَرَضَ لَہُ عُثْمَانُ خَمْسِینَ دِرْھَمًا روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بچے کے لئے سو درہم معین کئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پچاس درہم معین کئے۔

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وَاحْتَمَلَ أَنْ یَکُونَ ھَذَا الِاخْتِلَافُ بِحَسَبِ اخْتِلَافِ السِّنِینَ أَوْ بِحَسَبِ حَالِ الْقَدْرِ فِی التَّسْعِیرِ لِثَمَنِ الْقُوتِ وَالْمَلْبَسِ، یہ احتمال موجود ہے کہ یہ اختلاف سالوں کے مختلف ہونے یا خوراک اور لباس کے بھاؤ کے مختلف ہونے کی بنا پر ہو۔

محمد بن ہلالی مزنی رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے والد اور میری دادی نے بیان کیا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے میری دادی کو نہ پایا تو آپ نے اپنے گھر والوں سے پوچھا: کیا وجہ ہے میں فلانہ کو نہیں دیکھتا؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیوی نے عرض کی: اے امیر المومنین! ان کے ہاں آج رات بچہ پیدا ہوا ہے۔ فَبَعَثَ إِلَیْھَا بِخَمْسِینَ دِرْھَمًا وَشُقَیْقَۃً سُنْبُلَانِیَّۃً آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف پچاس درہم بھیجے اور سنبلانیہ کپڑے بھیجے۔ پھر فرمایا: ھٰذَا عَطَاءُ ابْنِکِ وَھٰذِہٖ کِسْوَتُہُ یہ تیرے بیٹے کا عطیہ ہے اور یہ اس کا لباس ہے۔ جب اس کی عمر ایک سال ہو جائے گی تو ہم اسے ایک سو تک بڑھا دیں گے۔ (تفسیر قرطبی)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک منبوذ (وہ بچہ یا بچی جسے اس کی ماں نے جنم دینے کے بعد کسی راستے پر پھینک دیا ہو) پیش کیا گیا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے ایک سو درہم وظیفہ

معین فرمادیا۔

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، هٰذَا الْفَرْضُ قَبْلَ الْفِطَامِ مِمَّا اخْتَلَفَ فِيهِ الْعُلَمَاءُ، فَمِنْهُمْ مَنْ رَآهُ مُسْتَحَبًّا لِأَنَّهُ دَاخِلٌ فِي حُكْمِ الْآيَةِ، وَمِنْهُمْ مَنْ رَآهُ وَاجِبًا لِمَا تَجَدَّدَ مِنْ حَاجَتِهِ وَعَرَضَ مِنْ مُؤْنَتِهِ، علماء نے جس میں اختلاف کیا وہ یہ ہے کہ یہ وظیفہ دودھ چھڑانے سے پہلے کا ہے۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اسے مستحب جانا ہے کیونکہ یہ آیت کے حکم میں داخل ہے۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اسے واجب قرار دیا ہے کیونکہ حاجت نئی پیدا ہوتی رہتی ہے اور ضروریات پیش آتی رہتی ہیں۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ یہ سارے ارشادات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ وَبِهِ أَقُولُ. وَلَكِنْ يَخْتَلِفُ قَدْرُهُ بِحَالِهِ عِنْدَ الْوِلَادَةِ وَبِحَالِهِ عِنْدَ الْفِطَامِ، میں بھی یہی کہتا ہوں: جب وہ بچہ پیدا ہوتا ہے اور جب اس کا دودھ چھڑایا جاتا ہے اس کی ضرورت مختلف ہوتی ہے۔ سفیان بن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مد ایک ہاتھ میں، ایک قسط ایک ہاتھ میں لیا۔ فرمایا: إِنِّي فَرَضْتُ لِكُلِّ نَفْسٍ مُسْلِمَةٍ فِي كُلِّ شَهْرٍ مُدَّيْ حِنْطَةٍ وَقِسْطَيْ خَلٍّ وَقِسْطَيْ زَيْتٍ، میں نے ہر مسلمان نفس کے لئے ہر ماہ میں دو مد گندم، دو قسط سرکے اور دو قسط تیل کے مقرر کئے ہیں۔ ایک راوی نے اضافہ کیا ہے۔ کہا: إِنَّا قَدْ أَجْرَيْنَا لَكُمْ أَعْطِيَاتِكُمْ وَأَرْزَاقَكُمْ فِي كُلِّ شَهْرٍ، فَمَنِ انْتَقَصَهَا فَعَلَ اللّٰهُ بِهِ كَذَا وَ كَذَا، فَدَعَا عَلَيْهِ، ہم نے تمہارے لئے ہر ماہ میں تمہارے عطیات اور ارزاق جاری کر دیئے ہیں جس نے ان میں کمی کی، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ یہ معاملہ فرمائے گا۔ ایسے آدمی کے حق میں بد دعا فرمائی۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: كَمْ سُنَّةٌ رَاشِدَةٌ مَهْدِيَّةٌ قَدْ سَنَّهَا عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، کتنی ہی اچھی ہدایت والی سنتیں ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں جاری فرمائی ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

مد اور قسط کھانے اور سالن میں دو شامی کیل (پیمانہ) ہیں۔ اس میں ہمارے نزدیک اندازہ یہ ہے کہ کھانے میں چوتھائی اور ادام (سالن) دو آٹھویں حصے۔ جہاں تک لباس کا تعلق ہے تو یہ عادت کے مطابق ہے۔ قمیص، پاجامہ، موسم سرما میں جبہ، بڑی چادر، تہبند اور چٹائی۔ یہ اصل ہے احوال اور عادت کے مطابق اس میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ (قرطبی)

سزا اور جزا

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا {۸} فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۚ {۹} اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا {۱۰} رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا {۱۱} الطلاق

جواب ترجمہ: اور کتنی ہی بستیاں ایسی ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرکشی کی تو ہم نے ان کا سخت حساب لیا، اور انہیں سزا دی، ایسی بری سزا جو انہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا، اور ان کے اعمال کا آخری انجام نقصان ہی نقصان ہوا۔ (اور آخرت میں) ہم نے ان کے لیے ایک سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ لہٰذا اے عقل والو جو ایمان لے آئے ہو، اللہ سے ڈرتے رہو۔

اللہ نے تمہارے پاس ایک سراپا نصیحت بھیجی ہے۔ یعنی وہ رسول جو تمہارے سامنے روشنی دینے والی اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں، تاکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے

ہیں ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے، اور نیک عمل کرے، اللہ اس کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں جنتی لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ نے ایسے شخص کے لیے بہترین رزق طے کر دیا ہے۔

طلاق، عدت، نان نفقہ، عورت کی رہائش وغیرہ کے احکامات بیان کرنے کے بعد فرمایا جارہا ہے یہ وہ احکامات ہیں جن پر پوری سنجیدگی سے عمل کرنا سب اہل ایمان کی ذمہ داری ہے۔ ان حقوق کے ادا کرنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اگر اللہ کے احکامات کو نظر انداز کر کے ان سے منہ پھیرا گیا تو انہیں اپنے سے پہلے گزری ہوئی نافرمان قوموں کے عبرت ناک انجام کو اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔

جب اللہ نے ان قوموں کی اصلاح کے لئے اپنے پیغمبروں کو بھیجا تو انہوں نے ان کی اطاعت کے بجائے ان کو جھٹلایا، ان کی نافرمانی کی اور اللہ کے احکامات کی پروا نہیں کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا اور ان قوموں کو اس طرح صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا کہ ان کی زندگیاں اور ان کا بنایا ہوا معاشرہ، تہذیب و تمدن اور بلند و بالا عمارتیں کھنڈر بن گئیں۔ یہ تو ان پر دنیا کے اعتبار سے عذاب تھا آخرت میں ان کا کتنا بھیانک انجام ہے اس کا اس دنیا میں رہتے ہوئے تصور بھی ممکن نہیں ہے۔

فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی اور آخری رسول حضرت محمد ﷺ کو تمہاری ہدایت و رہبری کے لئے بھیجا ہے جن کے ساتھ وہ عظیم کتاب ہے جسے وہ نہایت وضاحت سے پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں تاکہ ان پر ایمان لانے والوں کو زندگی کے اندھیروں سے نکال کر اس حقیقی روشنی میں لے آئیں جس سے ان کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی۔ فرمایا کہ جو بھی ان پر ایمان لا کر عمل صالح کی زندگی اختیار کرے گا تو اللہ اس کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جس میں ہر طرف سرسبزی و شادابی، بہتی نہریں، اعلیٰ ترین رزق اور ہمیشہ کی زندگی عطا کی جائے گی۔ (بصیرت قرآن)

شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور کتنی ہی بستیاں تھیں، عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا، جنہوں نے نافرمانی کی اپنے رب کے حکم کی، بستیوں میں رہنے والوں نے اللہ کے احکام کی نافرمانی کی، وَرُسُلِهِ، اور اس کے رسولوں کے حکم کی۔ اللہ نے جو پیغمبر ان کی طرف بھیجے تھے ان کے احکام کی بھی نافرمانی کی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی، حضرت ہود علیہ السلام کی، حضرت صالح علیہ السلام کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی، حضرت لوط علیہ السلام کی، حضرت شعیب علیہ السلام کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام، ان قوموں کا ذکر قرآن پاک میں ہے، انہوں نے رب تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کی، پیغمبروں کے احکام کی مخالفت کی۔ (ذخیرہ الجنان)

فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا: پس ہم نے ان بستیوں کا حساب لیا بڑا سخت حساب۔ کسی کو طوفان میں غرق کیا، کسی کو زلزلے میں تباہ کیا، کسی پر آسمان سے پتھر برسائے، کسی کو زمین میں دھنسا دیا مختلف شکلوں کے عذاب ان پر مسلط کیے۔ (ذخیرۃ الجنان)

وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُكْرًا: اور ہم نے ان کو سزا دی نرالی سزا، جو عذاب ایک قوم پر آیا دوسری پر نہیں آیا اور جو دوسری پر آیا تیسری پر نہیں آیا، رب تعالیٰ کی قدرت بڑی وسیع ہے اس نے نافرمانوں کو مختلف قسم کے عذابوں کے شکنجوں میں کسا۔ (ذخیرۃ الجنان)

فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا: پس چکھا انہوں نے اپنے معاملے کا وبال، جب ان کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرایا جاتا تھا تو ٹھٹھا کرتے تھے۔ جب اللہ کی گرفت آئی تو واویلا شروع کر دیا، إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِينَ، (الانبیاء ۴۶) بیشک ہم ظالم تھے وہ فرعون جو پہلے منہ بھر کہتا تھا، أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى، میں رب اعلیٰ ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے بحر قلزم میں ڈبو دیا اور پانی میں غوطے کھانے لگا تو کہا، آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ، (یونس ۹۰) میں ایمان لایا ہوں کہ بیشک نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں بھی فرماں برداروں میں سے ہوں۔ رب تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی۔ آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ، اب یہ کہتے ہو اور تحقیق تم نافرمانی کرتے تھے پہلے، اب ایمان لانے کا وقت نہیں اب تو بھگتنے کا وقت ہے، تو

فرعون نے بڑا واویلا، کیا مگر اس کے کام نہ آیا۔

تو فرمایا چکھا انہوں نے اپنے معاملے کا وبال وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا، اور تھا ان کے معاملے کا انجام خسارہ، انہوں نے نقصان ہی اٹھایا، یہ تو دنیا کا عذاب تھا آگے جو عذاب آنا ہے وہ بھی سن لو، فرمایا، أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا، تیار کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب۔ برزخ قبر کی سزا، الگ ہے، قیامت قائم ہونے کے بعد محشر کی سزا الگ ہے، پل صراط سے گزرنے کی سزا الگ ہے۔ دوزخ کا عذاب الگ ہے یہ سب سزائیں نافرمانوں نے بھگتنی ہیں۔ (ذخیرہ الجنان)

تم نے ہمارے احکام بھی سنے ہیں، اور نافرمانی کا انجام بھی سنا ہے کہ جن قوموں نے نافرمانی کی ان کا کیا انجام ہوا۔ لہٰذا فَاتَّقُوا اللَّهَ، پس ڈرو تم اللہ کے عذاب سے، اور اس کی گرفت سے ڈرو اور، يَا أُولِي الْأَلْبَابِ، اے عقل مندو! دنیا تو شاید عقل مند اسے کہے جو زُہرہ ستارے تک پہنچ جائے، فضا میں اُڑتا پھرے، کئی مہینے خلا میں رہے، سمندر کی تہہ میں کئی مہینے گزارے، مہلک قسم کے ہتھیار تیار کرے، اللہ تعالیٰ نے عقل مندوں کی تفسیر بڑے اختصار کے ساتھ کی ہے، فرمایا الَّذِينَ آمَنُوا، جو ایمان لائے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عقل مند وہ ہیں جو ایمان لائے ہیں (ذخیرہ)

دوسری جگہ قرآن کریم نے عقل مندوں کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں کہ عقل مند وہ ہیں جو رب کی یاد میں رطب اللسان رہتے ہیں، جو حالت قیام میں اس کے سامنے ہوتے ہیں، جو بیٹھے ہوئے اسے یاد کرتے ہیں، عقل مند وہ ہیں جو اپنے پہلوؤں کے بل اپنے پروردگار کو یاد کرتے ہیں، عقل مند وہ ہیں جو رب تعالیٰ کی کاریگری، صناعی اور تخلیق پر خوب غور و فکر کرتے ہیں، پھر پکار اٹھتے ہیں کہ پروردگار عالم! یہ سب کچھ تو نے ویسے ہی نہیں بنایا، وہ پکار اٹھتے ہیں کہ پروردگار! تیری ذات، تیری ہستی پاک ہے۔

عقل مند وہ لوگ ہیں جو اس بات پر ایمان و ایقان رکھتے ہیں کہ دوزخ میں جانے والا ناکام و نامراد اور رسوا ہو جائے گا، عقل مندوں کا ایمان و ایقان ہے کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہو گا، عقل مند وہ لوگ ہیں جو کوہ فاران کو چوٹی پر کھڑے ہو کر صدا لگانے والے اس عظیم منادی کی ندا پر کان دھرتے

ہوئے اقرار کرتے ہیں کہ ہم نے اس منادی کی صدائے ایمانی سنی ہے۔ ہم نے اس عظیم الشان منادی کی دل خوش کن آواز سنی ہے جو ہمیں ایمان لانے کی دعوت دے رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، پھر ہم اس کی خوش کن، ایمان افروز آواز پر لبیک کہتے ہوئے ایمان لائے۔

عقل مندوں کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ اکڑفوں کی بجائے ایک ہی صدا لگائے جاتے ہیں کہ پروردگار! معافی اور بخشش کا پروانہ عطا فرمادے، ہماری خطاؤں، گناہوں اور سیئات پر خط نسخ پھیر دیجیے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارا حشر نشر نیکوکاروں کے ساتھ کر دینا، اے پروردگار! آپ نے اپنے فرستادگان کی زبانوں پر ہم سے جس چیز کا عہد وپیمان کیا ہے وہ عطا فرمادیجیے، اے ہمارے پروردگار! بروز محشر ہمیں رسوائی، روسیائی اور ذلت سے بچالینا، اے پروردگار! آپ کے عہد وپیمان سچے ہوتے ہیں، آپ عہد وپیمان کے خلاف کرنے والے نہیں ہیں۔

ڈاکٹر اسلم صدیقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جن قوموں کی تباہی اور بربادی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ عذاب کی صورت میں ہوئی اوپر کی آیت میں ان کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ جو قومیں اللہ تعالیٰ کے احکام سے سرتابی کرتی ہیں اور رسول کو ماننے سے انکار کرتی ہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ دنیا میں ان پر نازل ہونے والا عذاب ان کی سزا کے لیے کافی ہو جائے گا، نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت میں ان کے لیے عذاب شدید تیار کر رکھا ہے جس کے مقابلے میں دنیا کے عذاب کی کوئی حیثیت نہیں۔

اور یہ دنیوی نامرادی اور آخرت کا عذاب شدید صرف اس وجہ سے ان بدبخت قوموں کا مقدر بنا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے نافرمانی کی، سرکشی کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ کے رسول کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اگر ان کی عقلیں سلامت ہوتیں تو وہ کبھی اس طرح اپنی زندگیاں تباہی کے راستے پر نہ ڈالتے۔ اس لحاظ سے اے مسلمانو! تم یقیناً عقلمندوں اور دانشوروں میں شامل ہو کہ تم نے اپنی عقلوں سے صحیح کام لیا اور تم اللہ تعالیٰ کے رسول پر ایمان لائے۔ یہ ایمان ایک بہت بڑی دولت ہے،

ایک روشنی ہے جس نے تمہیں صحیح راستہ دکھایا۔ لیکن اب تمہارے لیے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، ہر وقت اس سے ڈرتے رہو۔

تمہارے دل میں اس کی نافرمانی کا تصور بھی نہیں آنا چاہیے اور یہ بات ذہن سے کبھی محو نہیں ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک ذکر یعنی ایک نصیحت یا ایک یاددہانی نازل فرمائی ہے۔ اس سے مراد قرآن بھی ہو سکتا ہے اور رسول بھی ہو سکتا ہے کیونکہ بعد میں آنے والا رسول کا لفظ ذکر کا بدل ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہم نے تم پر ایک ایسا ذکر نازل کیا ہے یعنی رسول نازل کیا ہے۔ درحقیقت قرآن اور رسول میں کوئی بُعد نہیں۔ قرآن اگر ذکر ہے تو رسول مذکر ہے۔ اور قرآن کریم نے آپ کو مذکر ہی کہہ کر یاد فرمایا ہے۔ یعنی یاددہانی کرانے والا یا نصیحت کرنے والا۔

اس لحاظ سے اگر دونوں لفظوں سے ایک ہی شخصیت مراد لی جائے تو تب بھی صحیح ہے کہ ہم نے تم پر ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ یعنی ہمارے ایسے احکام تم پر واضح کرتا ہے جو نہایت روشن، نہایت واضح اور زندگی میں حقیقی خوشیوں اور حقیقی امن کی ضمانت ہیں۔ تمہارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ان احکام سے کبھی انحراف اختیار نہ کرو۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ تم بھی اس انجام کے راستے پر نہ پڑ جاؤ جس سے معذب قومیں دوچار ہو چکی ہیں۔ ہم نے اپنا رسول بھیج کر تمہیں تاریکیوں سے نکالنے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی پیروی سے انکار، تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والی بات ہے۔ اور اس کا اتباع ایک ایسا روشن راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی جنت کی طرف جاتا ہے۔ (روح القرآن)

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا: ایمان اور عمل صالح دونوں ہی بڑی اہم چیزیں ہیں، جو شخص ایمان لائے اور نیک کام کرے تو اس کے لیے دنیا میں پاکیزہ زندگی کا وعدہ ہے اور آخرت میں نعمت بھری زندگی ملے گی، مگر شرط یہ ہے کہ اعمال صالحہ خالص ہوں، ریاکاری سے پاک ہوں، تصنع اور

تکلف سے پاک ہوں، ایمان اور عمل صالح والا جب ان دو چیزوں سے متصف ہو تو اس میں نشاط پیدا ہو اور دوسرے لوگوں کے لیے ایمان اور عمل صالح کی ترغیب پائی جائے۔

ایمان اور عمل صالح کی بدولت تو انسان کو جو کچھ ملنے والا ہے اس کا اس جہاں میں انسان سوچ ہی سکتا ہے، جو کچھ ایمان واعمال صالحہ کے صلے میں انسان کو آخرت میں ملنے والا ہے اس کا کسی کے دل ودماغ پر خیال بھی نہیں گزرا، کسی آنکھ نے ان چیزوں کو دیکھا تک نہیں ہے، کسی دل پر ان کا خیال تک نہیں گزرا، رب اپنے شایان شان اہل ایمان کو نوازے گا۔

مکارم الاخلاق کی وجہ سے رب تعالیٰ کی طرف سے انسان کے ساتھ عمدہ سلوک کیا جاتا ہے جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! ابو طالب نے آپ کی حفاظت کی، آپ کی مدد ونصرت کی تو کیا اس چیز کا انہیں فائدہ ملے گا؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہاں، اگر میں نہ ہوتا تو ابو طالب جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتا۔ (روح البیان)

اسی طرح ابولہب کو خواب میں دیکھا گیا کہ وہ پیر والے دن اپنے انگوٹھے کا پانی چوس رہا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنی ایک لونڈی کو اس وقت آزاد کر دیا تھا جب اسے نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشخبری دی گئی تھی۔

نبی کریم ﷺ کو جب معراج کرائی گئی تو آپ ﷺ کو حاتم طائی دکھایا گیا، جسے دوزخ کی آگ نے نہیں چھوا تھا، جبریل امین نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے جسے دوزخ نے نہیں چھوا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ حاتم طائی ہے جس کی سخاوت کی وجہ سے اللہ نے دوزخ کا عذاب اس سے پھیر دیا۔ (انیس الوحدۃ وجلیس الخلوۃ) جب ایمان کے بغیر مکارم اخلاق کا صلہ اس طرح ملتا ہے تو ایمان اور اعمال صالحہ پر کیا کچھ ملے گا؟ نمازوں اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر کیا کچھ ملے گا اس کا انسان سوچ ہی سکتا ہے۔ ایمان محققین کے نزدیک تصدیق قلبی کا نام ہے۔ ایمان واعمال صالحہ والے خوش نصیبوں میں سے کچھ ایسے

ہوں گے جو بلا حساب جنت میں جائیں گے، کچھ ایسے ہوں گے جن سے ہلکا پھلکا حساب لیا جائے گا اور انہیں جنت میں بھیج دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے میزبانوں کا اکرام کرے گا، انہیں بیش بہا نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا، ایسی جنت جس میں دودھ، شہد، پانی اور شراب کی نہریں دیکھنے والوں کو حیرت میں گم کر دیں گی، جن کی بدولت ایک طرف جنت کا حسن دوبالا ہو گا اور دوسری طرف ان انہار سے مستفید ہونے والے لطف اندوز ہوں گے۔

جو لوگ جنت میں چلے جائیں گے وہاں سے کہیں نہیں جائیں گے، وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ایک مقام پر اہل ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لیے صراحت کے ساتھ جنت الفردوس کی مہمان نوازی کا ذکر کیا گیا ہے، جہاں اہل جنت ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، وہاں سے کہیں اور نہیں جائیں گے۔

یہاں خالدین کے بعد ابداً کیوں لایا گیا؟ حالانکہ خالدین اور ابداً دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے، اس کی وجہ اہل تفسیر یوں بیان کرتے ہیں کہ ابداً تاکید کے لیے اس لیے یہاں لایا گیا ہے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ ہو سکتا ہے کہ ایک زمانہ تک وہاں رہنے کے بعد بالآخر یہ ٹھہرنا ختم ہو جائے گا، مگر خالدین کے بعد ابداً لا کر یہ بات واضح کر دی کہ جنت میں جانے والے کا یہ ٹھہرنا ختم نہیں ہو گا بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہے گا۔

قَدْ أَحْسَنَ اللّٰهُ لَهُ رِزْقاً: اتنا عمدہ رزق کہ اس کی دوسری کوئی نظیر و مثال ممکن نہیں، بھلا اس سے بڑھ کر رزق اور کیا ہو سکتا ہے کہ انسان کو نعمتوں بھری ان عظیم الشان جنتوں سے سرفرازی نصیب ہو جائے۔ جن کی نعمتوں کے بارے میں صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کیلئے وہ کچھ تیار فرما رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا، اور نہ کسی دل پر اس کا گزر ہی ہوا اور جہاں ان جنتوں کے نیچے سے طرح طرح کی عظیم الشان نہریں بہہ رہی ہوں گی اور جہاں جنت کے ان خوش نصیب باسیوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہنا نصیب ہو گا۔ اللہ نصیب فرمائے اور

محض اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔ آمین یہاں پر اس ارشاد سے اصل مقصد اہل ایمان کی حوصلہ افزائی کرنا ہے کہ ایمان اور عمل صالح کی جس دولت عظیم سے ان کو سرفرازی نصیب ہوئی ہے اور جس کو اپنانے کی دعوت حق تعالیٰ کی طرف سے سب دنیا کو دی جارہی ہے یہ کوئی معمولی چیز نہیں، بلکہ یہ دنیا میں حیات طیبہ (پاکیزہ زندگی) سے بہرہ ور کرنے والی اور آخرت میں ابدی بادشاہی سے سرفراز کرنے والی واحد اور عظیم الشان دولت ہے اس لیے لازم ہے کہ اس کی قدر کی جائے، اسکے تقاضوں کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے۔ (تفسیر مدنی لشیخ اسحاق مدنی رحمۃ اللہ علیہ)

سات آسمان اور سات زمینیں

سوال اس آیت کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا {۱۲} الطلاق

جواب ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے، اور زمین بھی انہی کی طرح، اللہ کا حکم ان کے درمیان اترتا رہتا ہے، تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ اللہ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

فرمایا کہ ساتوں آسمانوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، جیسے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا {أَلَمْ تَرَوا كَيْفَ خَلَقَ اللهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا} (نُوحٍ: ۱۵) کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ پاک نے ساتوں آسمانوں کو کس طرح اوپر تلے پیدا کیا ہے؟

دوسری جگہ ارشاد ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں {تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ} (الإِسْرَاءِ: ۴۴) ساتوں آسمان اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے سب اس اللہ کی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ زمینوں کے بارے میں فرماتا ہے {وَمِنَ الأَرْضِ مِثْلَهُنَّ} اسی کے مثل زمینیں ہیں۔

رحمت دوعالم ﷺ نے بھی زمینوں کے بارے میں ایک ارشاد فرمایا، جس سے زمینوں کی ساخت اور بناوٹ کا اندازہ ہوتا ہے، ارشاد فرمایا مَنْ ظَلَمَ قِيدَ شِبْرٍ مِّنَ الْأَرْضِ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ (بخاری و مسلم) جو شخص ظلم کر کے کسی کی ایک بالشت بھر زمین لے لے گا اسے ساتوں زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔

بخاری شریف کی روایت میں تو ایک اور حیرت انگیز ارشاد موجود ہے، فرمایا خُسِفَ بِهِ إِلَى سَبْعِ أَرَضِينَ (بخاری) اسے ساتویں زمین تک دھنسایا جائے گا۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہفت اقلیم ہے انہوں نے بے فائدہ دوڑ بھاگ کی ہے اور اختلاف بے جا میں پھنس گئے ہیں اور بلا دلیل قرآن حدیث کا صریح خلاف کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حدیث شریف میں ان آسمانوں اور زمینوں کا تذکرہ کچھ یوں فرمایا گیا کہ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَمَا فِيهِنَّ وَمَا بَيْنَهُنَّ وَالْأَرَضُونَ السَّبْعُ وَمَا فِيهِنَّ وَمَا بَيْنَهُنَّ فِي الْكُرْسِيِّ إِلَّا كَحَلْقَةٍ مُلْقَاةٍ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ، ساتوں آسمان اور جو کچھ ان میں اور ان کے درمیان ہے اور ساتوں زمینیں اور جو کچھ ان میں اور ان کے درمیان ہے کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے کسی لمبے چوڑے بہت بڑے چٹیل میدان میں ایک چھلا پڑا ہو۔

حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الاسماء والصفات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جسے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں نقل فرمایا کہ {اللهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الأَرْضِ مِثْلَهُنَّ} قَالَ سَبْعُ أَرَضِينَ فِي كُلِّ أَرْضٍ نَبِيٌّ كَنَبِيِّكُمْ وَآدَمُ كَآدَمَ وَنُوحٌ كَنُوحٍ وَإِبْرَاهِيمُ كَإِبْرَاهِيمَ وَعِيسَى كَعِيسَى (الاسماء والصفات للبیہقی، ابن کثیر) ساتوں زمینوں میں سے ہر ایک میں نبی ہے مثل تمہارے نبی کے اور آدم ہیں مثل آدم کے اور نوح ہیں مثل نوح کے اور ابراہیم ہیں مثل ابراہیم کے اور عیسیٰ ہیں مثل عیسیٰ کے۔

امام بیہقی نے اپنی کتاب الاسماء والصفات میں یہ روایت نقل فرمانے کے بعد فرمایا کہ اس کی اسناد صحیح ہیں، لیکن یہ مرہ کی وجہ سے شاذ ہے کیونکہ ابوالضحیٰ جو اس کے ایک راوی ہیں میرے علم میں تو ان کی متابعت مرہ راوی نہیں کرتا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرسل اور بہت ہی منکر روایت ابن ابی الدنیا اپنی کتاب التکفر والاعتبار میں لائے ہیں جس میں مروی ہے عثمان بن ابی دہرس فرماتے ہیں کہ بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْتَهَى إِلَى أَصْحَابِهِ وَهُمْ سُكُوتٌ لَا يَتَكَلَّمُونَ فَقَالَ: مَا لَكُم لَا تَتَكَلَّمُونَ؟ فَقَالَ: وَانتَفَكَّرُ فِي خَلْقِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ فَكَذٰلِكَ فَافْعَلُوا تَفَكَّرُوا فِي خَلْقِ اللهِ وَلَا تَتَفَكَّرُوا فِيهِ فَإِنَّ بِهٰذَا الْمَغْرِبِ أَرْضًا بَيْضَاءَ نُورُهَا سَاحَتُهَا أَوْ قَالَ سَاحَتُهَا نُورُهَا مَسِيرَةَ الشَّمْسِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا بِهَا خلقٌ اللهُ تَعَالَى لَمْ يعصُوا اللهَ طَرفَةَ عَيْنٍ قَطُّ قَالُوا فَأَيْنَ الشَّيْطَانُ عَنْهُمْ؟ قَالَ مَا يَدْرُونَ خُلِقَ الشَّيْطَانُ أَمْ لَمْ يُخْلَقْ؟ قَالُوا أَمِنْ وَلَدِ آدَمَ؟ قَالَ لَا يَدْرُونَ خُلِقَ آدَمُ أَمْ لَمْ يُخْلَقْ؟

مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صحابہ کے مجمع میں تشریف لائے دیکھا کہ سب کسی غور و فکر میں چپ چاپ ہیں، پوچھا کیا بات ہے؟ جواب ملا اللہ کی مخلوق کے بارے میں سوچ رہے ہیں فرمایا ٹھیک ہے مخلوقات پر نظریں دوڑاؤ لیکن کہیں اللہ کے بارے میں غور و خوض میں نہ پڑ جانا، سنو اس مغرب کی طرف ایک سفید زمین ہے اس کی سفیدی اس کا نور ہے یا فرمایا اس کا نور اس کی سفیدی ہے سورج کا راستہ چالیس دن کا ہے وہاں اللہ کی ایک مخلوق ہے جس نے ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی کبھی اس کی نافرمانی نہیں کی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا پھر شیطان ان سے کہاں ہے؟ فرمایا انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ شیطان پیدا بھی کیا گیا ہے یا نہیں؟ پوچھا کیا وہ بھی انسان ہیں؟ فرمایا انہیں حضرت آدم کی پیدائش کا بھی علم نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

علامہ جابر بن موسیٰ بن عبد القادر بن جابر ابو بکر الجزائری فرماتے ہیں، یہاں مِثلُھنَّ سے مراد یہ ہے کہ سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہیں، جس طرح آسمان ایک دوسرے کے اوپر ہیں، اسی طرح زمینیں بھی ایک دوسرے کے اوپر ہیں، یہ معبود برحق ہی ہے جس نے اوپر تلے آسمانوں کو پیدا کیا، زمینوں کو اوپر تلے پیدا کیا، اس کے سوا کوئی پروردگار نہیں۔ (ایسر التفاسیر)

ابو حیان محمد بن یوسف اثیر الدین الاندلسی فرماتے ہیں وَقَالَ أَبُو صَالِحٍ: إِنَّهَا سَبْعُ أَرَضِينَ مُنْبَسِطَةٌ، لَيْسَ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ، تَفْرِقُ بَيْنَهَا الْبِحَارُ، وَتُظِلُّ جَمِيعَهَا السَّمَاءُ. (البحر المحیط) ابو صالح فرماتے ہیں کہ یہ سات زمینیں پھیلی ہوئی ہیں، ایک دوسرے کے اوپر نہیں ہیں، ان کے بیچ میں سمندر ہیں، ان سب پر آسمان سایہ فگن ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آسمان وزمین دونوں متصل اور ملے ہوئے تھے، پھر اللہ نے ان دونوں کو الگ کیا، پھر آسمان کو بلند کر دیا، جس طرح یہ ہے، اور زمین کو قرار دیا۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آسمان ایک ہی طبقہ میں جڑے ہوئے تھے، پھر انہیں جدا کیا، پھر انہیں سات آسمان بنایا، اسی طرح زمینوں کا معاملہ ہے، یہ بھی ایک طبقہ تھیں، پھر انہیں جدا کیا اور سات زمینیں بنادیں۔ رب تعالیٰ کی کاریگری اور صنعت کا کیا کہنا، وہ جیسے چاہتا ہے کر دیتا ہے، اس کے لیے یہ کوئی مشکل اور دشوار نہیں ہے، جب قرآن کریم نے واضح کر دیا کہ کانتا رتقاً زمین وآسمان ملے ہوئے تھے، رب نے ان کو جدا کیا۔

ارباب تفسیر کی نگارشات کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ آسمان پہلے سخت تھا، بارش نہیں برساتا تھا، زمین ملی ہوئی تھی جڑی بوٹیاں نہیں اگاتی تھی، پھر رب نے آسمان کو جدا کیا تو بارش برسانے لگا، اور زمین اُگانے لگی، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس طرح کی ایک روایت نقل کی گئی ہے۔ (البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید)

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ کلبی سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سات آسمان ایک دوسرے کے اوپر گنبد کی طرح پیدا کیے گئے، اور زمینوں کے بارے میں جو فرمایا گیا کہ وہ بھی آسمانوں کی طرح ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ جڑے ہوئے طبقات تھیں جیسا کہ مشہور ہے کہ زمینیں تین طبقات ہیں، ایک طبقہ ارضیہ محضہ ہے، دوسرا طبقہ طینیہ غیر محضہ ہے، تیسرا طبقہ منکشفہ ہے، اس کا بعض حصہ سمندر میں ہے، بعض حصہ خشکی میں ہے اور یہی آباد ہے، اور زمینوں کے بارے میں یہ فرمان کہ زمینیں آسمانوں کی طرح ہیں سے مراد سات اقلیمیں ہیں، جس طرح سات آسمان ہیں، اس میں سات سیارے ہیں، ان سیاروں میں سے ہر ایک کے خواص ہیں جو زمین کی ہر اقلیم میں ظاہر ہوتے ہیں، سات اس اعتبار سے بنتے ہیں، یہ وہ وجوہات ہیں جن کا عقل انکار نہیں کر سکتی، ان کے علاوہ اہل تفسیر کی طرف سے جو باتیں اس سلسلہ میں منقول ہیں انہیں عقل تسلیم نہیں کرتی۔

یہاں امام رازی رحمہ اللہ نے زمینوں کے درمیان مسافت والی بات کو غیر معتبر کہا ہے، یہ بات واللہ اعلم انہوں نے کیسے لکھ دی، حالانکہ امام رازی جیسے بحر العلوم کے علم میں ہونا چاہیے تھا کہ یہ مسافت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے، جس کا ذکر احادیث میں موجود ہے اور اہل تفسیر نے احادیث سے ہی یہ بات نقل فرمائی۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آسمانوں کے بارے میں یوں بھی کہا جاتا ہے اَلسَّمٰوٰتُ السَّبْعُ أَوَّلُهَا: مَوْجٌ مَكْفُوفٌ وَثَانِيهَا: صَخْرٌ وَثَالِثُهَا: حَدِيدٌ وَرَابِعُهَا: نُحَاسٌ وَخَامِسُهَا: فِضَّةٌ وَسَادِسُهَا ذَهَبٌ وَسَابِعُهَا: يَاقُوتٌ، سات آسمان اس طرح ہیں: ① موج مکفوف ② چٹانیں ③ لوہا ④ پیتل یا تانبا ⑤ چاندی ⑥ سونا ⑦ یاقوت۔ (مفاتیح الغیب للرازی)

شیخ دروزہ محمد عزت اپنی تفسیر الحدیث میں فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا، سات زمینیں کیں تو عرش کے نیچے سے ایک فرشتہ زمین کی طرف اتارا، وہ فرشتہ سات زمینوں کے اندر داخل ہو گیا، جس نے ان زمینوں کو تھاما، مگر اس فرشتہ کے قدم قرار نہیں پکڑ رہے تھے جس پر

اللہ تعالیٰ نے جنت الفردوس سے ایک بیل بھیجا جس کے چالیس ہزار سینگ تھے، چالیس ہزار ٹانگیں تھیں، اس فرشتہ نے اس بیل کی کوہان پر پاؤں ٹیکا، تو اس کے پاؤں جم گئے، اس بیل کے سینگ زمین کے کناروں سے باہر تھے، اس کا نتھنا سمندر میں تھا، وہ روزانہ سانس لیتا ہے، جب وہ سانس لیتا ہے تو سمندر پھیلتا ہے، جب سانس کھینچتا ہے تو سمندر سکڑتا ہے، اس بیل کی ٹانگوں کو قرار نہیں ملتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ایک چٹان پیدا فرمائی، اس چٹان کی موٹائی سات آسمانوں اور سات زمینوں کی موٹائی جتنی ہے، اس کے بعد اس فرشتے کے پاؤں اس چٹان پر ٹک گئے۔ (التفسیر الحدیث)

یہی وہ چٹان ہے جس کا سورۃ لقمان کی آیت ۱۶ میں ذکر فرمایا گیا، جب اس پتھر کو پیدا کیا گیا تو اسے بھی ٹھہراؤ نہیں مل رہا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی پیدا فرمائی، یہ بہت ہی بڑی مچھلی تھی، چنانچہ اس چٹان کو اس مچھلی کی پشت پر رکھ دیا گیا، مچھلی سمندر پر تھی، سمندر ہوا کی پشت پر تھا، اور ہوا اللہ کی قدرت پر تھی، شیطان مچھلی کی طرف گیا اور اسے وسوسہ ڈالا کہ تجھے پتا ہے تیری پیٹھ پر امتوں، جانوروں، درختوں، پہاڑوں میں سے کیا کیا رکھا ہوا ہے؟

شیطان نے مچھلی سے کہا کہ اگر تو انہیں حرکت دے دے تو سب تیری پیٹھ سے نیچے گر جائیں گے، مچھلی نے ایسا کرنے کا ارادہ کر لیا، پھر اللہ نے اس کے لیے ایک جانور بھیجا، جو اس کے نتھنے میں گھس گیا، وہاں سے اس کے دماغ میں پہنچ گیا، شدت تکلیف کے باعث مچھلی نے چیختے چلاتے اللہ کی بارگاہ میں فریاد کی تو اللہ نے اس جانور کو اجازت دی تو وہ اس کے دماغ سے نکل گیا، یہ وہ منظر تھا کہ وہ جانور اس مچھلی کو دیکھ رہا تھا اور مچھلی اسے دیکھ رہی تھی، اگر اس مچھلی کو پھر ایسا کرنے کا خیال آتا تو وہ جانور پھر اس کے نتھنے سے داخل ہو کر دماغ تک پہنچ سکتا تھا۔ (تفسیر الحدیث)

یہ سب میرے رب کی کاریگری ہے، یہ اس کی قدرت کا شاہکار ہے، وہ گاہے گاہے اپنی قدرتوں کا مختلف شکلوں اور صورتوں میں اظہار کرتا رہتا ہے، آج دنیا میں پہلے کی بہ نسبت زیادہ اللہ کی قدرتیں ظاہر ہو رہی ہیں، اس طرح کی باتیں پڑھ سن کر لوگ زبانوں کو حرکت دے دیتے ہیں، قلموں کو

حرکت دے دیتے ہیں، تحقیقاتی پٹاریوں کے منہ کھول دیتے ہیں، سر پھٹول کے بعد ایک ہی بات لکھ کر دل کو تسکین دے لیتے ہیں کہ یہ روایت اسرائیلیات میں سے ہے، یہ اسرائیلی روایت ہے، یا یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ موضوع روایت ہے، فلاں نے اسے اپنی کتاب موضوعات میں درج کیا ہے، جب کہ میرے خیال میں اگر اس طرح کی کوئی بات نصوص قرآنیہ اور ارشادات نبویہ کے خلاف نہ ہو تو ماننے اور رب کی قدرت کو آشکار کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، واللہ اعلم

اس بات کو تسلیم کرنے میں بھی کوئی خرابی نہیں ہے کہ ہر آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے، مطلب یہ کہ زمین سے لے کر آسمان اول تک عربی نسل کا برق رفتار گھوڑا اگر پانچ سو سال برق رفتاری سے دوڑتا رہے تو اس تک نہیں پہنچ سکتا، یا پانچ سو سال میں پہنچ جائے گا، اسی طرح ہر آسمان کی موٹائی بھی اتنی ہی ہے، اسی طرح ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان خلاء ہے، پھر ایک ایک آسمان کی موٹائی بھی اسی طرح ہے، زمینیں بھی اسی طرح ہیں، اور وہ چٹان جو ساتویں زمین کے نیچے ہے، جس تک انسانی علم کی انتہاء ہے، اس کے پایوں کو چار فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے، جن میں سے ہر ایک کے چار چار منہ ہیں، ایک منہ انسانی منہ کی طرح ہے، ایک منہ شیر کے منہ جیسا ہے، ایک منہ بیل کے منہ جیسا ہے اور ایک منہ گدھ کے منہ جیسا ہے، ان فرشتوں کے سر عرش کے نیچے تک ہیں۔ (التفسیر الحدیث)

رحمت دوعالم ﷺ نے اپنے اصحاب سے دریافت فرمایا کہ تمہارے نیچے کیا چیز ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے نیچے زمین ہے، پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس کے نیچے کیا چیز ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ اور رسول اللہ ﷺ بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے نیچے دوسری زمین ہے جس کی مسافت پانچ سو سال ہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے سات زمینیں شمار کیں، ہر زمین کی مسافت پانچ سو سال بیان فرمائی، پھر آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا، قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے اگر تم میں سے کوئی

آدمی رسّی سب سے نچلی زمین کی طرف پھینکے تو وہ اللہ پر جا گرے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی هُوَ الأَوَّلُ وَالآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (ترمذی تفسیر الحدیث)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر زمین کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے، سب سے اوپر والی زمین مچھلی کی پشت پر ہے، جس کے کنارے آسمان میں ہیں، وہ مچھلی ایک چٹان پر ہے، اور چٹان فرشتے کے ہاتھ میں ہے، دوسری زمین میں ہوائیں ہیں، جب اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ہوا کے فرشتے کو حکم دیا کہ وہ ان پر ہوا چھوڑ دے، جو قوم عاد کو ہلاک کر دے، فرشتے نے عرض کیا کہ یارب! کیا میں ان پر بیل کے نتھنے کے برابر ہوا چھوڑ دوں؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر بیل کے نتھنے برابر ہوا چھوڑو گے تو پھر زمین اور زمین کے اوپر جو کچھ ہے سب کی بربادی اور تباہی کے لیے کافی ہے، لیکن ایک انگوٹھی کی مقدار میں ان پر ہوا چھوڑو، اور فرشتے نے اسی قدر ان پر ہوا چھوڑی جس کے بارے میں قرآن کریم کہتا ہے (مَا تَذَرُ مِن شَيْءٍ أَتَت عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتهُ كَالرَّمِيمِ) (الذاریات ۴۲) جس تک یہ ہوا آئی اس کا کچھ نہیں بچا، انہیں چوراچورا کر ڈالا۔

تیسری زمین میں جہنم کے پتھر ہیں، چوتھی زمین میں جہنم کی دیاسلائی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا آگ کی بھی دیاسلائی ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، اس میں دیاسلائی کی ایک وادی ہے، اگر اس میں مضبوط ترین پہاڑوں کو چھوڑا جائے تو وہ بھی پگھل جائیں، پانچویں میں سانپ ہیں، جن کے مونہہ وادیوں کی طرح ہیں، کافر کو ڈسیں گے تو اس کے جسم پر کوئی گوشت باقی نہیں چھوڑیں گے، چھٹی زمین میں جہنم کے بچھو ہیں، ان بچھوؤں میں سب سے چھوٹا بچھو خچر کی طرح ہے، جو کافر کو ایک ڈنک مارے گا تو اسے جہنم کی گرمی بھلادے گا اور ساتویں زمین میں سقر ہے، سقر ساقور سے ہے، ساقور اس لوہے کو کہا جاتا ہے جسے تپا کر گرم کیا جائے، جہنم کی آگ کو سقر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ جسموں اور روحوں کو پگھلا دے

گی۔ سقر میں ابلیس کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑا گیا ہے، اس کا ایک ہاتھ آگے ہے اور ایک پیچھے، جب اللہ اسے کھولنا چاہتے ہیں تو کھول دیتے ہیں۔ (ابن ابی حاتم، مستدرک حاکم)

علامہ ابو الشیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب العظمت میں روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا كَثَفُ الْأَرْضِ مَسِيرَةُ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ وَ كَثَفُ الثَّانِيَةِ مِثْلُ ذَلِكَ وَمَا بَيْنَ كُلِّ أَرْضِينَ مِثْلُ ذٰلِكَ، زمین کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت پر ہے، دوسری زمین اتنی ہی موٹی ہے اور ہر زمین کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے۔ (العظمت لابی الشیخ)

حضرت عثمان بن سعید دارمی رحمہ اللہ نے جہمیہ فرقے کا رد کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سَيِّدُ السَّمٰوَاتِ السَّمَاءُ الَّتِي فِيهَا الْعَرْشُ وَسَيِّدُ الْأَرْضِينَ الَّتِي نَحْنُ عَلَيْهَا آسمانوں کا سردار وہ آسمان ہے جس پر عرش ہے اور زمینوں کی سردار وہ زمین ہے جس پر ہم لوگ آباد ہیں۔ (تفسیر در منثور)

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زمین کے اوپر سات سمندر ہیں، زمینیں سات ہیں، ہر زمین کے درمیان ایک سمندر ہے، پس سب سے نیچے والے سمندر سے جہنم ڈھکی ہوئی ہے، اگر یہ سمندر نہ ہوتا، اس کا پانی اور ٹھنڈک نہ ہوتی تو جہنم اپنے اوپر والی ہر چیز کو جلا کر بھسم کر ڈالتی، اور جہنم ہوا پر ہے، اور ہوا ظلمت کے پردوں پر ہے، جن کی موٹائی اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، یہ ظلمات کے پردے سب سے نچلی زمین ثریٰ پر ہیں، ثری تک مخلوق کے علم کی انتہاء ہو جاتی ہے، اور ثریٰ کے نیچے کیا ہے وہ اللہ ہی جانتا ہے۔ (الھدایہ الی بلوغ النہایہ فی علم معانی القرآن و تفسیرہ)

ابو محمد مکی بن ابی طالب حموش بن محمد بن مختار القیسی قیروانی، الاندلسی قرطبی المالکی فرماتے ہیں کہ حضرت کعب سے دریافت کیا گیا کہ زمین کے نیچے کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ زمین کے نیچے پانی ہے، پھر پوچھا گیا کہ پانی کے نیچے کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ پانی کے نیچے زمین ہے، پھر پوچھا گیا کہ زمین کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا کہ اس کے نیچے پانی ہے، یہاں تک کہ ان سے سوالات ہوتے

رہے، آپ ان کے جوابات دیتے رہے یہاں تک کہ سات زمینوں تک کا ذکر کر ڈالا، پھر ان سے سوال کیا گیا کہ ساتویں زمین کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا کہ اس کے نیچے پانی ہے، پوچھا گیا کہ پانی کے نیچے کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس کے نیچے چٹان ہے، پوچھا گیا کہ چٹان کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ چٹان فرشتے کے کاندھے پر ہے، پوچھا گیا کہ فرشتے کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا کہ وہ اس مچھلی کے درمیان میں کھڑا ہے، جو معلق ہے، جس کے کنارے عرش کے ساتھ ہیں، پوچھا گیا کہ مچھلی کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا کہ ہوا اور اندھیرے اور معلومات کا خاتمہ (الہدایہ الی بلوغ النہایہ فی علم معانی القرآن و تفسیرہ واحکامہ)

ابو محمد عبد الرحمن بن محمد بن ادریس بن المنذر تمیمی، حنظلی، رازی ابن ابی حاتم ایک روایت لائے ہیں کہ حضرت کعب نے اللہ تعالیٰ کی عظمت شان بیان فرمائی، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت بنائی ہے، آسمانوں کی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مسافت پر ہے، ہر دو آسمانوں کے درمیان خلاء بھی پانچ سو سال کی مسافت پر ہے، پھر سات زمینوں کو پیدا فرمایا، (بعض مفسرین کے مطابق زمینیں پہلے بنائی گئیں، واللہ اعلم وعلمہ اتم)

ہر دو زمینوں کے درمیان اتنی مسافت ہے جتنی آسمان دنیا سے لے کر زمین تک ہے، ہر زمین اتنی ہی موٹی ہے، پہلے عرش پانی پر تھا، پھر اللہ نے پانی کو بلند کیا یہاں تک کہ اس پر عرش رکھ دیا، پھر پانی کو ساتویں زمین کے نیچے لے گیا۔ پانی کے اوپر والی سطح اور سب سے اوپر والے آسمان کے درمیان چودہ ہزار سال کی مسافت ہے، پھر اللہ نے اپنے عرش کے لیے ایک مخلوق پیدا فرمائی، ان کی پشتیں جھکی ہوئی ہیں، یہ پانی پر کھڑے ہیں، ان کے پاؤں پانی کے اندر نہیں ہیں، عرش ان کی کھوپڑیوں کے اوپر ہے، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ بلند ہوا کہ کسی میں طاقت نہیں کہ اس کی طرف دیکھ سکے، اسی کو قرآن کریم کہتا ہے کہ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ آنکھیں اس کو پا نہیں سکتیں اور وہ آنکھوں کو پا سکتا ہے۔ (تفسیر القرآن العظیم)

علامہ ابن سینا رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الخلاف ھل الارض سبع اولا؟ میں یہ بات نقل فرمائی ہے اور اس کو پسند کیا ہے کہ زمینیں سات ہی ہیں، اس لیے کہ حدیث شریف میں سات زمینوں کا ذکر آیا ہے۔ علامہ مازری رحمہ اللہ نے معلم میں فرمایا ہے کہ میں نے اپنے استاذ شیخ عبد الحمید سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ زمینیں سات ہی ہیں، کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے مَنِ اقْتَطَعَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا، طَوَّقَهُ اللهُ إِيَّاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ جس نے کسی کی زمین کا ایک بالشت جتنا ٹکڑا ظلماً کاٹ ڈالا تو قیامت کے دن سات زمینیں کاٹ کر اس کو طوق پہنایا جائے گا۔ دوسری دلیل قرآن کریم میں سورۃ الطلاق کی یہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اور زمینوں کو بھی اسی طرح۔ (سورۃ الطلاق)

علامہ ابن رشد نے "البیان والتحصیل" میں اس میں تاویل فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہاں مثل سے اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ حدیث شریف میں تو اذان کے لیے بھی مثل کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جیسے ارشاد ہے کہ جب تم اذان سنو تو مؤذن کی مثل تم بھی اذان کے کلمات کہو، جیسے وہ کہتا ہے، باوجودیکہ مؤذن کے حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کے وقت سننے والا اس جیسے کلمات نہیں کہتا بلکہ اسے حکم ہے کہ یہ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ اور حَيَّ عَلَى الفَلَاح سن کر لَاحَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ کہے۔ (تفسیر ابن عرفہ)

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سات زمینیں اسی طرح ہیں، اوپر والی زمین کو پیدا کیا، پھر جنوں اور انسانوں کو اس کے رہائشی بنایا، اس میں نہریں جاری کیں اور پھل پیدا فرمائے، اس میں سمندر پیدا کیے اور اس کا نام رعاء رکھا، اس کی چوڑائی پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ پھر دوسری کو اسی کی طرح پیدا کیا، اس کی چوڑائی اور موٹائی بھی اتنی ہی ہے، اس میں جو لوگ پیدا کیے ان کے مونہہ کتوں کے مونہہ کی طرح ہیں، ان کے ہاتھ انسانی ہاتھوں کی طرح ہیں، ان کے کان گائے کے کانوں کی طرح ہیں، ان کے بال بکریوں کے بالوں جیسے ہیں، قرب قیامت میں زمین انہیں یاجوج وماجوج کی طرف ڈال دے

گی، اس زمین کا نام دکماء ہے۔ پھر تیسری زمین کو پیدا کیا، اس کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت پر ہے، اسی سے زمین کی طرف ہوا آتی ہے۔ چوتھی میں دوزخیوں کے لیے اندھیرے اور سانپ ہیں، جو کالے خچروں کی طرح ہیں، ان کی دُمیں گھوڑوں کی لمبی دُموں کی طرح ہیں، یہ ایک دوسرے کو کھا رہے ہیں، بنی آدم پر مسلط کیے جاتے ہیں۔

پھر پانچویں زمین کو بھی اسی کی مثل پیدا فرمایا، موٹائی، لمبائی اور چوڑائی بھی اسی زمین جیسی ہے، اس میں اہل دوزخ کے لیے زنجیریں ہیں، طوق اور بیڑیاں ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چھٹی زمین کو پیدا فرمایا، اس کا نام مادہ ہے، اس میں سخت کالے پتھر ہیں، اسی سے آدم علیہ السلام کی مٹی پیدا کی گئی، انہی پتھروں کو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا، یہ بہت بڑے بڑے پتھر ہیں، یہ دیا سلائی سے ہیں جو کافروں کی گردنوں میں لٹکائی جائے گی، جو شعلہ زن ہو کر کافروں کے چہروں اور ہاتھوں کو جلا ڈالے گی، اسی طرف رب تعالیٰ کا یہ فرمان اشارہ دے رہا ہے کہ دوزخ کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ساتویں زمین کو پیدا کیا، اس کا نام عربیہ ہے، اس میں جہنم ہے جس کے دو دروازے ہیں، ایک کا نام سجین ہے اور دوسرے کا نام فلق ہے، ان میں سجین کھلا ہوا ہے، جس کی طرف کافروں کے اعمال نامے پہنچتے ہیں، جب کہ فلق قیامت تک بند رہے گا۔ (تفسیر قرطبی فی سورۃ الانبیاء تحت آیات ۳۰تا۳۳)

نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین قمی نیشاپوری فرماتے ہیں اس آیت کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ زمینیں کئی ہیں، اور وہ آسمانوں کی طرح سات ہیں، بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں مِثْلَهُنَّ میں تشبیہ خلق میں ہے عدد میں نہیں ہے، بعض یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد سات اقلیمیں ہیں اور دعوت سب کو شامل ہے، بعض کہتے ہیں کہ سات زمینیں متصل ہیں، ان کے درمیان سمندر حائل ہیں، انہیں قطع کرنا ممکن نہیں ہے، ان تک دعوت نہیں پہنچتی، بعض کہتے ہیں کہ یہ سات طبقات ہیں، جو ایک دوسرے کے اوپر ہیں، ان میں کوئی سوراخ نہیں ہے۔ (غرائب القرآن ورغائب الفرقان)

محمد بن یوسف بن محمد بن سعد حیدری تیونسی کافی مالکی سات زمینوں کے سوال پر جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سات زمینوں کی تعداد کی خبر دینا مراد ہے، وہ سات زمینیں مثل سات آسمانوں کے ہیں، یعنی جس طرح آسمان سات ہیں اسی طرح زمینیں بھی سات ہی ہیں، اور ہر دو زمینوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ دو آسمانوں کے درمیان ہے۔) الأجوبۃ الکافیۃ عن الأسئلۃ الشامیۃ) قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی لکھتے ہیں، یعنی زمینوں کے عدد آسمانوں کے عدد کی مثل ہیں۔

اس عبارت کی شرح میں علامہ احمد بن محمد بن خفاجی لکھتے ہیں، اس عبارت کا یہ مطلب ہے کہ سات آسمانوں کی طرح زمینوں کے بھی سات طبقات ہیں، جو ایک دوسرے سے متمیز اور منفصل ہیں اور احادیث صحیحہ میں بھی یہی معروف ہے۔ حضرت خالد بن ولید مخزومی رضی اللہ عنہ نے رات کو کسی وسوسے یا خوف کی وجہ سے نیند نہ آنے کی شکایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ دعا سکھائی، جس میں سات آسمانوں اور زمینوں کا ذکر ہے، فرمایا جب تم اپنے بستر پر جایا کرو تو یوں کہا کرو اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظَلَّتْ، وَرَبَّ الأَرَضِينَ وَمَا أَقَلَّتْ، وَرَبَّ الشَّيَاطِينِ وَمَا أَضَلَّتْ، كُنْ لِي جَارًا مِنْ شَرِّ خَلْقِكَ كُلِّهِمْ جَمِيعًا أَنْ يَفْرُطَ عَلَيَّ أَحَدٌ مِنْهُمْ أَوْ أَنْ يَبْغِيَ، عَزَّ جَارُكَ، وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ، وَلاَ إِلَهَ غَيْرُكَ، وَلاَ إِلَهَ إِلاَّ أَنْتَ (ترمذی کتاب الدعوات) اے اللہ! اے سات آسمانوں اور ان کے سائے میں چلنے والوں کے رب! اے زمین والوں کو پالنے والے! اے شیاطین اور ان کے گمراہ کئے ہوئے لوگوں کے رب! اپنی تمام مخلوق کے شر سے مجھے نجات دے کہ ان میں سے کوئی مجھ پر زیادتی یا ظلم نہ کرے۔ تیری پناہ میں آیا ہوا غالب ہے۔ تیری ثنا برتر ہے اور تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں، معبود صرف تو ہی ہے۔

شیخ محمد بن یوسف تیونسی، کافی المالکی سائل کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اے سائل! جس روایت کے بارے میں آپ نے پوچھا اسے امام ابن جریر، ابن ابی حاتم، امام حاکم نے نقل کیا ہے، اس

روایت کے صحیح ہونے کا حکم بھی لگایا ہے، امام بیہقی نے شعب الایمان اور اپنی کتاب الاسماء والصفات میں وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ کے تحت ابی الضحیٰ عن ابن عباس سے بیان کیا ہے، جس میں فرمایا کہ زمینیں سات ہیں، ہر زمین میں ایک نبی ہے جس طرح تمہارے نبی ہیں، آدم ہیں تمہارے آدم کی طرح، نوح ہیں تمہارے نوح کی طرح، ابراہیم ہیں تمہارے ابراہیم کی طرح، عیسیٰ ہیں تمہارے عیسیٰ کی طرح، یہ روایت اپنی کتاب میں نقل کرنے کے بعد امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، لیکن اس لیے اس کے بارے میں شاذ فرمایا کہ راوی ابوالضحیٰ سے مرہ کا سننے کا انہیں علم نہیں ہے۔ شیخ محمد بن یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں یہ بات اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں جو درست بات کی توفیق دینے والا ہے، کہ یہ حدیث اپنے مقصد اور اپنے ظاہر کا تقاضا کرتی ہے کہ ہر وہ چیز جو اس زمین پر واقع ہوئی جس پر ہم موجود ہیں، آدم علیہ السلام سے لے کر اس کی مدت ختم ہونے تک اسی جیسی چیز اس زمین کے علاوہ دوسری زمین پر بھی واقع ہو گی۔

حدیث میں باقی انبیاء کرام علیہم السلام اور باقی رسولوں کا اور جو حادثات اس زمین پر رونما ہوئے جیسے قابیل کا ہابیل کو قتل کرنا، طوفان نوح کا آنا، چیخ وچنگھاڑ کا آنا، زلزلے بپا ہونا، فرعون کا غرقاب ہونا، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ سے مدینہ کی طرف نکلنا، اسی طرح اور بہت سے واقعات کا رونما ہونے کا ذکر نہیں کیا گیا، کیونکہ دوسری زمین کے آدم ان اوصاف کے ساتھ موصوف نہیں ہیں جن کے ساتھ ہماری زمین کے آدم متصف ہیں، جنت سے نکلنے سے لے کر رفیق اعلیٰ سے ملاقات تک، ہماری زمین کے آدم کا معاملہ اور ہے اور اس زمین کے آدم کا معاملہ اور ہے اور حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بھی اسی آدم کی مثل ہوں اپنی تمام صفات میں جیسا کہ تشبیہ، نظیر اور مثل میں ہونا قرار دیا گیا، چنانچہ مماثل میں تمام صفات کا پایا جانا، نظیر میں زیادہ صفات کا پایا جانا اور تشبیہ میں بعض صفات کا پایا جانا ہوتا ہے اگرچہ تھوڑی ہی ہوں، اس لیے یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حدیث اور اس طرح کی دیگر احادیث کے ظاہر پر

ایمان لانا ضروری ہے، یہاں عقلی گھوڑے دوڑانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ حضرت مجاہد نے اسی آیت کے ذیل میں حضرت عباس سے نقل کیا کہ حضرت عباس نے فرمایا اگر میں اس آیت کی تفسیر تمہیں بیان کروں تو تم اس کا کفر کر دو گے، اور تمہارا کفر اس کو جھٹلانا ہے، یہ اس لیے کہ عقلیں اس چیز کی تصدیق نہیں کرتیں جن کا تصور نہیں کیا جاسکتا، عقلیں عقل میں آنے والی چیز کی تصدیق کرتی ہیں، مگر ہم نے عقل کی نہیں شارع کے ارشاد کی تصدیق کرنی ہے۔

جب ہمارے لیے یہ بات ثابت ہوگئی تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہماری زمین کے علاوہ جو باقی زمینیں ہیں ان کے اوپر آسمان بھی ہیں جو ہمارے آسمان کی طرح ستاروں سے مزین ہیں، ان زمینوں میں بھی آسمان کی طرف سے پانی برستا ہے جس طرح ہماری زمین پر آسمان کی طرف سے پانی برستا ہے؟

اگر ہم یہ کہیں کہ ہاں ان زمینوں پر بھی آسمان ہے تو پھر یہ سات آسمانوں کو زائد بتانا ہے، جب ہم کہتے ہیں کہ ان زمینوں پر آسمان نہیں ہے تو پھر ان میں روشنی کہاں سے آتی ہے؟ وہ زمینیں روشن کیسے ہوتی ہیں؟ وہ پانی کہاں سے حاصل کرتی ہیں؟ اسی طرح کے بے شمار سوالات جنم لیتے ہیں۔ (الاجوبۃ الکافیہ عن الاسئلۃ الشامیہ)

یوں تو مناطقہ اور فلاسفہ کے اذہان میں سوالات اٹھتے رہتے ہیں مگر جب یہ بات ہم دل و دماغ کو سمجھا چکے کہ ہم نے شارع کی بات کو ماننا ہے، عقلی گھوڑوں کی پیروی نہیں کرنی، سوالات تو صحابہ کرام کے اذہان میں بھی گردش کرتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ نے انہیں سمجھایا کہ اللہ کی مخلوق کے بارے میں غور و فکر کرنے کی اجازت ہے مگر اللہ کے بارے میں تمہیں غور و حوض کی اجازت نہیں ہے، اس لیے ہم نبی کریم ﷺ کے فرمان کو تسلیم کریں گے، قیل و قال سے گریز کریں گے۔

سلفی نقاد عالم، علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے احادیث رسول ﷺ پر شبانہ روز محنت کی، بڑا علمی ذخیرہ صدقہ جاریہ کے طور پر چھوڑا، وہ فرماتے ہیں کہ آسمانوں کی طرح زمینیں بھی سات ہیں، اس میں

صحیحین اور ان کے علاوہ بہت سی کتب حدیث میں احادیث پائی جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان خَلَقَ سَبعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ فِي الأَرضِ مِثلُهُنَّ اس پر شاہد ہے، اس سے مراد زمینیں خلق اور عدد میں آسمانوں کی طرح ہیں، اس لیے ہم ان مفسرین کی طرف التفات نہیں کریں گے جو مثلیت عدد کی نفی میں تاویل سے کام لیتے ہیں، اس لیے بھی کہ انہیں یورپی سکالروں سے جو کچھ علم پہنچا ہے اس سے وہ دھوکہ کھا گئے ہیں۔ یورپی سات زمینوں کی حقیقت سے ناواقف ہیں، جس طرح وہ سات آسمانوں کی حقیقت سے بے خبر ہیں، تو کیا ہم ان جاہلوں کی جہالت کی وجہ سے کلام اللہ اور کلام رسول اللہ ﷺ کا انکار کر دیں، کیونکہ جوں جوں کائنات کا علم بڑھ رہا ہے توں توں انہیں کائنات کے بارے میں اپنی جہالت کا اعتراف ہو رہا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہیں تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ لعلامہ ناصر البانی)

صاحب تفہیم القرآن لکھتے ہیں قدیم مفسرین میں سے صرف ابن عباس ایک ایسے مفسر ہیں جنہوں نے اس دور میں اس حقیقت کو بیان کیا تھا جب آدمی اس کا تصور تک کرنے کے لیے تیار نہ تھا کہ کائنات میں اس زمین کے سوا کہیں اور بھی ذی عقل مخلوق بستی ہے۔ آج اس زمانے کے سائنس دانوں تک کو اس کے امر واقعہ ہونے میں شک ہے، کجا کہ ۱۴ سو برس پہلے کے لوگ اسے بآسانی باور کر سکتے۔ اسی لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما عام لوگوں کے سامنے یہ بات کہتے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں اس سے لوگوں کے ایمان متزلزل نہ ہو جائیں۔

چنانچہ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان سے جب اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا "اگر میں اس کی تفسیر تم لوگوں سے بیان کروں تو تم کافر ہو جاؤ گے اور تمہارا کفر یہ ہو گا کہ اسے جھٹلاؤ گے۔ قریب قریب یہی بات سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیا بھروسہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر میں تمہیں اس کا مطلب بتاؤں تو تم کافر نہ ہو جاؤ گے۔ (ابن جریر، عبد بن حمید)۔

تاہم ابن جریر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے، اور شعب الایمان اور کتاب الاسماء والصفات میں بیہقی نے ابوالضحیٰ کے واسطے سے باختلاف الفاظ ابن عباس کی یہ تفسیر نقل کی ہے کہ فی کلِّ ارضٍ نبیٌّ کنبیِّکُم وَاٰدمُ کَاٰدَمَ ونُوحٌ کَنُوحٍ وابرَاھِیمُ کَابرَاھِیمَ وَعِیسیٰ کَعِیسیٰ، ان میں سے ہر زمین میں نبی ہے تمہارے نبی ﷺ جیسا اور آدم ہے تمہارے آدم جیسا اور نوح ہے تمہارے نوح جیسا، اور ابراہیم ہے تمہارے ابراہیم جیسا اور عیسیٰ ہے تمہارے عیسیٰ جیسا۔

اس روایت کو ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بھی نقل کیا ہے۔ اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے البتہ میرے علم میں ابوالضحیٰ کے سوا کسی نے اسے روایت نہیں کیا ہے، اس لیے یہ بالکل شاذ روایت ہے۔ بعض دوسرے علماء نے اسے کذب اور موضوع قرار دیا ہے اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس کو موضوعات کبیر (ص ۱۹) میں موضوع کہتے ہوئے کہا ہے کہ اگر یہ ابن عباس ہی کی روایت ہے تب بھی اسرائیلیات میں سے ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے رد کرنے کی اصل وجہ لوگوں کا اسے بعید از عقل و فہم سمجھنا ہے، ورنہ بجائے خود اس میں کوئی بات بھی خلاف عقل نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس کو صحیح ماننے میں نہ عقلاً کوئی چیز مانع ہے نہ شرعاً۔ مراد یہ ہے کہ ہر زمین میں ایک مخلوق ہے جو ایک اصل کی طرف اسی طرح راجع ہوتی ہے جس طرح بنی آدم ہماری زمین میں آدم علیہ السلام کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ اور ہر زمین میں ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو اپنے ہاں دوسروں کی بہ نسبت اسی طرح ممتاز ہیں جس طرح ہمارے ہاں نوح اور ابراہیم علیہما السلام ممتاز ہیں۔ آگے چل کر علامہ موصوف کہتے ہیں "ممکن ہے کہ زمینیں سات سے زیادہ ہوں اور اسی طرح آسمان بھی صرف سات ہی نہ ہوں۔ سات کے عدد پر، جو عدد تام ہے، اکتفا کرنا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس سے زائد کی نفی ہو۔ پھر بعض احادیث میں ایک ایک آسمان کی درمیانی مسافت جو پانچ پانچ سو برس بیان کی گئی ہے اس کے متعلق علامہ موصوف کہتے ہیں:

هوَمِن بَاب التَّقريب لِلاِفْهام، یعنی اس سے مراد ٹھیک ٹھیک مسافت کی پیمائش بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ مقصود بات کو اس طرح بیان کرنا ہے کہ وہ لوگوں کی سمجھ سے قریب تر ہو۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ حال میں امریکہ کے رانڈ کارپوریشن (Rand Corporation) نے فلکی مشاہدات سے اندازہ لگایا ہے کہ زمین جس کہکشاں (Galaxy) میں واقع ہے صرف اسی کے اندر تقریباً ۶۰ کروڑ ایسے سیارے پائے جاتے ہیں جن کے طبعی حالات ہماری زمین سے بہت کچھ ملتے چلتے ہیں اور امکان ہے کہ ان کے اندر بھی جاندار مخلوق آباد ہو (اکانومسٹ، لندن، مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۶۹) (تفسیر تفہیم القرآن)

بندہ عاجز و فقیر نے اپنی اس تفسیر میں کئی مقامات پر آسمانوں اور زمینوں کا تذکرہ کیا ہے، مگر اس مقام پر پہنچ کر میں نے عرب علماء کی تفاسیر کو کھنگالا، میں نے اسلاف کی عربی تفاسیر کو دیکھا، متون الاحادیث پر نگاہ دوڑائی، تاریخی کتب کو دیکھا، جغرافیہ کی کتابوں کو دیکھا، ارض القرآن جیسی کتب پر سرسری نگاہ ڈالی، شروح احادیث کو دیکھا جس پر مجھے ایک ہی بات سمجھ میں آئی کہ جس طرح آسمان سات ہیں اسی طرح زمینیں بھی سات ہی ہیں، جس طرح آسمان تہہ بہ تہہ ہیں اسی طرح زمینیں بھی تہہ بہ تہہ ہیں، مگر ان کی تہہ پیاز کے چھلکے کی طرح تہہ بہ تہہ نہیں ہے، جس طرح بعض مفسرین نے اشارہ دیا، جن مفسرین کرام نے، جن اہل علم نے ان زمینوں کے بارے میں لکھا یا واضح کیا انہوں نے اپنی اپنی معلومات کے مطابق، اپنی اپنی تحقیقات کے مطابق بیان فرمایا، پھر کوئی رائے قائم کی۔

اس سلسلہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس کا وہ اثر جسے امام بیہقی نے اپنی کتاب شعب الایمان اور الاسماء والصفات میں نقل فرمایا، جس کی سند کو انہوں نے صحیح کہنے کے باوجود شاذ قرار دیا صرف اس وجہ سے کہ اس روایت کے ایک راوی ابو الضحیٰ سے ان کے نچلے راوی مرہ نے کچھ نہیں سنا، اس روایت کو کسی نے موضوع کہا، پھر بعد والوں میں سے جس جس نے عقلی گھوڑوں کو بے لگام چھوڑا انہوں نے لکیر کا فقیر بن کر اس پر حاشیہ آرائی فرمائی۔

مجھے زیادہ تعجب ان لوگوں پر ہوا جو ضعیف سے ضعیف اور خانہ ساز قسم کی روایات کا سہارا لے کر اپنے مصنوعی دین اور مصنوعی اسلام کی پوری پوری عمارتیں تعمیر کر دیتے ہیں، بلکہ اپنے خانہ ساز دین کے محلات تعمیر کرتے اور اسی خانہ ساز دین پر اپنی زندگیاں صرف کر ڈالتے ہیں انہوں نے بھی اثر ابن عباس کو موضوع، من گھڑت اور شاذ قرار دے کر اس کے خلاف موشگافیاں کی ہیں۔

انہی خانہ ساز دین کے علمبر داروں نے حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ پر کفر کا فتویٰ اس وقت لگایا جب انہوں نے بہترین ادلہ و حجج سے اثر ابن عباس کا دفاع کیا، اس کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ بہت عمدہ طریقہ سے افہام و تفہیم کا فرض ادا کیا، اسی طرح عالم محقق و مدقق علامہ عبد الحئ لکھنوی رحمۃ اللہ نے "دافع الوسواس" نامی کتاب لکھی جس میں اثر ابن عباس کا پورا پورا دفاع کیا، جن لوگوں نے اثر ابن عباس کا سہارا لے کر افراط و تفریط سے کام لیا حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ نے ان کی بھی اچھے طریقے سے خبر لی۔ حجۃ الاسلام، قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ نے اس موضوع پر باقاعدہ علمی کتاب "تحذیر الناس" تحریر فرمائی، جس کا آج تک تسلی بخش توڑ نہیں کیا جاسکا، نہ ہی تسلی بخش جواب دیا جاسکا۔ جواب تو دور کی بات ہے میرے خیال میں حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ کی اس کتاب میں لکھی گئی عبارت کو بھی کوئی نہیں سمجھ سکا، جس کسی نے فیروز اللغات، یا لغت کشوری دیکھی، الفاظ کے معانی تلاش کیے اور فتویٰ کی توپ چلادی اور مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ جیسے بحر العلوم پر کفر کا فتویٰ لگا دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون

جب کہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی دلائل وبراہین سے مرصع کتاب "تحذیر الناس" کو دیانت داری سے مطالعہ کرنے والا اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تو ایمان وایقان اور عشاقِ رسول کی فہرست میں سب سے نمایاں مقام پر کھڑے ہیں، اور جن لوگوں نے ان کے خلاف تکفیری مہم چلائی ہے وہ خطا کے مرتکب ہوئے ہیں، میں اب "تحذیر الناس" اور پھر

تحذیر الناس کی وہ وضاحت جو دو حصول پر مشتمل ہے، جو "مناظرہ عجیبہ" کے نام سے شائع ہوئی کی روشنی میں چند اقتباسات پیش کرتا ہوں، جس سے بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔

آیت میں چونکہ یہ فرمایا گیا کہ زمینیں آسمانوں کی مثل ہیں، اس مثلیت پر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "سو اس میں سے مماثلت فی العدد (زمینوں کی تعداد) اور مماثلت فی البعد (دوری) اور فوق (اوپر) و تحت (نیچے) ہونے میں مماثلت، تو اس حدیث مرفوع سے معلوم ہوتی ہے، جس سے تحقق سبع ارضین (سات زمینوں کا ثبوت) معلوم ہوا ہے۔

اور صاحب مشکوٰۃ رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ امام ترمذی علیہ الرحمہ اور امام احمد نور اللہ مرقدہ "باب بدء الخلق" میں اس کو روایت کیا ہے اور ترمذی میں کتاب التفسیر میں سورۃ حدید کی تفسیر میں روایت کیا ہے، وہ حدیث یہ ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: بَيْنَمَا نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ وَأَصْحَابُهُ إِذْ أَتَى عَلَيْهِمْ سَحَابٌ، فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ تَدْرُونَ مَا هٰذَا؟ فَقَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: هَذَا الْعَنَانُ هٰذِهِ رَوَايَا الْأَرْضِ يَسُوقُهُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِلَى قَوْمٍ لَا يَشْكُرُونَهُ وَلَا يَدْعُونَهُ ثُمَّ قَالَ: هَلْ تَدْرُونَ مَا فَوْقَكُمْ؟ قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّهَا الرَّقِيعُ، سَقْفٌ مَحْفُوظٌ، وَمَوْجٌ مَكْفُوفٌ، ثُمَّ قَالَ: هَلْ تَدْرُونَ كَمْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهَا؟ قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهَا مَسِيرَةُ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ. ثُمَّ قَالَ: هَلْ تَدْرُونَ مَا فَوْقَ ذٰلِكَ؟ قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّ فَوْقَ ذٰلِكَ سَمَاءَيْنِ، مَا بَيْنَهُمَا مَسِيرَةُ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ حَتَّى عَدَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ، مَا بَيْنَ كُلِّ سَمَاءَيْنِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، ثُمَّ قَالَ: هَلْ تَدْرُونَ مَا فَوْقَ ذٰلِكَ؟ قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّ فَوْقَ ذٰلِكَ الْعَرْشَ وَبَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ بُعْدُ مَا بَيْنَ السَّمَاءَيْنِ. ثُمَّ قَالَ: هَلْ تَدْرُونَ مَا الَّذِي تَحْتَكُمْ؟ قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّهَا الْأَرْضُ.

ثُمَّ قَالَ: هَلْ تَدْرُونَ مَا الَّذِي تَحْتَ ذٰلِكَ؟ قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّ تَحْتَهَا أَرْضًا أُخْرَىٰ، بَيْنَهُمَا مَسِيرَةُ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ حَتَّى عَدَّ سَبْعَ أَرَضِينَ، بَيْنَ كُلِّ أَرْضَيْنِ مَسِيرَةُ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ. ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ أَنَّكُمْ دَلَّيْتُمْ بِحَبْلٍ إِلَى الْأَرْضِ السُّفْلَى لَهَبَطَ عَلَى اللّٰهِ. ثُمَّ قَرَأَ {هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ} رواہ احمد والترمذی)

اس حدیث سے علاوہ اس کے یہ زمین سب میں اوپر ہے، سات زمینوں کا ہونا اور وہ بھی نیچے اوپر ہونا اور ہر ایک زمین سے دوسری زمین تک سات زمینوں میں پانچ پانچ سو برس کی راہ کا فاصلہ ہونا بتصریح ثابت ہے۔ غرض یہ تین مماثلتیں تو اسی حدیث سے بہ تصریح معلوم ہو گئیں، جس کے معلوم ہونے سے یہ خیال کہ بعد منہائی تباین مذکور کے یہ سب باتوں میں بشہادت اطلاق و عموم کلام ربانی مماثلت مراد ہے اور بھی قوی ہو گیا۔ دوسری وجوہ مماثلت: اور کیوں نہ ہو اول تو مِثْلُهُنَّ بھی اسی کلام اللہ میں ہے، جس میں لفظ خاتم النبیین ہے، جس کے اطلاق اور نبیین کے عموم کے باعث کسی نے آج تک ائمہ دین میں سے اس میں کسی قسم کی تاویل، یا تخصیص کا کرنا جائز نہ سمجھا، تورات و انجیل، یا کسی پنڈت کی پوتھی میں نہیں، جو احتمال تحریف و افترا ہو، پھر تس پر (باوجودیکہ، پھر بھی) حدیث مذکور اس قدر مصدقِ خیالِ مذکور۔

مماثلت فی القبلیت: علاوہ بریں مقابل کعبہ ارض آسمان میں بیت معمور کا ہونا اور پھر بایں نظر کہ مقابل کعبہ اوپر کہیں تک جاؤ اور نیچے تحت الثریٰ تک تو کعبہ ہی ہے، خیال مماثلت کو اور دوچند مستحکم کر دیتا ہے، بایں ہمہ اطلاق مماثلت میں مزید رفعت مراتب نبوی ﷺ ہے، یہاں تک کہ اطلاق مذکور کو تسلیم نہ کیجیے تو رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور رفعت کے سات حصوں میں سے کل ایک ہی باقی رہ جائے اور چھ حصے عظمت کم ہو جائے۔ (تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباس)

مماثلت فی العمرانیت: خیر اصل مطلب یہ ہے، جب یہ بات ثابت ہوئی کہ سات آسمان ہیں اور وہ اوپر نیچے کیف ما اتفق، دائیں بائیں، آگے پیچھے واقع نہیں اور پھر ان میں پانچ پانچ سو برس کا فاصلہ نکلا اور اسی طرح زمینوں کا حال ہوا تو یہ بھی یقینی سمجھنا چاہیے کہ جیسے ساتوں آسمانوں میں آبادی ہے اور پھر اوپر کے آسمان والے نیچے کے آسمان والوں پر حاکم، ایسے ہی ساتوں زمینیں بھی آباد ہوں گی اور اوپر کی زمین والے نیچے کی زمین والوں پر حاکم ہوں گے۔ (تحذیر الناس)

مماثلت فی الحکومت: دلیل حکومت اہل سموات فوقانی اول تو یہ حدیث ترمذی کی ہے

قَالَ التِّرمِذِی فِی اَبوَابِ التَّفسِیر فِی تَفسِیر سُورَةِ سَبَا حَدَّثَنَا نَصرُ بنُ عَلِیٍّ الجَهضَمِیُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبدُ الأَعلَی، قَالَ: حَدَّثَنَا مَعمَرٌ، عَنِ الزُّهرِیِّ، عَنْ عَلِیِّ بنِ حُسَینٍ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بَینَمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِی نَفَرٍ مِنْ أَصحَابِهِ إِذْ رُمِیَ بِنَجمٍ فَاستَنَارَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ: مَا كُنتُم تَقُولُونَ لِمِثلِ هٰذَا فِی الجَاهِلِیَّةِ إِذَا رَأَیتُمُوهُ؟ قَالُوا: كُنَّا نَقُولُ: یَمُوتُ عَظِیمٌ أَوْ یُولَدُ عَظِیمٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ: فَإِنَّهُ لَا یُرمَی بِهِ لِمَوتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَیَاتِهِ وَلٰكِنَّ رَبَّنَا عَزَّ وَجَلَّ إِذَا قَضَی أَمرًا سَبَّحَ لَهُ حَمَلَةُ العَرشِ ثُمَّ سَبَّحَ أَهلُ السَّمَاءِ الَّذِینَ یَلُونَهُم ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَهُم حَتَّی یَبلُغَ التَّسبِیحُ إِلَی هَذِهِ السَّمَاءِ، ثُمَّ سَأَلَ أَهلُ السَّمَاءِ السَّادِسَةِ أَهلَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ: مَاذَا قَالَ رَبُّكُم؟ قَالَ: فَیُخبِرُونَهُم ثُمَّ یَستَخبِرُ أَهلُ كُلِّ سَمَاءٍ حَتَّی یَبلُغَ الخَبَرُ أَهلَ السَّمَاءِ الدُّنیَا وَتَخطَفُ الشَّیَاطِینُ السَّمعَ فَیُرمَونَ فَیَقذِفُونَهُ إِلَی أَولِیَائِهِم فَمَا جَاءُوا بِهِ عَلَی وَجهِهِ فَهُوَ حَقٌّ، وَلٰكِنَّهُم یُحَرِّفُونَهُ وَیَزِیدُونَ (حدیث حسن صحیح)

اس مضمون سے صاف ظاہر ہے کہ حکمِ خداوندی ملائکہ کی نسبت جو کچھ ہوتا ہے وہ اس ترتیب سے پہونچتا ہے، سو یہ بات بعینہ ایسی ہی ہے جیسے حکمِ بادشاہی، جو کچھ ملازمانِ ماتحت کی نسبت ہوتا

ہے، ان سے اوپر کے ملازموں کے واسطے سے ان تک پہنچتا ہے، چنانچہ سب کو معلوم ہے۔

مماثلت فی الافضلیت: نیز بمقتضائے حدیث دیگر بھی یہی ہے، جو شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر عزیزی سورۃ بقرہ میں بذیل تفسیر آیت ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ روایت کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ ابن المنذر از ابن عباس روایت کردہ است کہ سَیِّدُ السَّمٰوٰتِ اَلسَّمَآءُ الَّتِی فِیهَا العَرشُ وَسَیِّدُ الاَرضِینَ الَّتِی اَنتُم عَلَیهَا (اسرارالکون، باب صفات السموات السبع ۱، ۶)

اس حدیث سے ایک تو مماثلت زائدہ معلوم ہوئی یعنی جیسے وہاں اوپر کا آسمان افضل ہے، کیونکہ عرش اس میں ہے، یعنی اس سے متصل ہے، یہاں اوپر کی زمین یعنی یہ زمین افضل ہے، دوسرے بدلالت التزامی یہ ثابت ہوا کہ اوپر کے آسمان والے نیچے والوں پر حاکم، کیونکہ افضلیت سماوات ظاہر ہے کہ باعتبار افضلیت سکان (رہنے والے) ہے۔ سو نوع میں افضلیت اس بات کو مقتضی ہے کہ فرد افضل واکمل موصوف بالذات ہو، کیونکہ موصوف بالذات کی طرف سے تو نوع واحد میں تفاوت افراد ممکن نہیں، اس لیے کہ وہ ایک ہوتا ہے اور جہاں دو نظر آتے بایں نظر کے نوع واحد میں تعدد ترکیب کو مقتضی ہے تاکہ اتحادِ امر مشترک کی طرف راجع ہو اور تباینِ امور متبائنہ کی طرف، پھر انجام کار وحدت لازم آتی ہے۔

اس صورت میں لاجرم یہ اِختلاف وتفاوُت معروض اور قابل کی طرف سے ہوگا، کیونکہ حوادث میں جتنے اختلاف ہیں وہ انہیں دو کی طرف، یا ان کی متممات کی طرف جیسے آلات وشرائط ہیں منسوب ہوتی ہیں۔ بوجہ تنگی مقام زیادہ شرح سے معذور ہوں بایں ہمہ اہل فہم کے واسطہ یہ مضامین معروض ہوئے ہیں ان کو اتنا بھی کافی ہے۔ الغرض یہ اختلاف وتفاوُت معروضات کی جانب ہوگا مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں فرد اکمل وہ واسطہ فی العروض ہوگا جو اپنے معروضات کے حق میں موصوف بالذات ہوتا ہے، اگرچہ کسی اور کی نسبت وہ بھی معروض ہو، جیسے آئینہ وقتِ نور افشانی

درودیوار اگر در ودیوار کی نسبت واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہے تو آفتاب کی نسبت خود معروض ہے، سوایسے ہی امور مبحوث عنہا (جن سے متعلق بحث کی جارہی ہے) میں سمجھیے، دوسرے بحکمِ عدل افضلیت بالضرور اس بات کو مقتضی ہے کہ جو افضل ہو وہ باقیوں پر حاکم ہو۔ (تحذیر الناس)

افضلیت کا تحلیلی جائزہ: حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حکومت کی ماہیت: علاوہ بریں حسنِ انتظامِ خداوندی جو ہر نوع میں نمایاں ہے، اس بات کو مقتضی ہے کہ جیسے افراد کا سلسلہ نوع پر اور انواع کا سلسلہ جنس پر ختم ہوتا ہے اور اس وجہ سے جنس کے احکام وآثار انواع میں اور انواع کے احکام وآثار افراد میں جاری وساری ہیں، یہ استقلال جو ہر فرد ذوی العقول میں گو نہ نمایاں ہے اور اس وجہ سے وہ انتظام جو اس کے متحد ہو جانے اور اس کے اجتماع پر موقوف ہے باطل ہو جاتا ہے۔

کسی ایک آدمی کے متعلق کرکے اس کو مستقل اعظم قرار دیا جائے، جس کے سامنے یہ استقلال فرادیٰ فرادیٰ (ایک ایک کرکے) والے محتاج نظر آئیں، سواسی کا نام حکومت ہے بلکہ وجہ تکثرِ افراد کی غور سے کی جائے تو وہ عروض ہے کیونکہ اگر کلی کو معروضات کے ساتھ عروض نہ ہو تو یہ تعدادِ افراد ہر گز ظاہر نہ ہو اور اس صورت میں مناسب یوں ہے کہ موصوف بالذات معروض پر بشرطیکہ قابلیت حکومت ومحکومیت رکھتے ہوں حاکم ہوتا ہے، کہ متبوعیت باطنی درصورت متبوعیتِ ظاہری من جملہ وضع الشی فی محلہ (چیز کو اپنی جگہ پر رکھنا) سمجھی جائے۔

پھر فوقیت وتحتیت (اوپر اور نیچے ہونا) باوجود اتحاد نوعی بحکم عدل وحکمت اس بات کو مقتضی ہے کہ جیسے فرد تنزلِ نوعی اور نوع تنزل جنسی ہوتا ہے، اسی طرح ارواحِ ملائکہ سافل (نیچے والے فرشتوں کی روحیں) تنزل ارواح ملائکہ عالی ہوں، تو بہت مناسب ہے تاکہ یہ تکثر اور فوقیت وتحتیت دونوں صحیح ہوں، اس لیے کہ تنزل مرتبہ بھی مثل تکثر بجز عروض ممکن نہیں، چنانچہ افراد کے تنزل نوعی ہونے سے اور انواع کے تنزل جنسی ہونے سے یہ بات ظاہر ہے کہ تنزل وتکثر متلازم ہیں اور

عروض پر موقوف اور عروض کا قصہ آپ سن ہی چکے ہیں کہ موصوف بالذات موصوف بالعرض پر جیسے باعتبار ظہور و نفوذ احکام بمعنیٰ آثار حاکم ہوتا ہے ایسے باعتبار حکومت بھی حاکم ہونا چاہیے۔

اس صورت میں کیفیتِ حال یہ ہوگی کہ ارواح سافلہ جو مرتبہ تکثر میں پیدا ہوئی ہیں اور درجہ میں بھی نیچے ہیں، ارواح صغیرہ و حقیرہ ہوں اور ارواح عالیہ جو درجہ میں عالی اور وحدت و مبدا کی جانب میں ہیں، ارواح عظیمہ اور کبیرہ ہوں۔ غرض جب مجموعہ حصص کو لیجیے تو ایک روحِ اعظم مثل رب النوع ہو اور جدے جدے حصے کر لیجیے تو روحِ صغیرہ پیدا ہو، سو جب مرتبہ صغیرہ میں روحانیت ہے چنانچہ افراد کے ملاحظہ سے ظاہر ہے تو مرتبہ عظمت میں روحانیت کیوں نہ ہوگی، وصفِ ذاتی حالتِ اجتماع حصص میں تو اور بھی زیادہ قوی ہوتا ہے، سو یہ اجتماع حصص اگر ہوتا ہے تو موصوف بالذات ہی میں ہوتا ہے، معروض میں نہیں ہوتا، کسی صحن میں پورا نور نہیں، البتہ آفتاب میں سب حصے فراہم ہیں، اس لیے مراتب فوقانی میں ارواح عظیمہ ہوں گی اور مراتب تحتانی میں ارواحِ صغیرہ اور اس وجہ سے فوق و تحت خارجی و ظاہری بھی ملحوظ رہنا چاہیے تاکہ ظاہر و باطن متناسب رہیں۔ (تحذیر الناس)

حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی منبعیت اور اس کی حاکمیت کا اثبات، بالجملہ وحدتِ نوعی و تکثر افرادی اور پھر فرقِ فوق و تحت باعتبار قانون عدل و حکمت اگر درست ہو سکتا ہے تو یوں ہو سکتا ہے، جس طرح سے عرض کیا گیا کہ ارواحِ عالیہ، ارواح سافلہ کے لیے موصوف بالذات ہوں اور افضل ترین ملائکہ فلکِ ہفتم کوئی ایک ملک ہو، جس کی روح منبعِ ارواح ملائکہ باقیہ فلکِ ہفتم بھی ہو اور منبع روح فردِ افضل ترین ملائکہ فلکِ ششم بھی ہو کر پھر اس کی روح منبعِ ارواح باقیہ فلک ششم اور فردِ اکمل ملائکہ فلکِ پنجم علی ہذا القیاس۔

اور فردِ اکمل ملائکہ فلک ہفتم کا ملائکہ فلکِ ہفتم کے لیے بھی منبع ہونا اور فرد اکمل ملائکہ فلک ششم کے لیے بھی منبع ہونا اور پھر ان کا اوپر ہونا اور فقط تابع ہونا اور اس کا نیچے ہونا اور متبوع و منبع ملائکہ باقیہ فلک ششم بھی ہونا ایسا ہو، جیسے آفتاب کا بہ نسبت آئینہ واقع فی الصحن اور بہ نسبت دھوپ

سقف منبع ہونا۔ ظاہر ہے کہ دھوپ اوپر ہے مگر چوں کہ منبع النور نہیں فقط تابع ہی ہے، متبوع نہیں اور آئینہ منور بایں نظر کہ درودیوار کے حق میں منبع النور بھی ہو گیا ہے، تو ان کے حق میں متبوع بھی ہے مگر یہی صورت اس وقت باہم زمینوں کی بھی ہو گی کہ ساتوں کی ساتوں آباد بھی ہوں گی اور اوپر کی زمین کے فردِ اکمل اعنی (میری مراد) محمد رسول اللہ ﷺ کی روح پاک، جیسے ارواح انبیاء و مومنین کے لیے منبع ہو گی، ایسے ہی فردِ اکمل ثانی کے لیے بھی منبع ہو گی۔ اور باقی اس کی روحِ پاک باقی اس زمین کے سکان کے لیے بھی منبع ہو گی اور فردِ اکمل زمین سوم کے لیے بھی منبع ہو گی، علی ہذا القیاس نیچے کی زمین تک خیال کر لو۔ (تحذیر الناس)

روایت ابن عباس میں جو تشبیہ دی گئی ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اگر بطور تشبیہ یوں کہا جائے کہ فرد اکمل فلک ہفتم کو افراد باقیہ فلکِ مذکور کے ساتھ وہ نسبت ہے جو فرد اکمل فلک ششم کو اس کے افراد باقیہ کے ساتھ، یا فرد اکمل زمین ہذا یعنی خاتم النبیین ﷺ کو فرد اکمل زمین دوم سے اس طرح تشبیہ دیں اور مراد یہ ہو کہ آپ کو حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے ساتھ مثلاً وہ نسبت ہے جو فرد اکمل زمین دوم کو حضرت آدم وغیرہم علیہم السلام کے مقابل کے افراد زمین دوم کے ساتھ، اور اسی طرح اور افلاک اور اراضی باقیہ میں سمجھ لو، تو محبان نبوی جو فہم خداداد بھی رکھتے ہیں، متامل تو کیا ہوں گے برضا و رغبت اس مضمون کو قبول کریں گے، کیونکہ قطع نظر اشارہ حسن انتظام خداوندی اور دلالت آیت

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ الخ اس صورت میں عظمت شان نبوی ﷺ کس قدر ہے، اگر ہفت زمین کو بطور مذکورہ بترتیب فوق و تحت نہ مانیے تو پھر عظمت و شان محمدی ﷺ بہ نسبت اس قدر عظمت کے جو در صورت تسلیم اراضی ہفت گانہ بطور مذکور لازم آتی تھی، چھ گنی کم ہو جائے گی۔

ظاہر ہے بادشاہ ہفت اقلیم کو اگر کوئی نادان فقط اسی اقلیم کا بادشاہ سمجھے جس میں وہ رونق افروز ہے تو یوں کہو کہ اس کی عظمت کے چھ حصے گھٹا دیے، فقط ایک ہی پر قناعت کی، غرض خاتم ہونا ایک

امر اضافی ہے، بے مضاف الیہ متحقق نہیں ہو سکتا، سو جس قدر اس کے مضاف الیہ ہوں گے اسی قدر خاتمیت کو افزائش ہو گی، جیسے بادشاہت ایک امر اضافی ہے، محکوموں اور رعیت کی افزائش پر اس کی ترقی اور عظمت موقوف ہے، مگر ہاں کوئی نادان آج کل کے نوابوں کو دیکھ کر دھوکہ کھائے اور کہے کہ جیسے آج کل کے نواب بے ملک نواب ہیں، ایسے ہی آنحضرت ﷺ کی خاتمیت اور انبیاء کی محتاج نہیں، جو اس کی ترقی اور افزائش کے لیے نبیوں کے تکثر کی ضرورت ہو، بالجملہ کوئی نادان یا کوئی منافق ایسی باتوں کی تسلیم میں متامل ہو تو اہل فہم اور اہل محبت کو تو تامل نہیں ہو سکتا۔ (تحذیر الناس)

اس کے بعد حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تحقیق کے زیر عنوان فرمایا کہ البتہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اثر منقول ہے جو تواتر تک نہیں پہنچا، نہ اس کے مضمون پر اجماع منعقد ہوا، اس لیے تکلیفِ اعتقاد اور تکفیر منکران تو مناسب نہیں، پر ایسے آثار کا انکار خصوصاً جب کہ اشارہ کلام ربانی بھی اسی طرف ہو، خالی ابتداع سے نہیں، ایسی باتوں کا منکر پورا اہل سنت وجماعت تو نہیں، کیونکہ ائمہ حدیث نے اس کی تصحیح کی ہے۔

اور جس نے اس کو شاذ کہا ہے جیسے امام بیہقی رحمہ اللہ تو انہوں نے صحیح کہہ کے شاذ کہا ہے اور اس طرح سے شاذ کہنا مطاعنِ حدیث میں سے نہیں سمجھا جاتا، كَمَا قَالَ السَّيِّدُ الشَّرِيفُ فِی رِسَالَتِهِ فِی أُصُولِ الحَدِيثِ قَالَ الشَّافِعِی اَلشَّاذُّ مَارَوَاهُ الثِّقَةُ مُخَالِفًا لِمَارَوَاهُ النَّاسُ قَالَ ابنُ الصَّلَاحِ فِيهِ تَفصِيلٌ فَمَاخَالَفَ مُفرَدُهُ اَحفَظَ مِنهُ وَاَضبَطَ فَشَاذٌّ وَّمَردُودٌ وَّإِن لَّم يُخَالِف وَهوَ عَدلٌ ضَابِطٌ فَصَحِيحٌ وَّإِن رَوَاهُ غَيرُضَابِطٍ لٰكِن لَّايَبعُدُ عَن دَرَجَةِ إِنضِبَاطِ فَحَسَنٌ وَّإِن بَعُدَ فَمُنكَرٌ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ شاذ کے دو معنیٰ ہیں۔

① ایک تو یہ کہ روایتِ ثقہ مخالف روایتِ ثقات ہو۔

② دوسرے یہ کہ اس کا راوی فقط ایک ہی ہو۔

سوبایں معنیٰ اخیر من جملہ اقسامِ صحیح ہے، نہ ضدِّ صحیح، رسالہ اصول حدیث جسے مولانا احمد علی رحمہ اللہ نے طبع کروایا تھا، جو مشکوۃ المصابیح کے شروع میں ہے، جس میں بعض لوگوں نے شاذ کی یہ تفسیر کی ہے کہ جس میں ایک ہی راوی ہو جو ثقہ روات کا مخالف نہ ہو، اس رسالہ میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں فَالشُّذُوذُ بِهٰذَا الْمَعْنٰى اَيْضًا لَّايُنَافِى الصِّحَّةِ كَالْغَرَابَةِ وَالَّذِى يُذْكَرُ فِى مَقَامِ الطَّعْنِ هُوَ مُخَالِفُ الثِّقَاتِ اِنْتَهٰى (مقدمہ فی اصول الحدیث) یہ عبارت بعینہ وہی کہتی ہے جو میں نے عرض کیا، سو لفظ شاذ سے کوئی صاحب دھوکہ نہ کھائیں اور یہ نہ سمجھیں کہ جب اثر مذکور شاذ ہوا تو صحیح کیونکر ہو سکتا ہے، وہ شذوذ جو قادحِ صحت ہے بمعنیٰ مخالف ثقات ہے۔

صحیح کی تعریف: چنانچہ سید شریف ہی رسالہ مذکورہ میں تعریف صحیح میں یہ فرماتے ہیں هُوَمَا اتَّصَلَ سَنَدُهُ بِنَقْلِ الْعَدْلِ الضَّابِطِ عَنْ مِّثْلِهِ وَسَلِمَ عَنْ شُذُوذٍ وَّعِلَّةٍ وَّنَعْنِى بِالْمُتَّصِلِ مَالَمْ يَكُنْ مَّقْطُوعًا بِاَيِّ وَجْهٍ كَانَ وَبِالْعَدْلِ مَنْ لَّمْ يَكُنْ مَسْتُورُ الْعَدَالَةِ وَلَا مَجْرُوحًا وَالضَّابِطُ مَنْ يَّكُونُ حَافِظًا مُّتَيَقِّظًا وَبِالشُّذُوذِ مَايَرْوِيهِ الثِّقَةُ مُخَالِفًا لِمَايَرْوِيهِ النَّاسُ وَبِالْعِلَّةِ مَافِيهِ اَسْبَابٌ خَفِيفَةٌ غَامِضَةٌ قَادِحَةٌ (تیسیر مصطلح الحدیث)

اس تقریر سے اہل علم پر روشن ہو گیا ہو گا کہ شذوذ بمعنیٰ مخالفت ثقات مراد نہیں، کیونکہ شذوذ بمعنیٰ مخالفت ثقات صحت کے لیے مضر ہے، جو حدیث بایں معنیٰ شاذ ہے وہ صحیح نہیں ہو سکتی، بایں ہمہ مخالفت وعدم مخالفت کا عقدہ بھی تقریر گزشتہ سے کھل گیا۔

اگر اثر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مخالف تھا تو جملہ خاتم النبیین کے مخالف تھا، یا ان احادیث کے معارض تھا، جو مبین اور مفسر معنیٰ خاتم النبیین ہیں، سو بعد مطالعہ تقریر گزشتہ اہل فہم کو تو ان شاء اللہ کچھ تردد نہ رہے گا کہ اثر مذکور مؤید و مثبت معنیٰ خاتم النبیین ہے، نہ مخالف بلکہ اثر مذکور کا غلط ہونا البتہ ثبوت خاتمیت میں بہت قادح ہے اور کیوں نہ ہو در صورتِ انکارِ اثرِ معلوم خاتمیت کے سات حصوں میں سے ایک ہی حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ (تحذیر الناس)

حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں مدعیانِ محبتِ نبوی ﷺ (نبی کریم ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرنے والوں) سے ہم کو یہ توقع ہے کہ جیسا اس اثر کا انکار کرتے تھے اب اتنا ہی اقرار کریں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر انکار میں تو تکذیب رسول ﷺ (رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانے کا) کھٹکا بھی تھا، اقرار میں تو کچھ اندیشہ ہی نہیں، بلکہ سات زمینوں کی جگہ اگر لاکھ دو لاکھ اوپر نیچے اسی طرح اور زمینیں تسلیم کر لیں تو میں ذمہ کش ہوں کہ انکار سے زیادہ اس اقرار میں کچھ وقعت نہ ہوگی، نہ کسی آیت کا تعارض، نہ کسی حدیث سے معارضہ، رہا اثرِ معلوم، اس میں سات سے زیادہ کی نفی نہیں، سو جب انکار اثرِ مذکور میں باوجود تصحیح ائمہ حدیث یہ جرأت ہے تو اقرار اراضی زائدہ از سبع میں تو کچھ ڈر ہی نہیں۔ علاوہ بریں بر تقدیر خاتمیت زمانی انکار اثر نبوی ﷺ میں کچھ افزائش نہیں۔

ظاہر ہے کہ اگر ایک شہر آباد ہو اور اس کا ایک شخص حاکم ہو، یا سب میں افضل، تو بعد اس کے کہ اس شہر کے برابر دوسرا ویسا ہی شہر آباد کیا جاوے اور اس میں بھی ایسا ہی ایک حاکم ہو، یا سب میں افضل، تو اس شہر کی آبادی اور اس کے حاکم کی حکومت، یا اس کے فردِ افضل کی افضلیت سے حاکم یا افضل شہر اول کی حکومت یا افضلیت میں کچھ کمی نہ آجائے گی اور اگر در صورت تسلیم اور چھ زمینوں کے وہاں کے آدم ونوح وغیرہم علیہم السلام یہاں کے آدم ونوح علیہم السلام وغیرہم زمانہ سابق میں ہوں، تو باوجودِ مماثلتِ کلی بھی آپ کی خاتمیتِ زمانی سے انکار نہ ہو سکے گا، جو وہاں کے محمد ﷺ کے مساوات میں کچھ حجت کیجیے۔ (تحذیر الناس ص ۶۳، ۶۲)

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ہاں اگر خاتمیت بمعنیٰ اتصافِ ذاتی بوصفِ نبوت لیجیے جیسا کہ اس ہیچ مداں نے عرض کیا ہے تو پھر سوا رسول اللہ ﷺ اور کسی کو افرادِ مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی ﷺ نہیں کہہ سکتے، بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افرادِ خارجی ہی پر آپ ﷺ کی افضلیت ثابت نہ ہوگی، افرادِ مقدرہ پر بھی آپ ﷺ کی افضلیت ثابت ہو جائے گی۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت نبوی ﷺ میں کچھ فرق نہ آئے گا، چہ جائے

کہ آپ ﷺ کے معاصر کسی اور زمین میں، یا فرض کیجیے! اسی زمین میں کوئی نبی اور تجویز کیا جائے۔ (تحذیر الناس مؤلفہ حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی رحمہ اللہ)

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بالجملہ ثبوتِ اثرِ مذکور دونا مثبت خاتمیت ہے، معارض ومخالف خاتم النبیین نہیں، جو یوں کہا جائے کہ یہ اثر شاذ بمعنیٰ مخالفِ روایتِ ثقات ہے، اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا ہو گا کہ حسبِ مذہبِ عوم منکرانِ اثر اس اثر میں کوئی علتِ غامضہ بھی نہیں، جو اسی راہ سے انکارِ صحت کیجیے۔ کیونکہ اول تو امام بیہقی علیہ الرحمہ کا اس اثر کی نسبت صحیح کہنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں کوئی علتِ غامضہ، خفیہ، قادحہ فی الصحۃ نہیں، دوسرے شذوذ تھا تو یہی تھا کہ مخالف جملہ خاتم النبیین ہے، اور علت تھی، تب یہی تھی۔ اگر اور کوئی آیت یا حدیث ایسی ہی ہوتی، جس سے سات سے کم، زیادہ زمینوں کا ہونا، یا انبیاء کا کم وبیش ہونا یا نہ ہونا ثابت ہوتا، تو کہہ سکتے تھے کہ وجہِ شذوذ یہ ہے، مگر آج تک نہ کسی نے ایسی آیت وحدیث سنی، نہ مدعیوں نے پیش کی۔ (تحذیر الناس)

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علی ھذا القیاس مضمونِ علت قادحہ کو خیال فرمایئے، آج تک سوائے مخالفتِ مضمونِ مذکور کسی نے کوئی وجہ قادح فی الاثر المذکور پیش نہیں کی، اور فقط احتمال بے دلیل اس باب میں کافی نہیں، ورنہ بخاری ومسلم کی حدیثیں بھی اس حساب سے شاذ ومعلل ہو جائیں گی، اور نیز یہ بھی واضح ہو گیا ہو گا کہ یہ تاویل کہ یہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے یا انبیائے اراضی ماتحت سے مبلغان احکام مراد ہیں، ہرگز قابل التفات نہیں۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ باعث تاویلاتِ مذکورہ فقط یہی مخالفتِ خاتمیت تھی، جب مخالفت ہی نہیں تو ایسی تاویلیں کیوں کیجیے، جن کو مدلول معنیٰ مطابق سے کچھ علاقہ ہی نہیں۔ (تحذیر الناس)

اس قدر دلائل وبراہین پیش کرنے کے بعد حضرت حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کا انکار کرنے والا اہل سنت والجماعت سے خارج ہے، آپ فرماتے ہیں کہ سو جب اثرِ مذکور مرفوع ہوا، اور سند اس کی صحیح، آیتِ مذکور اس کی

مؤید، محبت نبوی ﷺ اس کی طرف مائل، حسنِ انتظام جو ہر نوع میں مشہور ہے، اس پر شاہد، عظمتِ قدرت اس پر دال، تس پر (باوجودیکہ) بھی انکار کیا جائے تو بجز اس کے کیا کہا جائے کہ امثالِ روافض وخوارج واہل اعتزال ایسی باتیں کیا کرتے ہیں۔ ان فرقوں نے بھی بوجہِ قصورِ فہم آیات، وآلہ رویت وتقدیر وخلق افعال میں تاویلیں کیں اور احادیث مصرحہ مضامین مذکورہ کو تسلیم نہ کیا، بلکہ تکذیب سے پیش آئے، سو جیسے آیاتِ مذکورہ کی تاویلوں اور احادیث مذکورہ کی تکذیبوں کے باعث اہلِ حق نے ان کو دائرہ اہلِ سنت وجماعت سے خارج سمجھا، ایسے ہی منکرِ اثرِ مذکور کو بھی سمجھنا چاہیے۔ (تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباس)

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تمام ان مضامین سے فراغت حاصل ہوئی اور بحمد اللہ! تمام شکوک اور اوہام کا استیصالِ کلی ہو گیا تو لازم یوں ہے کہ توضیح نبیؐ کنبیکم ایسی طرح کیجیے جس سے رسول اللہ ﷺ کی افضلیت اور اراضی سافلہ کے خواتم کی آپ کے ساتھ مشابہت، دونوں معاً ایسی طرح ثابت ہو جائیں کہ پھر کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہے، اور نیز یہ اشکال بھی مرتفع ہو جائے کہ مماثلت فی النسبت کا آیت اللہ الذی میں مراد ہونا تو مسلم، وجود مذکورہ بالا اس بات کے اثبات کے لیے کافی، پر اَثر میں اس تشبیہ کو جو اول سے آخر تک موجود ہے تشبیہ فی النسبت کہنا بظاہر مخالفِ ظاہر ہے، یہاں تو تشبیہ مفرد کہیے، تو بجا ہے، تشبیہ فی النسبت کہیں تو وہی تشبیہ مرکب لازم آئے گی۔ (تحذیر الناس)

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان تمام مضامین کے مطالعہ کرنے والوں کو یہ بات بخوبی روشن ہو گئی ہو گی کہ درصورت تسلیم اراضی دیگر بطورِ معلوم بشہادتِ جملہ خاتم النبیین تمام زمینوں میں ہمارے ہی نبی پاک، شہ لولاک ﷺ کی جلوہ گری ہو گی، اور وہاں کے انبیاء آپ ﷺ ہی کے دریوزہ گر ہوں گے اور سب جانتے ہیں کہ اس میں جو فضیلت ہے درصورِ انکارِ اراضی ماتحت وہ فضیلت ہاتھ سے جاتی رہے گی۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ عقلی دلائل دینے سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ بعد اس تفصیل کے بطور خلاصہ تقریر و دلائل یہ عرض ہے کہ ہر زمین میں اس زمین کے انبیاء کا خاتم ہے، پر ہمارے رسول مقبولِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے خاتم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ وہ نسبت ہے جو بادشاہ ہفت اقلیم کو بادشاہان اقالیم خاصہ کے ساتھ نسبت ہوتی ہے۔ جیسے ہر اقلیم کی حکومت اس اقلیم کے بادشاہ پر اختتام پاتی ہے، چنانچہ اسی وجہ سے اس کو بادشاہ کہا، آخر بادشاہ وہی ہوتا ہے، جو سب کا حاکم ہوتا ہے، ایسے ہی ہر زمین کی حکومتِ نبوت اس زمین کے خاتم پر ختم ہو جاتی ہے۔ پر جیسے ہر اقلیم کا بادشاہ باوجودیکہ بادشاہ ہے، پر بادشاہِ ہفت اقلیم کا محکوم ہے، ایسے ہی ہر زمین کا خاتم اگرچہ خاتم ہے پر ہمارے خاتم النبیین کا تابع ہے۔ جیسے بادشاہ ہفت اقلیم کی عزت اور عظمت اپنی اس اقلیم کی رعیت پر حاکم ہونے سے، جس میں خود مقیم ہے، اتنی نہیں سمجھی جاتی جتنی کہ بادشاہانِ اقالیمِ باقیہ پر حاکم ہونے سے سمجھی جاتی ہے، ایسی ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور عظمت فقط اس زمین کے انبیاء کے خاتم ہونے سے نہیں سمجھی جاسکتی، جتنی خاتمینِ اراضی سافلہ کے خاتم ہونے سے سمجھی جاتی ہے۔ (تحذیر الناس)

حجۃ الاسلام حضرت العلام مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے ان دلائل کے مطالعہ سے ہمارا دل باغ باغ اور بہت سا خون بڑھ گیا ہے، جس میں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عظیم اس طرح ثابت کی کہ دوسرا اس فکر عظیم کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکا، آپ نے ان نام نہاد مسلمانوں پر تعجب کا اظہار فرمایا جو بڑی سختی سے باقی زمینوں کے خاتموں کا انکار کرتے ہیں، بلکہ باقی زمینوں سے ہی انکار کرتے ہیں، باوجودیکہ ماننے والوں پر کفر کے فتویٰ چسپاں کرتے ہیں، پھر حدیث شریف کا انکار کرنے والے اپنے کو اعلیٰ درجے کا اہل سنت کہتے نہیں تھکتے جب کہ دوسروں کو کافر بنانے اور بتانے پر کمربستہ دکھائی دیتے ہیں۔

ان نام نہاد اہل سنت کی مثال حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے ان لوگوں کے ساتھ دی ہے جن سب کی ناکیں کٹی ہوئی تھیں، ان میں ایک ایسا شخص آگیا جو صحیح وسالم ناک والا تھا، ان سب ناک کٹوں نے

اسے دیکھ کر ناکو ناکو کہنا شروع کر دیا تھا۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ ان نام نہاد اہل سنت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ ان کا خیال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی شان بڑھا چڑھا کر بیان کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، ان لوگوں کے خیال میں نبی کریم کو عظیم الشان سمجھنے والا کافر ہو جاتا ہے، ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے اتنی محبت نہ کرو ورنہ سنی نہیں رہو گے، اس پر حضرت نانوتوی نے وجد و مستی کے عالم میں فرمایا کہ اگر یہی کفر و اسلام ہے اور یہی سنت و بدعت ہے تو اس اسلام سے کفر بہتر ہے، اگر یہی سنت ہے تو پھر اس سنت سے بدعت افضل ہے۔

جیسے امام شافعی رحمۃ اللہ نے ان لوگوں کے مقابلے میں جو اہل بیت سے محبت کرنے کو رفض سمجھتے تھے ایک شعر کہا کہ

اِن کَانَ رِفضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ فَلیَشْھَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّی رَافِضِیٌ

اگر آل محمد ﷺ کی محبت اور عشق کا نام رافضیت ہے تو پھر دونوں جہاں گواہ بن جائیں میں بے شک آل محمد سے محبت و عقیدت کا دم بھر کر رافضی ہوں۔

اسی طرح یہ لوگ بھی کان کھول کر سن لیں جو رسول کریم ﷺ کی اس قدر زیادہ محبت رکھنے سے کہ آپ ﷺ کی جس قدر محبت ہمارے دلوں میں پہلے سے تھی اس سے سات گنا بڑھ جائے یہ برا مانتے ہیں اور زیادہ محبت رسول ﷺ رکھنے والوں کو کافر، دائرہ اسلام سے خارج اور اہل سنت و جماعت سے باہر سمجھتے ہیں ان کے سامنے امام شافعی رحمۃ اللہ کی زبان مبارک سے کہے گئے اشعار کو ذرا بدل کر پڑھنا پڑے گا کہ

اِن کَانَ کُفرًا حُبُّ قَدرِ مُحَمَّدٍ فَلیَشْھَدِ الثَّقَلَانِ اِنِّی کَافِرُ

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ کی تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح دکھائی دے رہی ہے کہ جس طرح آسمان سات ہیں، جیسے آیات قرآنیہ سے واضح ہو رہا ہے اسی طرح زمینیں بھی سات ہیں، جیسے

سورۃ الطلاق کی اس آخری آیت میں مِثلُھُنَّ سے اشارہ دیا گیا ہے، پھر اس کی مزید تفسیر ابن عباس کی مرفوع روایت میں ہے، جس کو سمجھنے میں بہت سوں کو غلطی لگی اور انہوں نے اس روایت کو موضوعات میں لکھ دیا، کسی نے اسے اسرائیلیات میں شمار کر کے جان چھڑانے کی کوشش کی، کسی نے اس آیت کی عظیم الشان تفسیر کرنے والوں پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔

مگر حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ نے ثابت کیا کہ جس طرح ہماری زمین ہے اسی طرح اس کے نیچے چھے زمینیں اور بھی ہیں، جس طرح اثر ابن عباس میں آیا کہ ہر زمین پر نبی ہیں یہ بات بھی ٹھیک ہے، اگر نبی کریم ﷺ کو صرف ساتویں زمین کا نبی اور خاتم النبیین مانا جائے تو اس میں آپ ﷺ کی شان اتنی زیادہ معلوم نہیں ہوتی جس قدر ساتوں زمینوں کے نبیوں کی نبوت پر اور ساتوں زمینوں کے خام الانبیاؤں کے اوپر آپ ﷺ کو خاتم الانبیاء ماننے سے آپ کی شخصیت کو پہلے سے بھی مزید چار چاند لگتے دکھائی دیتے ہیں۔

انجان لوگ تو آپ ﷺ کو صرف ساتویں زمین کا نبی اور خاتم النبیین مانتے ہیں جب کہ امام نانوتوی ان ساری زمینوں کے نبیوں کا بھی نبی آپ ﷺ کو مانتے ہیں اور ان زمینوں کے خاتم الانبیاؤں کے اوپر آخری خاتم الانبیاء بھی آپ ہی کو مانتے ہیں، اس لیے جن لوگوں نے امام نانوتوی کو خواہ مخواہ ان کی جلالت علمی کو نہ سمجھتے ہوئے کفر کا فتویٰ دیا تھا وہ غلطی پر تھے۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غایت مافی الباب ملائکہ کو حسب اصطلاح نبی نہ کہو، پر نبوت بمعنیٰ نزول اور امر بہر حال ثابت ہے اور یہ بات پہلے ثابت ہو چکی کہ یہ زمین سب زمینوں سے اوپر ہے اور وہ زمینیں اوپر تلے اس کے تلے واقع ہیں اور نزول اوپر سے کسی چیز کے آنے کو کہتے ہیں، اس صورت میں نزولِ امر اِدھر سے اُدھر کو ہو گا، تاکہ مضمون بَینَھُنَّ متحقق ہو، کیونکہ نزولِ احکامِ الٰہی اراضی باقیہ میں بے واسطہ حضرت سرور کائنات ﷺ ہوا کرتا، تو در صورتیکہ مرجع ضمیر جمع مذکور میں اراضی بھی داخل ہوں، تو یوں نہ فرماتے بلکہ یَتَنَزَّلُ الاَمرُ فِیھِنَّ یا عَلَیھِنَّ فرماتے۔ (تحذیر)

علمائے لکھنؤ نے فرمایا کہ مخفی نہ رہے کہ حدیثِ مذکور محققین محدثین کے نزدیک معتمد ہے، حاکم نے اس کے حق میں صحیح الاسناد کہا اور ذہبی نے حسن الاسناد کا حکم دیا اور اس حدیث کے ثبوت میں کوئی علت قادحہ معتمدہ نہیں ہے اور زمین کے طبقات جداگانہ ہونا بہت احادیث سے ثابت ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سلسلہ نبوت اس طبقہ میں واسطے ہدایت سکان کے تیار ہوا، اسی طرح ہر ہر طبقہ میں سلسلہ نبوت واسطے ہدایت وہاں کے سکان کے تیار ہوا اور چونکہ بدلائل عقلیہ ونقلیہ لامتناہی سلسلہ کی باطل ہے، لاجرم ہے کہ ہر طبقہ میں ایک مبدأ سلسلہ ہوگا کہ وہ ہمارے آدم کے ساتھ مشابہ کیا گیا، اور ایک آخر سلسلہ ہوگا وہ ہمارے خاتم کے ساتھ تشبیہ دیا گیا، پس بناءً علیہ اواخر انبیاء طبقات تحتانیہ پر اطلاق خواتم کا درست ہے۔ (تتمہ تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباس)

اب یہاں تین احتمال ہیں

① ایک یہ کہ خواتم طبقات تحتانیہ بعد عصر آنحضرت ﷺ کے ہوئے ہوں۔

② دوسرے یہ کہ مقدم ہوئے ہوں۔

③ تیسرے یہ کہ ہم عصر ہوں۔

احتمال اول بحدیث لا نبی بعدی وغیرہ باطل ہے اور بر تقدیر احتمال ثانی آنحضرت ﷺ خاتم انبیائے طبقات ہوں گے اور بر تقدیر ثالث دو احتمال ہیں

① ایک یہ کہ نبوت آنحضرت ﷺ کی مخصوص ساتھ ایک ہی طبقہ کے ہو اور آپ ﷺ کی خاتمیت بہ نسبت انبیاء اسی طبقہ کے ہو اور ہر طبقہ تحتانیہ میں وہاں کے

خاتم کی رسالت ہو اور ہر ایک ان میں کے صاحبِ شرعِ جدید و خاتم انبیاء اپنے طبقات کا ہو۔

② دوسرے یہ کہ خواتمِ طبقاتِ تحتانیہ منبعِ شریعت محمدیہ ہوں اور کوئی ان میں کا صاحبِ شرعِ جدید نہ ہو اور دعوت ہمارے حضرت ﷺ کی عام اور ختم آپ ﷺ کا بہ نسبت جملہ انبیاء جملہ طبقات کے حقیقی

ہو اور ختم ہر ایک خواتم باقیہ کا بہ نسبت اپنے اپنے سلسلہ کے اضافی ہو۔

احتمال اول بہ سبب عموم نصوص بعثتِ نبویہ ﷺ کے کہ جس سے صاف آنحضرت ﷺ کا مبعوث ہونا تمام عالم پر معلوم ہوتا ہے اور علمائے اہل سنت بھی اسی امر کی تصریح کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے عصر میں کوئی نبی صاحبِ شرعِ جدید نہیں ہو سکتا اور نبوت آپ ﷺ کی عام ہے اور جو نبی آپ ﷺ کے ہم عصر ہو گا وہ متبع شریعت محمدیہ کا ہو گا، چنانچہ تقی الدین سبکی علیہ الرحمہ سے جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ اپنے رسالہ الاعلام بحکم عیسی علیہ السلام میں نقل کرتے ہیں

قَالَ السُّبکی فی تَفسِیرلَّهُ مَامِن نَبی اِلَّا اَخَذَاللّٰه عَلَیهِ المِیثَاقُ اَنَّهُ اِن بُعِثَ مُحَمَّدٌ فی زَمَانِهِ لَیُؤمِنُنَّ بِهِ وَلَیَنصُرُنَّهُ وَیُوصِی اُمَّتَهُ بذَالِك وَفِیهِ مِنَ النُّبُوَةِ وَتَعظِیمُ قَدرِهِ مِمَّالَا یَخفٰی وَفِیهِ مَعَ ذَالِك اَنَّهُ عَلٰی تَقدِیرِ مَجِیئِهِ فی زَمَانِهِم یَکُونُ مُرسَلًا اِلَیهِ وَیَکُونُ بنُبُوَّتِهِ رِسَالَتُهُ عَامَّةٌ لجَمِیعِ الخَلقِ مِن زَمَن آدَمَ اِلٰی یَومِ القِیَامَةِ وَیَکُونُ الاَنبِیَاءِ وَاُمَمُهم کُلُّهم مِن اُمَّتِهِ فَالنَّبی ﷺ نَبیُ الاَنبیَاءِ وَلَو اتَّفَقَ بَعثُهُ فی زَمَن آدَمَ وَنُوحٍ وَّاِبرَاهیم وَمُوسیٰ وَعِیسیٰ وَجَبَ عَلَیهم وَعَلٰی اُمَمِهم اَلاِیمَانُ بِهِ وَنُصرَتُهُ وَلِهذَا یَاتی عِیسیٰ فی آخِرِ الزَّمَان عَلٰی شَرِیعَتِهِ وَلَو بُعِثَ النَّبی عَلَیهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فی زَمَانِهِ وَفی زَمَان مُوسیٰ وَاِبرَاهیم وَنُوح وَآدَم کَانُوا مُستَمِرِّینَ عَلٰی نُبُوَّتِهِم وَرِسَالَتِهِم اِلٰی اُمَمِهِم وَالنَّبی عَلَیهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَبیٌ عَلَیهِم وَرَسُولٌ اِلٰی جَمِیعِهِم

اور بحر العلوم مولانا عبد العلی رحمۃ اللہ اپنے رسالہ فتح الرحمٰن میں لکھتے ہیں مقتضی ختم نبوت دو چیز است یکے آن کہ بعد وے رسول نباشد و دیگر آن کہ شرعِ وے عام باشد و ہر کسے کہ موجود باشد وقتِ نزولِ شرع وے بر واجب و فرض است، و سرش ایں کہ ہمہ رسل در اجرائے شرع مستمد از خاتم الرسالت اند چوں کہ شرع وے عام باشد پس دیگرے صاحبِ شرع نباشد، انتہیٰ

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما صحیح و معتبر ہے اور اس سے طبقات تحتانیہ میں وجودِ انبیاء ثابت ہے اور بہ سبب بطلان لامتناہی سلسلہ کہ ہر ایک طبقہ میں ایک آخر انبیاء بہ نسبت اس طبقہ کے ہونا ضروری ہے، لیکن مطابق عقائد اہل سنت یہ امر ہے کہ دعوت ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عام، تمام مخلوقات کو شامل ہے۔ پس اس امر کا اعتقاد کرنا چاہیے کہ خواتم طبقات باقیہ بعد عصر نبویہ نہیں ہوئے، یا قبل ہوئے یا ہم عصر اور بر تقدیرِ اتحادِ عصر وہ متبع شریعت محمدیہ ہوں گے اور ختم ان کا بہ نسبت اپنے طبقہ کے اضافی ہوگا اور ختم ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام ہوگا۔ (تتمہ تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباس)

علمائے لکھنؤ میں علامہ عبد الحئی لکھنوی رحمہ اللہ نے اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سندی حیثیت کو کھنگالنے کے لیے درمیانی سائز کے چوبیس صفحات پر بڑی تفصیلی اور قال اقول کی طرز پر بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس اثر کی سندی حیثیت بڑی مضبوط ہے اور یہ اثر صحیح الاسناد ہے۔

علامہ عبد الحئی لکھنوی رحمہ اللہ نے ساتویں زمین کے علاوہ باقی چھ زمینوں پر انبیاء کرام کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے "الآیات البینات علی وجود الانبیاء فی الطبقات" نامی کتاب تحریر فرمائی تھی، اسی طرح انہوں نے اثر ابن عباس کی سندی حیثیت کو ثابت کرنے کے لیے "دافع الوسواس فی اثر ابن عباس" نامی معرکۃ الآرار سالہ تحریر فرمایا۔

علمائے لکھنؤ کہتے ہیں کہ ہر گاہ کہ یہ امر ممہد ہو چکا، پس سمجھنا چاہیے کہ زید کو جس نے یہ عبارت، جو سوال میں مرقوم ہے، لکھی، ہر گاہ مماثلت سے انکار ہے اور صحتِ حدیث اور ثبوتِ تعددِ خواتم طبقات تحتانیہ کا قائل ہے، مخالف اہل سنت کے نہیں ہے، نہ کافر ہے، نہ فاسق، بلکہ متبع سنت ہے، مگر ہاں اگر نبوت محمدیہ کو ساتھ اسی طبقہ کے خاص کرتا ہو اور ہر ایک خاتم کو صاحبِ شرع جدید سمجھتا ہو، تو البتہ قابل مؤاخذہ کے ہے، کیونکہ یہ امر خلافِ نصوص و خلافِ کلماتِ علماء معلوم ہوتا ہے اور اگر مجرد تعددِ خواتم کا قائل ہو اور ختم ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی بہ نسبت جملہ انبیاء جملہ طبقات کے سمجھتا ہو اور ختم ہر ایک خواتم باقیہ کو اضافی کہتا ہو تو اس پر کچھ مؤاخذہ نہیں ہے۔

"تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباس" کے آخر میں حضرت مولانا عبد الحئ صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی چند صفحات پر مشتمل یہ تحریر موجود ہے، جن کا اس مضمون کی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مضمون کے ساتھ بڑی مطابقت پائی جاتی ہے۔ تحذیر الناس کی عبارات پر اشکالات کیے گئے، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے ان کے تسلی بخش جوابات دیے، جو مناظرہ عجیبہ نامی کتاب میں موجود ہیں، ایک اعتراض واشکال تحذیر الناس کی عبارت پر یوں کیا گیا کہ تحقیق صاحب انسان کامل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی طبقہ میں طبقات سافلہ سے انسان کا نشان نہیں وہ لکھتے ہیں کہ دوسرے طبقہ میں مومنین جن آباد ہیں، تیسرے میں مشرکین جن، چوتھے میں شیاطین پانچویں میں عفاریت، چھٹے میں مرَدہ ساتویں میں عفاریت وحیات نمونہ عذاب جہنم۔ (منقول از مناظرہ عجیبہ ۵۴)

اس کے جواب میں حضرت حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مولانا! (یہ اعتراض کرنے والے مولانا عبد العزیز ہیں، جن کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت نانوتوی نے کہا مولانا!) اگر تحقیق صاحب انسان کامل سے ترتیب کیفیت آبادی طبقات سافلہ بطور مرقوم فی المحذور معلوم ہوتی ہے تو حضرت ابن عباس حبر امت کی تحقیق سے وہ کیفیت معلوم ہوتی ہے جو اثر مذکور میں مسطور ہے۔

پھر اثر مذکور کو محدثان والا مقام صحیح الاسناد کہتے ہیں اور صحیح الاسناد ہونا کسی حدیث کا بعد اس کے کہ کسی حدیث قوی کی نص جلی کے معارض نہ ہو بلکہ نصوص قطعیہ اس کی مؤید ہوں موجب صحت متن ہوتا ہے، سو مخالفت تو معلوم ہی ہو چکی، رہی موافقت تفسیر آیت اَللّٰهُ الَّذِی خَلَقَ سَبعَ سَمٰوَاتٍ وَ الارض مِثلُهنَّ کو جو رسالہ تحذیر میں مرقوم ہے، بنظر انصاف دیکھیے اور پھر فرمایئے ہے کہ نہیں۔ لیکن جیسے اس حدیث کی تصحیح محدثین سے ثابت ہے مضامین انسان کامل کا مرفوع ہونا اور پھر ان کی تصحیح محدثین سے منقول نہیں، پھر بایں ہمہ حسبِ مزعوم جناب مخالف اثر مذکور جو بالیقین اس سے قوی اب آپ ہی انصاف سے فرمائیں کہ بعد اس مخالفت کے قول صاحب انسان کامل قابل قبول رہا یا نہ رہا۔

دوسرے آپ دعوے تو یہ کرتے ہیں کہ کسی طبقہ میں طبقات سافلہ میں سے انسان کا نشان نہیں اور پھر دلیل ایسی پیش کرتے ہیں کہ جس سے اور انواع کا طبقات سافلہ میں موجود معلوم ہوتا ہے انسان کی نفی نہیں نکلتی ورنہ یہی قاعدہ ہے تو۔ اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ اور وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وغیرہ آیات سب اس بات پر دلالت کریں گی کہ زمین میں سوا بنی آدم اور کوئی نوع نہیں اور چونکہ بالبداہتہ اور انواع خارج از حد شمار اس زمین میں موجود ہیں تو نعوذ باللہ کذب کلام ربانی لازم آئے گا۔ مولانا! آپ نے انسان کامل میں یہ بھی تو دیکھا ہوتا کہ اس زمین کی نسبت کیا لکھا ہے، مولانا! وہ کیسی بات ہے کہ احادیث اور اقوال بزرگان دین باہم موافق رہیں آپ کی نظر تلاش تعارض ہی میں کیوں مصروف ہے؟ (مناظرہ عجیبہ ۵۵)

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے مولانا کے ایک مکتوب کے جواب میں فرمایا کہ اس حدیث کی تصحیح صوفیاء کرام نے بھی کی ہے جن کو آپ اس کا اہل نہیں سمجھتے ان کی نااہلی آپ کے اہلوں کی اہلیت سے بڑھی ہوئی ہے، انہوں نے حدیث کو صحیح فرمایا ہے اور اس کے معنٰی ایسے بیان کیے کہ آیت سے معارض نہیں۔ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس قول میں اشارہ طرف عالم مثال کے فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ کے لیے سات زمین عالم مثال میں ہیں کہ ہر زمین میں آدم سے لے کر تمہارے نبی تک اور ایک روایت میں عباس تک ہر ایک کی مثال موجود ہے۔

دیکھیے اب اس حدیث سے تعدد مثالی ظلی لازم آیا اور یہ منافی وحدت شہادت اصلی کا ہرگز نہیں چنانچہ ایک شخص کے گرد متعدد آئینہ نصب کیے جائیں تو ہر آئینہ میں مثال موجود ہو گی مگر اس کی وحدت شخصیہ خارجیہ میں کچھ خلل نہیں آئے گا، دیکھنے والے ہر آئینہ میں اسی ایک کو موجود کہیں گے اسی طرح یہاں پر ہر زمین میں وہی ایک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہیں۔ (مناظرہ عجیبہ ۱۰۴)

حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی کتابیں ہمارے جیسے لوگوں کو بھی زیادہ سمجھ نہیں آتیں جو ہمہ وقت کتابوں کو الٹتے پلٹتے رہتے ہیں، ورق گردانی کرتے رہتے ہیں، ان کے عمدہ عمدہ مضامین دیکھ کر ہم جھوم ہی سکتے ہیں، دل باغ باغ ہو جاتا ہے، اس مقام پر جس قدر خوبصورت بحث حضرت نانوتوی کے قلم حقیقت رقم سے آئی ہے کسی اور کتاب میں نظر سے نہیں گزری، حتی کہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، ابن کثیر رحمہ اللہ، جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اور بڑے بڑے اساطین علم و عرفان کے قلم سے بھی اس طرح تفصیل نہیں آئی، بندہ نے اس مقام پر سیر حاصل بات کرنے کے لیے اچھا بھلا وقت حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی کتابوں کو دیکھنے میں گزارا ہے، کئی کئی بار ان کتابوں کو دیکھنے کے بعد جو کچھ سمجھ آتا رہا میں اسے حضرت حجۃ الاسلام کے الفاظ ہی میں اپنی تفسیر میں ذکر کرتا رہا، چونکہ میرے پاس اتنی ہمت اور علمی طاقت نہیں ہے کہ میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے الفاظ کو کماحقہ اپنے الفاظ میں بیان کروں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس مقام کو مزید سمجھا دے، آمین۔

"دافع الوسواس فی اثر ابن عباس" نامی کتاب مولانا عبدالحئ لکھنوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمائی، جس میں اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اسنادی حیثیت واضح کرنے کی کوشش فرمائی، یہ کتاب بہت ہی بوسیدہ حالت میں دستیاب ہوئی، جس کے چند صفحات بندہ عاجز نے دوبارہ لکھے، مختصر سا رسالہ ہے، مگر پر انا ہونے کی وجہ سے ساری عبارات سمجھ میں نہیں آتیں، اس کے ابتدائی صفحات پیش خدمت ہیں، جو اثر ابن عباس کی اسنادی حیثیت کو واضح کر رہے ہیں۔

مولانا عبدالحئ لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ دو تین سال سے اثر ابن عباس آدم کآدمکم الخ میں درمیان علمائے زمان کے منازعت واقع ہوئی، ایک طائفہ سے افراط، دوسرے سے تفریط ہوئی، ایک جماعت نے ابطال حدیث مذکور میں سعی بلیغ فرمائی، دوسری جماعت سے اس کے بیان میں تحریف ہونے لگی، نوبت یہاں تک پہنچی کہ صدائے کفر ہر طرف سے اٹھی، اور یہ طریقہ مستمرہ علمائے زمان کا

ہے کہ جس مسئلہ میں منازعت کرتے ہیں اگرچہ وہ مسئلہ لائق تفسیق نہ ہو اس میں ایک دوسرے پر آوازہ کفر کرتے ہیں، اجتماع اسلامی کے افتراق کا کچھ خیال نہیں کرتا ہے۔

اور قبل اس کے اس فقیر نے اس باب میں ایک تحریر کی تھی، اس میں صحت حدیث واثبات تعدد طبقات ووجود انبیاء ومخلوقات وغیرہ نفی مماثلت محمدیہ کے تقریر کی تھی، بالفعل ایک رسالہ مسمیٰ بکشف الالتباس فی اثر ابن عباس نظر سے گزرا، اس کے دیکھنے سے یہ کمال تحیر ہوا، اس کے مؤلف نے میری تحریر پر خدشات کیے اور علمائے ہندوستان پر الزام عدم مہارت علم حدیث کرنے لگے، اور یہ نہ سمجھے کہ یہ الزام خود بدولت پر عائد ہے، تحریر حضرت والا اس پر شاہد ہے، بنظر احقاق حق اس کے جواب میں ایک رسالہ لکھتا ہوں اور اس کا نام "دافع الوسواس فی اثر ابن عباس" رکھتا ہوں۔

اولاً ان وجوہ کا جو ارباب تفریط نے واسطے عدم مقبولیت حدیث کی اپنی تحریرات میں قائم کیں ہیں دفع کیا جاتا ہے، پس ازاں حضرت معترض کے کلام کا تعاقب ہوتا ہے اور اثنائے کلام میں ارباب افراط کی تحریف کا ابطال ہوتا ہے، اور غرض مجھ کو اس تحریر سے تعصب ونفسانیت نہیں بلکہ فقط احقاق حق ولو کرہ المفرطون (راہ پر شد) وابطال باطل ولو کرہ المفرطون (راہ کے نیچے زیر)

ناظرین بانصاف سے امید یہ ہے کہ میری تحریرات کو بغور ملاحظہ کریں اور جو مراد ان کی رائے میں مخدوش معلوم ہو اس کو مجھ سے استفسار کریں نہ جیسا کہ شان جہلاء کی ہے کہ جس کی تحریر اپنے خلاف دیکھتے ہیں بغیر سمجھے بوجھے رد لکھنے پر مستعد ہوتے ہیں اور اپنی نفسانیت کو پردہ اظہار حق میں پوشیدہ کرکے اپنا مبلغ استعداد ظاہر کرتے ہیں، وعلی التوکل وبالاعتماد ومنہ التوفیق الی طریق السداد۔

جاننا چاہیے کہ اثر ابن عباس صحیح السند ہے، روایت اس کی معتمد ہے، وقف اس کا صوری ہے، حقیقت میں وہ مرفوع حکمی ہے، شذوذ واختلاط واجمال وغیرہ اس کی صحت میں قادح نہیں، مضمون اس کا معارض ومخالف قرآن وحدیث واجماع نہیں، اس کی تاویل کرنے کی اور خواہ مخواہ حقیقی کو چھوڑ کر معنیٰ مجازی لینے کی حاجت نہیں، ظاہر معنیٰ پر حمل کرنے میں کسی طرح قباحت نہیں۔

احادیث متعددہ سے ثبوت سات طبقہ زمین کا اور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ تک پانچ صد سال کی راہ ہونے کا کامل ہے، قول ارباب ہئیت کا کہ زمین کے طبقات متصل ہیں اور درمیان میں اس کے ایک مرکز ہے اور مابین طبقات کے کوئی مخلوق نہیں مردود و باطل ہے۔

تعین مخلوقات طبقات تحتانیہ میں کوئی حدیث صریح وارد نہیں، علماء متقدمین میں اختلاف ہے مثل خفاجی کے، حواشی تفسیر بیضاوی میں اور سید شریف جرجانی کی شرح مواقف میں ابن ابی جمرہ کی شرح صحیح احادیث مختصر صحیح بخاری میں علم اس کا حق جل شانہ کی طرف محول کیا اور بعضوں نے مثل حلبی و شبلی وزرقانی و قسطلانی وغیرہ کے بمقتضائے بعض اخبار کے طبقات تحتانیہ کو مسکن جن تجویز کیا اور بعضوں نے مثل صاحب بدیع الدھور وغیرہ کے ہر طبقہ ایک صنف جدید کی سکونت کا حکم نقل کیا اور ظاہر عبارات بعض مفسرین سے مثل بغوی و محلی کے طبقات تحتانیہ میں نبوت معلوم ہوتی ہے۔

اثر ابن عباس کی تصدیق ہوتی ہے اور اثر ابن عباس سے مثل آنحضرت ﷺ کا ہونا ہرگز ثابت نہیں جو اس کا مدعی ہو قول اس کا باطل ہے، معتقدِ مثل محمدی مخالف اہل اسلام و جاہل ہے، برائے اہل اسلام آنحضرت ﷺ کی ذات افضل المخلوقات واکرم الممکنات ہے، کسی مخلوق کی شرکت آپ کی صفات کمالیہ مختصہ میں از قبیل ممتنعات ہے اور ظاہر اثر ابن عباس سے طبقات تحتانیہ میں مکلفین کا ہونا اور ان پر انبیاء کا مبعوث ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ امر مفہوم ہوتا ہے کہ جس طرح سے اس طبقہ میں سلسلہ نبوت کا واسطے ہدایت یہاں کے سکان کے تیار ہوا اسی طرح سے ہر ایک طبقہ میں ایک ایک سلسلہ نبوت کا واسطے ہدایت وہاں کے سکان کے تیار ہوا اور چونکہ بدلائل عقلیہ ونقلیہ لاتناہی سلسلہ کے باطل لاجرم ہر طبقہ میں ایک مبدء سلسلہ ہوگا کہ وہ ہمارے آدم کے ساتھ تشبیہ دیا گیا اور ایک سلسلہ ہوگا کہ وہ ہمارے خاتم کے ساتھ تشبیہ دیا گیا، بناءً علیہ اواخر سلاسل تحتانیہ پر اطلاق (اگر کوئی کہے کہ جب ہر طبقہ میں خاتم ہوئی تو بعثت ہمارے حضرت کی عام نہ ہوگی اور جواب اس کا یہ ہے کہ ہر طبقہ کا آخر بااین معنیٰ ہے کہ بعد اس کے اس طبقہ میں نبی نہیں ہوگا اگرچہ نبوت اس طبقہ کے نبی کی

وہاں نہیں پہنچی) خواتم کا منکر نہیں، اور ان کی خاتمیت خاتمیت حقیقیہ محمدیہ میں مضر نہیں، اس واسطے کہ بر تقدیر وجود انبیاء طبقات تحتانیہ میں اواخر سلاسل تحتانیہ میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ وہ بعد عصر آنحضرت ﷺ کے ہوئے ہوں، دوسرے یہ کہ مقدم ہوئے ہوں تیسرے یہ کہ ہم عصر ہوئے ہوں، احتمال اول بنصوص متعددہ باطل ہے اور بر تقدیر ثانی آنحضرت ﷺ کی خاتمیت عامہ میں کچھ شبہ نہیں اور بر تقدیر ثالث دو احتمال ہیں۔

ایک یہ کہ نبوت آنحضرت ﷺ کی مخصوص ساتھ اسی طبقہ کے ہو اور ہر طبقہ تحتانیہ میں وہاں کے نبی کی رسالت ہو اور ہر ایک ان میں کا صاحب شرع جدید ہو، دوسرے یہ کہ اواخر انبیاء طبقات تحتانیہ متبع شریعت محمدیہ ہوں اور کوئی ان میں کا صاحب شرع جدید نہ ہو اور دعوت ہمارے حضرت کی عام ہو اور ختم آپ کا بہ نسبت جملہ انبیاء جملہ طبقات کے حقیقی ہو اور ختم ہر ایک اواخر سلاسل تحتانیہ کا بہ نسبت اپنے کے اضافی ہو، احتمال اول بسبب عموم نصوص بعثت محمدیہ مثل آیہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وآیہ لیکون للعالمین نذیرا وحدیث بُعثتُ الی الخلق کافۃ وغیرہ کی کہ صاف صاف آنحضرت ﷺ کی عموم بعثت پر دال ہیں اور کسی زمان ومکان کے ساتھ مقید نہیں ہیں، باطل ہے اور یہ کہنا کہ مراد عالمین سے فقط اس طبقہ کی مخلوق ہے نہ کل طبقات کی قول باطل وبلا دلیل ہے، اس وجہ سے کہ کوئی نص اس تخصیص پر دلالت نہیں کرتی ہے اور مجرد عقل سے تخصیص نصوص عامہ کی نہیں ہو سکتی ہے، ہاں اگر کوئی نص قوی صاف اس پر دلالت کرے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت خاص ساتھ اسی طبقہ کے ہے البتہ اس وقت نصوص عامہ کی تخصیص کا حکم دے سکتے ہیں اور بغیر تخصیص شرعی کے مجرد رائے وعقل سے تخصیص پر جرأت نہیں کر سکتے ہیں اور علمائے اہل سنت بھی اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے عصر میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا اور نبوت آپ ﷺ کی تمام مکلفین کو شامل ہے اور جو نبی آپ کے ہم عصر ہو گا وہ متبع شریعت محمدیہ ہو گا، پس بہر تقدیر بعثت محمدیہ عام ہے اور خاتمیت احمدیہ حقیقی ہے شامل ہر خاص وعام ہے۔

الحاصل حدیث ابن عباس کو صحیح و معتبر سمجھنا چاہیے اور جس قدر اس کی ظاہر سے ثابت ہے بغیر چوں وچرا کے اس کو تسلیم کرنا چاہیے اور قول وجود امثال محمدیہ کو با تخصیص بعثت احمدیہ کو بلا دلیل باطل تصور کرنا چاہیے نہ یہ کہ حدیث کو باطل ٹھہراویں جیسا کہ ایک طائفہ نے کیا اور نہ یہ کہ اس سے امثال محمدیہ ثابت کریں یا نصوص بعثت محمدی کو خواہ مخواہ خاص سمجھیں جیسا کہ دوسرے طائفہ نے کیا۔

خلاصہ میری رائے کا ہے اور محصل اعتقاد کا ہے اور تفصیل ان سب امور کی کماحقہ منکشف ہوتی ہے، باطل کو حق سے اور حق کو باطل سے تمیز ہوتی ہے۔ قال البعض (بعض لوگوں نے کہا کہ) اثر ابن عباس صحاح ستہ متداولہ میں مروی نہیں ہے اس وجہ سے اس کی صحت پر اعتماد کلی نہیں ہے۔

اقول (میں عبدالحئ لکھنوی کہتا ہوں) احادیث صحیحہ کا انحصار صحاح ستہ میں نہیں ہے اور تصحیح ارباب صحاح ستہ پر منحصر نہیں ہے بلکہ جو حدیث کہ خارج صحاح ستہ مروی ہووے اور اس پر کوئی حافظ معتمد صحت یا حسن کا حکم دیوے اس کو صحیح یا حسن سمجھنا چاہیے، قاضی بدرالدین جماعہ مختصر میں لکھتے ہیں

لَمْ يَسْتَوْعِبِ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ فِي كِتَابَيْهِمَا كُلَّ الصَّحِيحِ، قَالَ الْبُخَارِيُّ: مَا أَدْخَلْتُ فِي كِتَابِيَ الْجَامِعِ إِلَّا مَا صَحَّ، وَتَرَكْتُ مِنَ الصِّحَاحِ لِحَالِ الطُّولِ، وَقَالَ مُسْلِمٌ: لَيْسَ كُلُّ مَا صَحَّ عِنْدِي وَضَعْتُهُ هٰهُنَا، وَإِنَّمَا وَضَعْتُ مَا أَجْمَعُوا عَلَيْهِ. ثُمَّ قِيلَ: لَمْ يُفْتِيهِمَا إِلَّا قَلِيلٌ، وَقِيلَ: فَاتَهُمَا كَثِيرٌ مِنْهُ، وَإِنَّمَا لَمْ لَقِيتِ الْأُصُولَ الْخَمْسَةَ إِلَّا الْقَلِيلُ، وَهٰذَا أَصَحُّ. وَالْمَعْنَى بِالْأُصُولِ الْخَمْسَةِ: كِتَابُ الْبُخَارِيِّ، وَمُسْلِمٍ، وَأَبِي دَاوُدَ، وَالتِّرْمِذِيِّ، وَالنَّسَائِيِّ. وَيُعْرَفُ الزَّائِدُ عَلَيْهَا بِالنَّصِّ عَلَى صِحَّتِهِ مِنَ الْأَئِمَّةِ، مُعْتَمَدٌ فِي السُّنَنِ الْمُعْتَمَدَةِ، لَا بِمُجَرَّدِ وُجُودِهِ فِيهَا، إِلَّا إِذَا اشْتَرَطَ مُؤَلِّفُهَا الصِّحَّةَ، كَكِتَابِ ابْنِ خُزَيْمَةَ، وَأَبِي بَكْرٍ الْبَرْقَانِيِّ. اس سے معلوم ہوا کہ عوام میں جو مشہور ہے کہ جو حدیث صحیح ہے وہ

صحاح ستہ میں موجود ہے محض غلط ہے بلکہ مدار صحت وجود شرائط صحت ہے خواہ صحاح ستہ میں ہو غیر صحاح ستہ میں ہو۔

قال البعض: تفسیر قرآن کہ ابن عباس سے منقول ہے اکثر پر اعتماد کلی نہیں ہے اور سند اس کی مخدوش و مقدوح ہے پس یہ قول ابن عباس کا جو تفسیر آیہ ومن الارض مثلھن میں واقع ہے غیر معتبر ہے۔

اقول: تفسیر ابن عباس کے جملہ طرق مقدوح نہیں بلکہ بعض طرق مثل طریق کلبی وغیرہ کے جیسا کہ سیوطی نے اتقان فی علوم القرآن میں بتفصیل ذکر کیا ہے اور مانحن فیہ میں سند قوی ہے اور ارباب تصحیح نے اس کی تصحیح کی ہے، پس اس کے عدم اعتبار کی کیا وجہ ہے؟

قال البعض: اثر ابن عباس اخبار آحاد سے ہے اور خبر آحاد باب اعتقادات میں مقبول نہیں۔

اقول: اگر مراد یہ ہے کہ خبر آحاد مفید یقین نہیں ہے تو درست ہے لیکن کچھ ضرر نہیں اس وجہ سے کہ حکم وجود انبیاء کا طبقات تحتانیہ میں بشہادت اس اثر کے بطور قطع ویقین کے نہیں کیا جاتا یہاں تک کہ منکر اس کا کافر ہو جاوے بلکہ بطور ظن کے اور ہم کو ایمان اجمالی جمیع انبیاء کے ساتھ ضرور ہے تفصیل انبیاء میں یقین ضرور نہیں اس باب میں ظن کافی ہے بلکہ منکر نفس طبقات بھی کافر نہیں ہے جیسا کہ خفاجی حواشی بیضاوی میں لکھتے ہیں

قَوْلُهُ فِي الْعَدَدِ، وَأَشَارَ إِلَى الْأَرْضِ، كَالسَّمَاءِ سَبْعُ طَبَقَاتٍ مُتَفَاصِلَةٍ، وَهُوَ الْمَعْرُوفُ فِي الْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ، وَقِيلَ: هِيَ الْأَقَالِيمُ السَّبْعَةُ، وَلَيْسَتْ هٰذِهِ الْمَسْأَلَةُ مِنْ ضَرُورِيَّاتِ الدِّينِ، حَتّٰى يُكَفَّرَ مَنْ أَنْكَرَ فِيهَا أَوْ تَرَدَّدَ فِيهَا، وَالَّذِي نَعْتَقِدُ أَنَّهَا طَبَقَاتٌ سَبْعٌ، لَهَا سُكَّانٌ مِنْ خَلْقِهِ، يَعْلَمُهُ اللهُ.

اور اگر مراد یہ ہے کہ خبر احاد کا باب اعتقادات میں مطلقاً اعتبار نہیں تو محض غلط ہے اور نظیر اس کی اختلاف علماء ہے نبوت لقمان وذوالقرنین وخضر وتبع وآسیہ ومریم وغیرہن کہ بعض علماء نے ان کی

نبوت باخبار آحاد و دلائل ظنیہ ثابت کی ہے اور بعض نے انکار کیا ہے، پس اگر دلائل ظنیہ مفید باب نبوت میں نہ ہوتے علماء مقرین کیوں اپنے دعاوی پر دلائل ظنیہ پیش کرتے ؟

قال البعض: اثر ابن عباس کے روات مخدوش ہیں، اس وجہ سے اس پر اعتماد نہیں ہو سکتا ہے۔

اقول: اس کی تخریج کے دو طریق معتمد و مستند ہیں، ایک عن شریک عن عطاء عن ابی الضحیٰ عن ابن عباس بیہقی اور حاکم وغیرہ نے اس طریق سے اخراج کر کے صحیح کہا اور ابن حجر نے فتح الباری میں بیہقی کے قول کو نقل کر کے سکوت کیا اور علامہ زرقانی رسالہ اجوبۃ الاسئلہ میں لکھتے ہیں

السُّؤَالُ الْخَامِسُ وَالسَّادِسُ وَالْأَرْبَعُونَ:هَلِ الْأَرْضُ سَبْعُ طَبَقَاتٍ كَالسَّمَاءِ، وَهَلْ فِيهِنَّ خَلْقُ اللهِ؟الْجَوَابُ:قَالَ اللهُ تَعَالَى: (وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ)،وَقَالَ فِي آيَةٍ أُخْرَى: (أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا).قَدْ قَالُوا: «طِبَاقًا» فِي الْآيَةِ الْأُولَى مَرَادٌ، وَإِنْ لَمْ يُذْكَرْ، فَتَكُونُ الْمِثْلِيَّةُ فِي الْأَرْضِ كَذَلِكَ.قَالَ ابْنُ حَجَرٍ:وَيَدُلُّ لَهُ مَا رَوَاهُ ابْنُ جَرِيرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي (وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ)،قَالَ: فِي كُلِّ أَرْضٍ مِثْلُ إِبْرَاهِيمَ نَحْوُهُ عَلَى الْأَرْضِ هَكَذَا،أَخْرَجَهُ مُخْتَصَرًا بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ، وَأَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ مُطَوَّلًا،وَأَوَّلُهُ: سَبْعُ أَرَضِينَ، فِي كُلِّ أَرْضٍ آدَمُ كَآدَمِكُمْ، وَنُوحٌ كَنُوحِكُمْ،وَإِبْرَاهِيمُ كَإِبْرَاهِيمِكُمْ،وَعِيسَى كَعِيسَاكُمْ،وَنَبِيٌّ كَنَبِيِّكُمْ قَالَ الْبَيْهَقِيُّ: إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ،إِلَّا أَنَّهُ شَاذٌّ بِمَرَّةٍ.انْتَهَى.

اور سیوطی نے بھی در منثور میں بیہقی کی تصحیح کو نقل کر کے سکوت کیا، عبارت ان کی ہے أَخْرَجَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ، وَالْحَاكِمُ صَحَّحَهُ، وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ،وَفِي كِتَابِ الْأَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ،مِنْ طَرِيقِ أَبِي الضُّحَىٰ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ:سَبْعُ أَرَضِينَ، فِي كُلِّ أَرْضٍ نَبِيٌّ كَنَبِيِّكُمْ،وَآدَمُ كَآدَمِكُمْ، وَنُوحٌ كَنُوحِكُمْ، وَإِبْرَاهِيمُ كَإِبْرَاهِيمِكُمْ،وَعِيسَىٰ

كَعِيسَاكُمْ قَالَ الْبَيْهَقِيُّ: إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ لَكِنَّهُ شَاذٌّ بِمَرَّةٍ لَا أَعْلَمُ لِأَبِي الضُّحٰى مُتَابِعًا عَلَيْهِ انْتَهٰى.

اور مستدرک حاکم میں ہے حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يَعْقُوبُ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ غَنَّامٍ حَدَّثَنَا عَلِى بْنُ حَكِيمٍ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِى الضُّحٰى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِى قَوْلِهِ تَعَالٰى وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ قَالَ سَبْعَ اَرَضِينَ فِى كُلِّ اَرْضٍ نَبِىٌّ كَنَبِيِّكُمْ وَآدَمُ كَآدَمِكُمْ وَنُوحٌ كَنُوحٍ وَابراهيم كابراهيم وعيسىٰ كعيسىٰ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ انتهىٰ اور ذہبی نے اس طریق پر حکم حسن کا دیا چنانچہ بدرالدین شبلی آکام المرجان میں بعد نقل عبارت حاکم کے لکھتے ہیں قَالَ شَيْخُنَا الَّذِى إِسْنَادُهُ حَسَنٌ انتهىٰ

دوسرا طریق عن شعبۃ عن عمروبن مرۃ عن ابی الضحیٰ عن ابن عباس حاکم نے اس طریق سے اخراج کرکے حکم صحت کا دیا، عبارت ان کی یہ ہے حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ حَدَّثَنَا اِبرَاهِيمُ بْنُ الْحُسَيْنِ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بن مُرّہ عن ابی الضحیٰ عن ابن عباس قَالَ فِى كُلِّ اَرض نَحوِابرَاهِيم هٰذَا حَدِيثٌ عَلَى شَرطِ الْبُخَارِى وَمُسلِمٌ انتهىٰ اور ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ان کی موافقت کی چنانچہ شبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں قَالَ شَيْخُنَا الذَّهبى هٰذَا حَدِيثٌ عَلَى شَرطِ الْبُخَارِى وَمُسلِم انتهىٰ ہر گاہ بتصریح بیہقی وحاکم وذہبی بسکوت واقرار ابن حجر رحمہ اللہ وسیوطی رحمہ اللہ وشبلی رحمہ اللہ اس حدیث کی ثقاہت ثابت ہوگئی اس کے قابل استناد ہونے میں کیا گفتگو رہی؟ (دافع الوسواس)

الحمدللہ ثم الحمدللہ، آج سورۃ الطلاق کے مضامین پایہ تکمیل کو پہنچے ہیں، اللہ تعالیٰ اس تفسیر کو اپنی عالی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے، اسے ہمارے لیے فلاح دارین کا ذریعہ بنائے۔ آمین بحرمۃ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

خادم اسلام، محمود الرشید عباسی حدوٹی

۲۴ فروری ۲۰۱۹ء بروز اتوار بوقت سوا سات بجے قبل العشاء والعشاء

تعارف سورۃ التحریم

سوال سورۃ التحریم کا تعارف کروائیے۔

جواب سورۃ التحریم قرآن مجید کی ۶۶ ویں سورت ہے، یہ مدنی سورت ہے اور اس میں ۱۲ آیات، ۲۴۷ کلمات اور ۱۰۶۰ حروف ہیں، اس سورت کو "سورۃ النبی" بھی کہا جاتا ہے۔

سورۃ التحریم کا مرکزی موضوع نبی اکرم ﷺ اور آپ کی ازواج کے درمیان پیش آنے والے بعض واقعات اور ان سے متعلقہ احکام و نصائح ہیں، اس سورت میں نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نرمی اور محبت کے ساتھ عتاب کیا گیا کہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج کی خوشنودی کے لیے اپنے اوپر وہ چیز حرام کرلی جو اللہ نے آپ ﷺ کے لیے حلال کی تھی، اس کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کو بھی تقویٰ، توبہ، اور اہل وعیال کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔

شان نزول: سورۃ التحریم کے نزول کے اسباب میں دو مشہور واقعات بیان ہوئے ہیں

① **واقعہ ماریہ قبطیہ:** روایات کے مطابق، نبی اکرم ﷺ نے اپنی باندی مارِیہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا تاکہ اپنی زوجہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو راضی کر سکیں، حفصہ نے اس راز کو عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا، جس پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ نبی ﷺ کو اللہ کی حلال کردہ چیز کو اپنے اوپر حرام نہیں کرنا چاہیے۔

② **واقعہ شہد:** ایک اور روایت کے مطابق، نبی ﷺ کو شہد بہت پسند تھا اور آپ ﷺ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں شہد نوش فرمایا، جس پر بعض ازواج نے مل کر آپ ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ کے منہ سے مغافیر (ایک قسم کی بودار گوند) کی بو آرہی ہے، اس پر آپ نے قسم کھائی کہ آئندہ شہد نہیں پیئیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

خصوصیات: نبی ﷺ کی ازواج کے ساتھ معاملہ: سورت میں نبی ﷺ کی ازواج کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کو بیان کرکے امت کو یہ سبق دیا گیا کہ اہل خانہ کے ساتھ معاملات میں نرمی، حکمت اور

صبر سے کام لینا چاہیے۔

توبہ اور تقویٰ: سورت میں توبہ نصوح کی تلقین کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

حدود اللہ اور اطاعت: سورت کے آخر میں اہل ایمان کو اپنے آپ اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچانے کی تلقین کی گئی ہے، اور اللہ و رسول کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے۔

ازواج نبی ﷺ کی عظمت: سورۃ التحریم میں نبی ﷺ کی ازواج کا ذکر الگ طور پر کیا گیا ہے، تاکہ ان کے مقام و مرتبہ کو واضح کیا جائے اور انہیں عام عورتوں کے ساتھ نہ ملایا جائے۔

خواتین کے لیے عبرت: آخر میں حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں اور حضرت آسیہ علیہا السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر کر کے عورتوں کے لیے عبرت اور نمونہ پیش کیا گیا ہے۔

سورۃ الطلاق کے ساتھ مناسبت: سورۃ التحریم اور سورۃ الطلاق کے درمیان گہری مناسبت ہے: دونوں سورتوں کا آغاز نبی اکرم ﷺ سے خطاب سے ہوتا ہے یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ۔ سورۃ الطلاق میں عام مسلمانوں کے لیے طلاق، عدت اور عورتوں کے حقوق و فرائض کے احکام بیان کیے گئے ہیں، جبکہ سورۃ التحریم میں نبی ﷺ اور آپ ﷺ کی ازواج کے درمیان پیش آنے والے خاص واقعات اور ان سے متعلقہ احکام بیان ہوئے ہیں۔ سورۃ الطلاق میں ازدواجی زندگی کے مسائل اور ان کے حل کے اصول بیان کیے گئے، جبکہ سورۃ التحریم میں ازدواجی زندگی میں پیش آنے والی آزمائشوں اور ان کے حل کے لیے نبی ﷺ کو نمونہ بنایا گیا ہے۔ دونوں سورتوں میں عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت، عدل و انصاف اور اللہ کی حدود کی پاسداری پر زور دیا گیا ہے۔ سورۃ التحریم میں نبی ﷺ کی ازواج کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کو بیان کر کے امت کو یہ سبق دیا گیا کہ اہل خانہ کے ساتھ معاملات میں نرمی، حکمت اور صبر سے کام لینا چاہیے۔

سورۃ التحریم

کسی حلال کو حرام قرار دینا

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ شان نزول بیان کیجیے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ {۱} التحریم.

جواب **ترجمہ:** اے نبی آپ اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہو جسے اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا، آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر حضرت زینب بنت جحش کے پاس ٹھیر جایا کرتے تھے (جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم) کا معمول تھا کہ عصر کے بعد تمام ازواج کے حجروں میں تشریف لے جاتے تاکہ ان کے احوال کا علم ہو، اور ازواج مطہرات کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و تشریف آوری موجب برکت و راحت ہو) اس وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس شہد آیا ہوا تھا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پلایا تو دو چار روز اس کے نوش فرمانے میں دیر لگی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا نے باہمی مشورہ سے یہ طے کیا کہ ہم میں سے جس کسی کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو ہم یہ کہیں کہ یارسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے تو مغافیر (ایک قسم کے گوند کو کہا جاتا ہے) کی بدبو آرہی ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کو ترک کردیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے کہا میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے مغافیر کی بدبو محسوس کررہی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغافیر کھایا ہے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حفصہ رضی اللہ عنہا کے یہاں گئے تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا۔

آپ ﷺ نے فرمایا نہیں میں نے تو شہد پیا ہے، اس پر آپ ﷺ نے طبعی ناگواری کے ساتھ فرمایا خدا کی قسم میں اب شہد نہیں پیوں گا تو اس طرح آپ ﷺ نے اپنی قسم کے ذریعے ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا، اس کے متعلق یہ سورت نازل ہوئی۔ (بخاری و مسلم)

اے ہمارے پیغمبر! کیوں حرام کرتے ہو وہ چیز جو اللہ نے آپ کے واسطے حلال کی ہے اگرچہ مصلحتاً کسی حلال چیز سے عملاً پرہیز کرنا کوئی ممنوع فعل نہیں جب کہ عقیدۃً انسان حلال چیز کو حلال ہی سمجھتا رہے مگر پھر بھی وہ آنحضرت ﷺ کی شان رفیع کے مناسب نہ تھی تو فرمایا چاہتے ہیں آپ اپنی بعض ازواج کی خوشنودی، خوش خلقی اور ازواج کی خوشنودی بھی اچھی چیز ہے، لیکن جس حد تک اس کی ضرورت نہ ہو یا کسی کی خوشنودی دوسری کے لیے دل شکنی اور رنج کا ذریعہ بنے یہ آپ ﷺ کے مقام عالی کے مناسب نہیں تو اس پر درگزر ہے اور اللہ غفور رحیم ہے وہ اس قسم کی غیر مناسب یا خلافِ اَولی باتوں کو درگزر فرماتا ہے اور اپنی رحمت و مہربانی سے نوازتا ہے۔

کتب اَسباب النزول میں اور علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کی تفسیر میں اس کے شان نزول میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ام ولد حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر لائے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو اس کے ساتھ پایا تو کہنے لگیں کہ آپ اسے میرے گھر میں کیوں لائے ہیں؟ آپ نے اپنی ازواج میں سے میرے ساتھ ایسا معاملہ صرف میرے آپ کے ہاں کمتر اور رذیل ہونے کی وجہ سے کیا ہے۔

تو آپ نے فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بات ذکر نہ کرنا، یہ مجھ پر حرام ہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا یہ آپ کی باندی ہے یہ آپ پر حرام کیونکر ہو سکتی ہے؟ تو آپ نے قسم اٹھالی کہ میں اس کے قریب نہ جاؤں گا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا یہ بات کسی سے ذکر نہ کرنا۔

لیکن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کی تو آپ ﷺ نے قسم اٹھالی کہ میں اپنی بیویوں کے پاس ایک ماہ تک نہ جاؤں گا اور آپ ﷺ نے انہیں انتیس دن تک چھوڑے رکھا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی (اسباب النزول، نیشاپوری ۳۵۸، سیوطی ۳۰۷)

قسم توڑنے کا کفارہ

سوال ایک شخص کوئی قسم کھالیتا ہے، قسم کھانے کے بعد اب وہ اپنی قسم سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو وہ کیا کرے؟ اس آیت کریمہ کی روشنی میں بتائیے۔

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ {۲} التحریم

جواب ترجمہ: اللہ نے تمہاری قسموں سے نکلنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے، اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہی ہے جس کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔

قسم کھانے کے بعد اگر کوئی شخص اپنی قسم سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ رب تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے کہ قسم کھانے والا اپنی قسم سے رجوع کرلے اور قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرے، قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنانے ہیں، یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، اگر کوئی شخص ایسا نہیں کر سکتا تو پھر اس کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ تین دن کے روزے رکھے۔

مفسر قرآن امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے ذیل میں تین مسائل بیان فرمائے ہیں، مسئلہ نمبر ① قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم یمین کی تحلیل کفارہ ہے یعنی جب تم نے جس امر کے بارے میں قسم اٹھائی ہے اس کو مباح کرنے کو پسند کرو تو کفارہ ہی اس کی تحلیل (ختم کرنے والا) بن سکتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِينَ (المائدہ:۸۹)

اس سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے جس نے ماکول یا مشروب میں سے کسی چیز کو حرام کیا، ہمارے نزدیک وہ چیز اس پر حرام نہ ہوگی کیونکہ کفارہ، قسم کے لئے ہوتا ہے تحریم کے لئے نہیں ہوتا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہر حال میں اسے قسم خیال کرتے ہیں اور اس میں مقصود، انتفاع کا اعتبار کرتے ہیں جس کو وہ حرام قرار دیتے ہیں، جب اس نے کھانے کو حرام قرار دیا تو اس نے اس کے کھانے کے بارے میں قسم اٹھائی، جب لونڈی کو حرام کیا تو اس نے اس کے ساتھ وطی کے بارے میں قسم اٹھائی،

بیوی کو حرام کیا تو اس سے ایلاء کیا جب اس کی کوئی نیت نہ ہو، اگر ظہار کی نیت کی تو ظہار ہو گا، اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق بائنہ ہو گی۔

اس طرح اگر اس نے دو یا تین طلاقوں کی نیت کی، اگر اس نے کہا: میں نے جھوٹ کی نیت کی ہے، تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی، قضاءً اس کی تصدیق نہ کی جائے گی کہ ایلاء کو باطل کیا جائے، اگر اس نے کہا: ہر حلال چیز اس پر حرام ہے تو مراد کھانا اور مشروب ہو گا جب وہ نیت نہ کرے بصورت دیگر جس کی وہ نیت کرے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسے قسم شمار نہیں کرتے لیکن عورتوں میں صرف ایک کفارہ کا سبب مانتے ہیں، اگر طلاق کی نیت کی تو یہ ان کے نزدیک طلاق رجعی ہو گی۔ اگر قسم اٹھائی کہ وہ اسے نہیں کھائے گا، وہ حانث ہو جائے گا اور کفارہ ادا کرنے سے قسم سے فارغ ہو جائے گا۔

لونڈی یا بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کی صورت میں کفارہ کا لزوم: مسئلہ نمبر ② اگر اس نے اپنی لونڈی یا اپنی بیوی کو حرام کیا تو اس پر کفارہ یمین لازم ہو گا جس طرح صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جب ایک آدمی نے اپنے اوپر اپنی بیوی کو حرام کر لیا تو یہ قسم ہے اس کا کفارہ ادا کرے ① اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کفارہ کی ادائیگی میں پایا جانے والا اختلاف: مسئلہ نمبر ③ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ ادا نہیں کیا ② کیونکہ آپ کی شان ہے: قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ اس سورت میں کفارہ یمین کا حکم امت کو دیا گیا ہے جبکہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے پھر امت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتی ہے۔ حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام آزاد کر کے کفارہ ادا کیا۔

مقاتل رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو جو اپنے اوپر حرام کیا تھا، اس سلسلہ میں ایک غلام کو آزاد کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے لونڈی کو تم پر حلال کیا ہے اس کی وضاحت اس ارشاد میں ہے ،**مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهُ** (الاحزاب :۳۸) یعنی حلال عورتوں میں سے جو آپ ﷺ کے لئے مشروع کیں یعنی تمہارے لئے ملک یمین (لونڈی) کو حلال کیا تو تم ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنی ذات پر کیوں حرام کرتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے تم پر حلال کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **تَحِلَّةُ الْيَمِينِ** سے مراد استثناء کرنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے استثناء کو مقدر کیا ہے جس کو یمین سے خارج کر دیا گیا ہے۔ پھر ایک قوم کے نزدیک قسم سے استثناء جائز ہے جب وہ چاہے اگرچہ ایک عدت درمیان میں حائل ہو چکی ہو۔

اکثر علماء کے نزدیک متصل ہی جائز ہے، گویا فرمایا: جن امور کے بارے میں قسم اٹھائی ہے اس میں استثناء کر لو، قسم کو کفارہ کے ساتھ ہی ختم کیا جا سکتا ہے، یہ لفظ اصل میں تحللۃ ہے اس میں ادغام کر دیا گیا ہے، تفعلۃ یہ باب تفعیل کا مصدر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تحلۃ یہ کفارہ ہے، قسم اٹھانے والے نے جسے اپنے اوپر حرام کیا تھا کفارہ اسے قسم اٹھانے والے پر حلال کر دے گا، جب اس نے کفارہ ادا کر دیا تو وہ اس طرح ہو جائے گا گویا اس نے قسم اٹھائی ہی نہیں تھی۔

وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ: اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے جس چیز کو تم اپنے اوپر حرام کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے ممنوعیت کو زائل فرماتا ہے اور کفارہ کے ذریعے قسموں کو ختم کر کے تمہارے لئے رخصت پیدا فرماتا ہے اور جو تم کفارہ ادا کرتے ہو اس پر تمہیں ثواب عطا فرماتا ہے۔ (تفسیر قرطبی)

عارف باللہ علامہ ابو القاسم عبد الکریم بن ھوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر رحمت فرماتے ہوئے یہ آیت نازل کی، اور ایک قول یہ ہے کہ آپ نے ایک غلام آزاد کر کے کفارہ دیا اور حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے دوبارہ مقاربت کی۔

اللہ سبحانہٗ نے یہ سنت جاری کی ہے کہ جب اس کا بندہ کسی چیز سے زیادہ محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو غیرت آتی ہے اور وہ اس کے دل کو اس چیز سے ہٹا دیتا ہے، پھر کچھ مدت کے بعد دوبارہ اس کو اس چیز کی طرف متوجہ کر دیتا ہے، اسی طریقہ پر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے دل کو آپ کی زوجات کی طرف سے ہٹا دیا اور آپ ﷺ ان سے الگ ہو گئے، اور آپ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو (رجعی) طلاق دی اور انتیس راتوں تک حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مقاربت سے رکے رہے، اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی غیرت کی وجہ سے تھا، حتیٰ کہ سب نے دلوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا۔ (تفسیر القشیری ج۳ ص ۳۳۳)

رازدانی اور افشائے راز

سوال نبی کریم ﷺ نے ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تھا، اس سلسلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا کیا قصہ ہے؟ ان آیات کے ترجمہ و تفسیر کی روشنی میں بتائیے

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ {۲} اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ {۴} عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا {۵} التحریم

جواب ترجمہ: اور جب نبی ﷺ نے ایک بات اپنی ایک بیوی سے آہستہ سے بیان فرمادی پھر جب وہ بات اس بیوی نے بتادی اور اللہ نے وہ بات نبی پر ظاہر فرمادی تو پیغمبر ﷺ نے کچھ بات بتادی اور کچھ بات سے اعراض کیا، پھر جب نبی ﷺ نے وہ بات اس بیوی کو بتادی تو اس نے کہا کہ آپ کو اس کی کس

نے خبر دی؟ آپ نے فرمایا مجھے جاننے والے خبر رکھنے والے نے خبر دی۔ اے دونوں بیویو! اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کرلو تو تمہارے دل مائل ہوگئے، اور اگر پیغمبر کے مقابلہ میں تم دونوں آپس میں کاروائیاں کرتی رہو تو اللہ ان کا مولیٰ ہے اور جبریل بھی اور نیک مسلمان بھی، اور ان کے علاوہ فرشتے مدد گار ہیں، اگر پیغمبر تم عورتوں کو طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلہ ان کو تم سے اچھی بیویاں عطا فرمادے گا جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، فرمانبرداری کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزے رکھنے والیاں ہوں گی کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنی بیوی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ایک راز کی بات کی تھی، وہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام کرنے سے متعلق تھی، آپ ﷺ نے راز افشاء کرنے سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو منع کیا تھا مگر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے راز کو راز نہ رہنے دیا، بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کر دیا، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اس راز کے افشاء کی خبر دے دی کہ جس بی بی کو آپ ﷺ نے راز کی بات بتائی تھی وہ اس نے دوسری بی بی کو بتادی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پر اس بات کو واضح فرمادیا کہ آپ ﷺ کو اس بات کی خبر دے دی گئی ہے کہ راز فاش ہو چکا ہے، مگر آپ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے شکوہ کی صورت میں ساری بات نہیں بتائی تاکہ انہیں زیادہ شرمندگی اور ندامت کا سامنا نہ کرنا پڑے، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو جب افشاء راز کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ کو کس نے خبر دی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے علیم وخبیر (بہت علم رکھنے والے اور بہت خبر رکھنے والے) نے خبر دی ہے، جس پر کوئی پوشیدہ رہنے والی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا: سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو توبہ کی طرف متوجہ فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرلو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ تمہارے دل صحیح راہ سے ہٹ گئے تھے تمہاری باتوں سے متأثر ہو کر رسول اللہ ﷺ نے شہد پینے اور اپنی جاریہ سے

متمتع ہونے سے اجتناب کرنے کا ارادہ فرمالیا تھا اور اس کے بارے میں قسم کھالی تھی حالانکہ آپ کو یہ چیزیں پسند تھیں ان باتوں سے جو رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچی اس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے کی طرف متوجہ فرمایا۔

پھر فرمایا کہ اگر تم دونوں ایک دوسرے کا تعاون کرتی رہیں، ان چیزوں میں جو نبی کریم ﷺ کو پریشان کرنے والی ہیں تو پھر یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اللہ اپنے حبیب کا دوست ہے، مددگار ہے، جبریل مددگار ہے، اور نیک ایمان والے اور فرشتے ان کے مددگار اور دوست ہیں، یہ سارے اللہ کی مدد کے بعد آپ ﷺ کے اعوان وانصار ہوں گے، ان لوگوں کے خلاف جو آپ ﷺ کو ایذا دیں گے اور آپ ﷺ کو تکلیف پہنچائیں گے۔

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ: اس بات پر بھی خبردار کردیا گیا کہ اے نبی کی ازواج! اگر رسول کریم ﷺ تمہیں طلاق دے دیں اور تمہاری جگہ دوسری عورتوں سے شادی کرلیں جو اطاعت میں اللہ کے لیے عاجزی کرنے والی ہوں، اللہ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھنے والیاں ہوں، وہ بہت عبادت گزار ہوں، روزے دار ہوں، ان میں ثیبات بھی ہوسکتی ہیں اور کنواریاں بھی تو یہ بھی ممکنات میں سے ہے، اس لیے اس طرف دھیان رہنا چاہیے۔

اپنی اور اپنے اہل وعیال کی دینی تربیت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ {٦} التحریم

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، اس پر فرشتے مقرر ہیں جو سخت مزاج ہیں مضبوط ہیں وہ اس کام میں اللہ کی نافرمانی

نہیں کرتے جس کا وہ انہیں حکم دیتا ہے، اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

ہر مسلمان آدمی اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے یوں بچا سکتا ہے کہ جن باتوں کے بجالانے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے ان کے بجالانے کی اور جن سے منع فرمایا ہے ان سے باز رہنے کی خود بھی کوشش کرے اور اپنے گھر والوں کو بھی اس کی تاکید کرتا رہے، سمجھا کر، ڈرا کر، پیار سے، مار سے جس طرح ہو سکے دیندار بنانے کی کوشش کرے، روزہ وحج زکوٰۃ ایسے فرائض ہیں جن کے ادا کرنے کا وقت سال میں یا عمر میں ایک دفعہ آتا ہے۔

نماز ایک ایسا فرض ہے کہ دن رات میں پانچ وقت اسے ادا کرنا ہے اس لیے گھر والوں کو اس کی خاص تاکید رکھنے کا حکم سورۃ طٰہٰ کی آیت، وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ میں ہے، یہ تو نماز کا دنیا کا اہتمام ہوا کہ قرآن اور حدیث میں جگہ جگہ اس کا ذکر ہے، عقبیٰ میں بھی باقی کے سب فرائض سے پہلے نماز کا حساب ہو گا، چنانچہ معتبر سند سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کا ذکر ہے اسی واسطے مسند امام احمد اور ابوداؤد وغیرہ میں جو روایتیں ہیں ان میں ہے کہ سات برس کے لڑکے کو نماز کی زبانی تاکید کی جائے اور دس برس کے لڑکے یا لڑکی کو نماز ادا نہ کرنے پر تادیبی کارروائی کی جائے، اگرچہ اس عمر کے بچوں پر نماز فرض نہیں ہے لیکن یہ تاکید اس لیے ہے کہ بالغ ہونے کے بعد مسلمانوں کی اولاد کو نماز کی عادت رہے۔

آتش دوزخ: آگے فرمایا کہ وہ آگ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں مراد یہ ہے کہ جہنم کی آگ بہت شدید الحرارت ہے اور جس طرح دنیا کی آگ لکڑی وغیرہ سے جلتی ہے جہنم کی آگ کافر اور بت وغیرہ ان چیزوں سے جلتی ہے اس پر ایسے فرشتے مسلط ہیں یعنی زبانیہ، جو نہایت غصہ اور سختی والے اور بڑی قوت و شوکت دہشت والے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ پر جو فرشتے تعینات ہیں اگر ان میں سے ایک فرشتہ بھی زمین پر آجائے تو اس کی خوفناک صورت دیکھ کر تمام دنیا کے لوگ مر جائیں آگے۔ فرمایا کہ دنیا کے جیل خانے میں جیل کے داروغہ

یانگہبان کبھی بعض قیدیوں سے مل جاتے ہیں اور ان قیدیوں کی طرح طرح سے رعایت کرنے لگتے ہیں اس لیے فرمایا کہ دوزخ کے داروغہ نگہبانوں کا یہ حال نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے پورے فرمانبردار ہیں اس واسطے وہ اللہ کے حکم کی پوری تعمیل کریں گے۔ (تفسیر مظہر القرآن)

اس آیت کے ذیل میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ارشاد ربانی ہے کہ اپنے گھرانے کے لوگوں کو علم وادب سکھاؤ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قوا انفسکم اھلیکم نارا کا مطلب یہ ہے اعْمَلُوا بِطَاعَةِ اللهِ وَاتَّقُوا مَعَاصِيَ اللهِ، ومُرُوا أَهْلِيكُمْ بِالذِّكْرِ، يُنْجِيكُمُ اللهُ مِنَ النَّارِ (تفسیر ابن کثیر) اللہ کے فرمان بجالاؤ اس کی نافرمانیاں مت کرو اپنے گھرانے کے لوگوں کو ذکر اللہ کی تاکید کرو تاکہ اللہ تمہیں جہنم سے بچالے۔

امام تفسیر حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قوا انفسکم واھلیکم کا مطلب یہ ہے کہ اتَّقُوا اللهَ وَأَوْصُوا أَهْلِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ، اللہ سے ڈرو اور اپنے گھر والوں کو بھی تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرو۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے يَأْمُرُهُمْ بِطَاعَةِ اللهِ، وَيَنْهَاهُمْ عَنْ مَعْصِيَةِ اللهِ، وَأَنْ يَقُومَ عَلَيْهِمْ بِأَمْرِ اللهِ، وَيَأْمُرَهُمْ بِهِ وَيُسَاعِدَهُمْ عَلَيْهِ، فَإِذَا رَأَيْتَ لِلهِ مَعْصِيَةً، قَدعتهم عَنْهَا وَزَجَرْتَهُمْ عَنْهَا، اللہ کی اطاعت کا انہیں حکم دو اور نافرمانیوں سے روکتے رہو، ان پر اللہ کے حکم قائم رکھو اور انہیں اللہ کے احکام بجالانے کی تاکید کرتے رہو نیک کاموں میں ان کی مدد کرو اور جب تم اللہ کی نافرمانی ہوتے دیکھو تو اس سے انہیں منع کرو، برے کاموں پر انہیں ڈانٹو ڈپٹو۔

ضحاک و مقاتل فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ حَقٌّ عَلَى الْمُسْلِمِ أَنْ يُعَلِّمَ أَهْلَهُ، مِنْ قَرَابَتِهِ وَإِمَائِهِ وَعَبِيدِهِ، مَا فَرَضَ اللهُ عَلَيْهِمْ، وَمَا نَهَاهُمُ اللهُ عَنْهُ، ہر مسلمان پر فرض

ہے کہ اپنے رشتے کنبے کے لوگوں کو اور اپنے لونڈی غلام کو اللہ کے فرمان بجالانے کی اور اس کی نافرمانیوں سے رکنے کی تعلیم دیتا رہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مُرُوا الصَّبِيَّ بِالصَّلَاةِ إِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِينَ، فَإِذَا بَلَغَ عَشْرَ سِنِينَ فَاضْرِبُوهُ عَلَيْهَا (مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، تفسیر ابن کثیر) جب بچے سات سال کے ہو جائیں انہیں نماز پڑھنے کو کہتے سنتے رہا کرو جب دس سال کے ہو جائیں اور نماز میں سستی کریں تو انہیں مار کر دھمکا کر پڑھاؤ۔

فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا فرمان ہے کہ وَهٰكَذَا فِي الصَّوْمِ؛ لِيَكُونَ ذٰلِكَ تَمْرِينًا لَهُ عَلَى الْعِبَادَةِ، لٰكِنْ يَبْلُغَ وَهُوَ مُسْتَمِرٌّ عَلَى الْعِبَادَةِ وَالطَّاعَةِ وَمُجَانَبَةِ الْمَعْصِيَةِ وَتَرْكِ الْمُنْكَرِ، اسی طرح روزے کی بھی تاکید اور تنبیہ اس عمر سے شروع کر دینی چاہیے تاکہ بالغ ہونے تک پوری طرح نماز روزے کی عادت ہو جائے اطاعت کے بجالانے اور معصیت سے بچے رہنے اور برائی سے دور رہنے کا سلیقہ پیدا ہو جائے۔

ان کاموں سے تم اور وہ جہنم کی آگ سے بچ جاؤ گے جس آگ کا ایندھن انسانوں کے جسم اور پتھر ہیں ان چیزوں سے یہ آگ سلگائی گئی ہے پھر خیال کرلو کہ کس قدر تیز ہو گی؟ پتھر سے مراد یا تو وہ پتھر ہے جن کی دنیا میں پرستش ہوتی رہی جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا {إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ} (الْأَنْبِيَاءِ: ۹۸) (اے شرک کرنے والو!) یقین رکھو کہ تم اور جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اس وقت آپ کی خدمت میں بعض اصحاب تھے جن میں سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا جہنم کے پتھر دنیا کے پتھروں جیسے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں! وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَصَخْرَةٌ مِنْ صَخْرِ جَهَنَّمَ

أعظمُ مِنْ جبَالِ الدُّنْيَا كُلِّهَا اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جہنم کا ایک پتھر ساری دنیا کے تمام پتھروں سے بڑا ہے۔

یہ ارشاد نبوی سنتے ہی شیخ غشی کھا کر گر پڑا، حضور ﷺ نے ان کے دل پر ہاتھ رکھا تو وہ دل دھڑک رہا تھا، آپ ﷺ نے انہیں آواز دی کہ اے شیخ کہو لا الہ الا اللہ اس نے کلمہ شریف پڑھا، پھر آپ ﷺ نے اس شیخ کو جنت کی خوشخبری سنائی تو آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے کہا کیا ہم سب کے درمیان صرف اسی کو یہ خوشخبری دی جارہی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں! دیکھو قرآن میں ہے {ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ} [إبراهيم: ۱۴] یہ اس کے لئے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے اور میری دھمکیوں کا ڈر رکھتا ہو۔

{عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ} ارشاد ہوتا ہے اس آگ سے عذاب کرنے والے فرشتے سخت طبیعت والے ہیں، جن کے دلوں میں کافروں کے لئے اللہ نے رحم رکھا ہی نہیں اور جو بدترین ترکیبوں میں بڑی بھاری سزائیں کرتے ہیں جن کے دیکھنے سے بھی پتہ پانی اور کلیجہ چھلنی ہو جائے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں إِذَا وَصَلَ أَوَّلُ أَهْلِ النَّارِ إِلَى النَّارِ، وَجَدوا عَلَى الْبَابِ أَرْبَعِمِائَةِ أَلْفٍ مِنْ خَزَنَةِ جَهَنَّمَ، سُودٌ وُجُوهُهُمْ، كَالِحَةٌ أَنْيَابُهُمْ، قَدْ نَزَعَ اللهُ مِنْ قُلُوبِهِمُ الرَّحْمَةَ، لَيْسَ فِي قَلْبِ وَاحِدٍ مِنْهُمْ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنَ الرَّحْمَةِ، لَوْ طُيِّرَ الطَّيْرُ مِنْ مَنْكِبِ أَحَدِهِمْ لَطَارَ شَهْرَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَبْلُغَ مَنْكِبَهُ الْآخَرَ، ثُمَّ يَجِدُونَ عَلَى الْبَابِ التِّسْعَةَ عَشَرَ، عَرْضُ صَدْرِ أَحَدِهِمْ سَبْعُونَ خَرِيفًا، ثُمَّ يَهْوُونَ مِنْ بَابٍ إِلَى بَابٍ خَمْسَمِائَةِ سَنَةٍ، ثُمَّ يَجِدُونَ عَلَى كُلِّ بَابٍ مِنْهَا مثلَ مَا وَجَدُوا عَلَى الْبَابِ الْأَوَّلِ، حَتَّى يَنْتَهُوا إِلَى آخِرِهَا

جب دوزخیوں کا پہلا جتھا جہنم کو چلا جائے گا تو دیکھے گا کہ پہلے دروازہ پر چار لاکھ فرشتے عذاب کرنے والے تیار ہیں، جن کے چہرے بڑے ہیبت ناک اور نہایت سیاہ ہیں، کچلیاں باہر کو نکلی ہوئی ہیں،

سخت بے رحم ہیں ایک ذرے کے برابر بھی اللہ نے ان کے دلوں میں رحم نہیں رکھا اس قدر جسیم ہیں کہ اگر کوئی پرندہ ان کے ایک کاندھے سے اڑ کر دوسرے کاندھے تک پہنچنا چاہے تو کئی مہینے گذر جائیں، پھر دروازہ پر انیس فرشتے پائیں گے جن کے سینوں کی چوڑائی ستر سال کی راہ ہے پھر ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ کی طرف دھکیل دیئے جائیں گے پانچ سو سال تک گرتے رہنے کے بعد دوسرا دروازہ آئے گا وہاں بھی اسی طرح ایسے ہی اور اتنے ہی فرشتوں کو موجود پائیں گے اسی طرح ہر ایک دروازہ پر یہ فرشتے اللہ کے فرمان کے تابع ہیں ادھر فرمایا گیا ادھر انہوں نے عمل شروع کر دیا ان کا نام زبانیہ ہے اللہ ہمیں اپنے عذاب سے پناہ دے آمین۔ (تفسیر ابن کثیر)

{لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ} اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں، کہیں اپنی مرضی نہیں کرتے، اللہ کے حکم کے سامنے سرتابی اور انکار نہیں کرتے، جس چیز کا انہیں حکم دیا جاتا ہے وہ فوری اس کی تعمیل کرتے ہیں، ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی وہ حکم کی تعمیل میں تاخیر نہیں کرتے، جس کام کا انہیں حکم دیا جاتا ہے وہ اس کام کو کرنے کی قدرت رکھتے ہیں، اس سے عاجز اور بے بس نہیں ہوتے، یہ شان خصوصیت کے ساتھ زبانیہ فرشتوں کی ہے، جن کی صفات یہاں بیان کی گئی ہیں۔

بروز محشر کافروں کی معذرت قبول نہیں

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ {۷} التحریم

جواب ترجمہ: اے کافرو! آج عذر بیان نہ کرو تمہیں اسی چیز کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے۔

کافر دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کرتے رہے، اللہ کی آیات کا انکار کرتے رہے، اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں کا مزاق اڑاتے رہے، اللہ کی کتابوں کو اساطیر الاولین کہتے رہے، کتب ہائے آسمانی کو

خانہ ساز کتابیں بتاتے رہے، ان کے اندر بیان کیے گئے حقائق کو جھٹلاتے رہے، آنکھ بند ہونے کے بعد سب نہاں عیاں ہو جائے گا۔

میدان محشر قائم ہو گا، نیکی بدی تلے گی، نامہ اعمال دیا جائے گا، کافروں کو بائیں ہاتھ میں تھمایا جائے گا، یہ اپنی کوتاہیاں اور انکار کے سارے مناظر اپنے نامہ اعمال میں دیکھیں گے تو عذر معذرت کرنے کی کوشش کریں گے، اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ اپنی کوتاہ اعمالیوں پر آج عذر معذرت کسی کام کا نہیں ہے، آج تمہاری معذرت قابل قبول نہیں ہو گی، آج تو سب کچھ عیاں ہو چکا ہے، اب تمہیں بھگتنا ہو گا، وہ عذاب جس کی خبر تمہیں دنیا میں دی گئی تھی۔

تمہیں دنیا میں بتایا گیا تھا کہ جہنم سخت جگہ ہے، برا ٹھکانہ اور آشیانہ ہے اس سے بچاؤ کا سامان تیار کر کے لے جاؤ، نبیوں اور رسولوں کی تعلیمات کو دل و جان سے تسلیم کرو، اللہ کی کتابوں پر ایمان لاؤ مگر تم ماننے کی بجائے تمسخر اڑاتے تھے، لہذا اللہ آج اپنی فرمائی ہوئی باتوں کے مطابق تمہارے ساتھ سلوک کرے گا، تمہیں دھکتی جہنم کے سپرد کیا جائے گا، جہاں تمہاری چمڑیاں ادھیڑ دی جائیں گی، تمہیں نئی نئی چمڑیاں پہنائی جاتی رہیں گی اور تمہیں سخت ترین سزا کا سامنا کرنا پڑے گا، تمہیں جہنم میں پھینکا جائے گا تمہارا عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔

توبہ نصوح کا حکم

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز یہ بتائیے کہ توبہ نصوح کیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ {٨} التحريم.

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کے حضور میں سچی توبہ کرو قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جس دن اللہ نبی ﷺ کو اور ان کو رسوا نہ فرمائے گا جو اہل ایمان ان کے ساتھ ہیں ان کا نور ان کے سامنے اور ان کی داہنی طرف دوڑتا ہو گا وہ عرض کرتے ہوں گے کہ اے ہمارے رب! ہمارے نور کو پورا فرما دے اور ہماری مغفرت فرما دے، بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! تم سچی اور خالص توبہ کرو جس سے تمہارے اگلے گناہ معاف ہو جائیں میل کچیل دھل جائے، برائیوں کی عادت ختم ہو جائے۔

حضرت نعمان بن بشیر رحمہ اللہ نے اپنے ایک خطبے میں بیان فرمایا کہ لوگو! میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے توبہ نصوح والی آیت کریمہ کا مطلب بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ **يُذْنِبُ الذَّنْبَ ثُمَّ لَا يَرْجِعُ فِيهِ** خالص توبہ یہ ہے کہ انسان گناہ کی معافی چاہے اور پھر اس گناہ کو نہ کرے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں **أَنْ يَتُوبَ مِنَ الذَّنْبِ ثُمَّ لَا يَعُودُ فِيهِ**، توبہ نصوح یہ ہے کہ انسان اپنے گناہ سے توبہ کرے پھر دوبارہ وہ گناہ نہ کرے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے توبہ نصوح کا مطلب دریافت کیا گیا تو حضرت عمر نے توبہ نصوح کا مطلب یہ بیان کیا کہ **أَنْ يَتُوبَ الرَّجُلُ مِنَ الْعَمَلِ السَّيِّئِ، ثُمَّ لَا يَعُودُ إِلَيْهِ أَبَدًا** آدمی برے عمل سے توبہ کرے پھر کبھی بھی وہ برا عمل دوبارہ نہ کرے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے توبہ نصوح کا مفہوم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا **التَّوْبَةُ مِنَ الذَّنْبِ أَنْ يَتُوبَ مِنْهُ، ثُمَّ لَا يَعُودُ فِيهِ** (مسند احمد، ابن کثیر) گناہ سے توبہ یہ ہے کہ انسان اس سے توبہ کرے پھر اس گناہ میں دوبارہ نہ پڑے۔

حضرات علماء سلف توبہ نصوح کے اس مفہوم کی مزید وضاحت کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں کہ التَّوْبَةُ النَّصُوحُ هُوَ أَنْ يُقلعَ عَنِ الذَّنْبِ فِي الْحَاضِرِ، وَيَندِمَ عَلَى مَا سَلَفَ مِنْهُ فِي الْمَاضِي، وَيَعزِمُ عَلَى أَلَّا يَفْعَلَ فِي الْمُسْتَقْبَلِ، ثُمَّ إِنْ كَانَ الْحَقُّ لِآدَمِيٍّ رَدَّهُ إِلَيْهِ بِطَرِيقِهِ، توبہ خالص یہ ہے کہ گناہ کو اس وقت چھوڑ دے جو ہو چکا ہے اس پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے نہ کرنے کا پختہ عزم ہو، اور اگر گناہ میں کسی انسان کا حق ہے تو چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ حق باقاعدہ ادا کر دے۔

حضرت عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، تو میرے والد نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں سنا ہے کہ گناہ پر ندامت توبہ کرنا ہے، اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں النَّدَمُ تَوْبَةٌ گناہ سے ندامت وشرمندگی توبہ کرنا ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قِيلَ لَنَا أَشْيَاءُ تَكُونُ فِي آخِرِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ عِنْدَ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ، مِنْهَا نِكَاحُ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ أَوْ أَمَتَهُ فِي دُبُرِهَا، وَذٰلِكَ مِمَّا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُولُهُ، وَيَمْقُتُ اللهُ عَلَيْهِ وَرَسُولُهُ، وَمِنْهَا: نِكَاحُ الرَّجُلِ الرَّجُلَ، وَذٰلِكَ مِمَّا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُولُهُ، وَيَمْقُتُ اللهُ عَلَيْهِ وَرَسُولُهُ. وَمِنْهَا نِكَاحُ الْمَرْأَةِ الْمَرْأَةَ، وَذٰلِكَ مِمَّا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُولُهُ، وَيَمْقُتُ اللهُ عَلَيْهِ وَرَسُولُهُ. وَلَيْسَ لِهٰؤُلَاءِ صَلَاةٌ مَا أَقَامُوا عَلَى هٰذَا، حَتَّى يَتُوبُوا إِلَى اللهِ تَوْبَةً نَصُوحًا. قَالَ زِرٌّ: فَقُلْتُ لِأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ: فَمَا التَّوْبَةُ النَّصُوحُ؟ فَقَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "هُوَ النَّدَمُ عَلَى الذَّنْبِ حِينَ يَفرُطُ مِنْكَ، فتستغفرُ اللهَ بِنَدَامَتِكَ مِنْهُ عِنْدَ الْحَاضِرِ، ثُمَّ لَا تَعُودُ إِلَيْهِ أَبَدًا (شعب الایمان للامام البیہقی)

ہمیں کہا گیا تھا کہ اس امت کے آخری لوگ قیامت کے قریب کیا کیا کام کریں گے ؟ ان میں ایک یہ ہے کہ انسان اپنی بیوی یا لونڈی سے اس کے پاخانہ کی جگہ میں وطی کرے گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مطلق حرام کر دیا ہے اور جس فعل پر اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی ہوتی ہے، اسی طرح مرد مرد سے بد فعلی کریں گے جو حرام اور باعث ناراضی اللہ و رسول اللہ ہے، ان لوگوں کی نماز بھی اللہ کے ہاں مقبول نہیں جب تک کہ یہ توبہ نصوح نہ کریں۔

زِر بن حُبیش رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا توبتہ النصوح کیا ہے ؟ فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ سے یہی سوال کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تیری زیادتی کی وجہ سے گناہ ہو گیا پھر اس پر تیرا نادم ہونا اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنا اور پھر اس گناہ کی طرف تیرا دوبارہ مائل نہ ہونا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں أَنْ تُبغِضَ الذَّنبَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ، وَتَسْتَغْفِرَ مِنْهُ إِذَا ذَكَرْتَهُ، توبہ نصوح یہ ہے کہ تو گناہ سے اسی طرح بغض رکھے جس طرح تو گناہ سے محبت رکھتا تھا، اور اس گناہ سے استغفار کرے جب وہ تجھے یاد آئے۔

مفسر قرآن علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص توبہ کرنے پر پختگی کر لیتا ہے اور اپنی توبہ پر جما رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام اگلی خطائیں مٹا دیتا ہے جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ الْإِسْلَامُ يَجُبُّ مَا قَبْلَهُ، وَالتَّوْبَةُ تَجُبُّ مَا قَبْلَهَا، اسلام لانے سے پہلے کی تمام برائیاں اسلام مٹا دیتا ہے اور توبہ سے پہلے کی تمام خطائیں توبہ مٹا دیتی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ توبہ نصوح میں یہ شرط بھی ہے کہ توبہ کرنے والا پھر مرتے دم تک یہ گناہ نہ کرے۔ جیسے کہ احادیث و آثار میں ہے کہ پھر کبھی نہ کرے، یا صرف اس کا عزم راسخ کافی ہے کہ اسے اب کبھی نہ کروں گا گو پھر بہ مقتضائے بشریت بھول چوک ہو جائے، جیسے کہ حدیث ہے کہ التَّوْبَةُ تَجُبُّ مَا قَبْلَهَا توبہ اپنے سے پہلے گناہوں کو بالکل مٹا دیتی ہے، تو تنہا توبہ کے ساتھ ہی گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا پھر مرتے دم تک اس کام کا نہ ہونا گناہ کی معافی کی شرط کے طور پر ہے ؟

پہلی بات کی دلیل تو صحیح حدیث میں ہے کہ مَنْ أَحْسَنَ فِي الْإِسْلَامِ لَمْ يُؤْخَذْ بِمَا عَمِلَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَمَنْ أَسَاءَ فِي الْإِسْلَامِ أُخِذَ بِالْأَوَّلِ وَالْآخِرِ (بخاری و مسلم) جو شخص اسلام میں نیکیاں کرے وہ اپنی جاہلیت کی برائیوں پر پکڑا نہ جائے گا اور جو اسلام لا کر بھی برائیوں میں مبتلا رہے وہ اسلام اور جاہلیت کی دونوں برائیوں میں پکڑا جائے گا۔

اسلام گناہوں سے توبہ کا بہت ہی مضبوط ذریعہ ہے کہ اسلام قبول کرنے سے سابقہ سارے گناہ مٹ جاتے ہیں، ساری خطائیں معاف ہو جاتی ہیں، اسلام سے پہلے جس قدر اللہ کی نافرمانیاں کیں، جس قدر گناہ کیے وہ سب اسلام قبول کرنے سے مٹ گئے، لیکن جب انسان نے زمانہ اسلام میں آکر بدکرداریاں کیں، بداعمالیاں کیں، گناہ کیے، اللہ کی نافرمانیاں کیں، گناہ کیے تو پھر بدرجہ اولیٰ اس کو ان گناہوں پر بھی سرزنش اور پکڑ ہو گی جو اس نے اسلام لانے کے بعد کیے اور ان پر بھی پکڑ ہو گی جو اسلام لانے سے پہلے کیے تھے۔

کافروں سے جہاد، منافقوں پر سختی

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ {٩} التحريم

جواب ترجمہ: اے نبی! جہاد کیجئے کافروں سے اور منافقوں سے، اور ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا کہ اے نبی! آپ کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کریں اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آئیں اور یہ بھی فرمایا کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں کافروں سے جہاد بالسیف کا اور منافقوں پر حجت قائم کرنے کا حکم فرمایا ہے انہیں یہ بتانا کہ آخرت میں تمہاری بدحالی ہو گی اور تمہارے ساتھ نور نہ ہو گا اور مومنین کے ساتھ پل صراط پر نہ گزر سکو گے یہ سب ان کے ساتھ جہاد کرنے اور سختی کا معاملہ کرنے کو شامل ہے پھر حضرت حسن رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ سختی کا معاملہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر حدود قائم کیجئے کیونکہ وہ ایسے کام کرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے ان پر حد جاری کی جاتی تھی۔ (انوار البیان)

مولانا لکھتے ہیں کہ ان حضرات نے جو کچھ فرمایا وہ بھی ٹھیک ہے، احقر کے خیال میں (وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ) کا مصداق یہ بھی ہے کہ منافقوں کی حرکتیں ایک عرصہ تک برداشت کرنے کے بعد انہیں ذلت کے ساتھ نام لے لے کر پکڑ پکڑ کر مسجد نبوی سے نکال دیا گیا تھا۔ (تفسیر انوار البیان)

بداعمال والے اور قُرب صالحین

سوال اگر ایک انسان کے اعمال برے ہوں تو انبیاء کرام علیہم السلام اور صالحین کرام رحمہم اللہ کا قُرب اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا، قرآن کریم کی اس آیت کی روشنی میں بتایئے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ {۱۰} التحریم.

جواب ترجمہ: اللہ نے کافروں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کا حال بیان فرمایا یہ دونوں ہمارے خاص بندوں میں سے دو صالح بندوں کے نکاح میں تھیں۔ سو ان دونوں کی خیانت کی پھر وہ اللہ کے مقابلہ میں ان عورتوں کے ذرا بھی کام نہ آسکے، اور حکم دیا گیا کہ تم دونوں دوسرے داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ تحریم میں حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی کافرہ بیویوں کا ذکر فرمایا ہے، جن کے خاوند نہ صرف یہ کہ نیک وصالح انسان تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے چنیدہ اور منتخب نمائندے اور نبی تھے، نبیوں اور رسولوں کی صالحیت سے کون انکار کر سکتا ہے، یہ دونوں عورتیں ان نبیوں کے نکاح میں تھیں، مگر وہ ان پر ایمان نہیں لائی تھیں، وہ ان کی نافرمانی کرتی تھیں، وحی الٰہی کا انکار کرتی تھیں، پیغمبروں کو نقصان پہنچانے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتی تھیں، لوط علیہ السلام کا بیٹا پسر پیغمبر تھا مگر اعمال اچھے نہیں تھے اس لیے وہ بھی اللہ کے قہر وغضب کی نذر ہو گیا تھا، یہاں سورۃ تحریم میں ان دو عورتوں کا ذکر ہے، جنہوں نے خیانت کا ارتکاب کیا تو ان کا پیغمبروں کے نکاح میں رہنا، رسولوں کی صحبت و قرب میں رہنا مفید نہیں رہا، انہیں دوزخ میں داخل ہو جانے کا حکم دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے مثال دے کر سمجھایا کہ کافروں کا مسلمانوں سے ملنا جلنا خلط ملط رہنا انہیں ان کے کفر کے باوجود اللہ کے ہاں کچھ نفع نہیں دے سکتا، دیکھو دو پیغمبروں کی عورتیں حضرت نوح علیہ السلام کی اور حضرت لوط علیہ السلام کی جو ہر وقت ان نبیوں کی صحبت میں رہنے والی اور دن رات ساتھ اٹھنے بیٹھنے والی اور ساتھ ہی کھانے پینے بلکہ سونے جاگنے والی تھیں، لیکن چونکہ ایمان میں ان کی ساتھی نہ تھیں اور اپنے کفر پر قائم تھیں، پس پیغمبروں کی آٹھ پہر کی صحبت انہیں کچھ کام نہ آئی، انبیاء اللہ انہیں اُخروی نفع نہ پہنچا سکے اور نہ اُخروی نقصان سے بچا سکے، بلکہ ان عورتوں کو بھی دوزخیوں کے ساتھ جہنم میں جانے کو کہہ دیا گیا۔ یہ یاد رہے کہ خیانت کرنے سے مراد بدکاری نہیں، انبیاء علیہم السلام کی حرمت و عصمت اس سے بہت اعلیٰ اور بالا ہے کہ ان کی گھر والیاں فاحشہ ہوں۔

یہاں خیانت فی الدین یعنی دین میں اپنے خاوندوں کی خیانت کی ان کا ساتھ نہ دیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان کی خیانت زناکاری نہ تھی بلکہ یہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی تو لوگوں سے کہا کرتی تھی کہ یہ مجنوں ہیں اور لوط علیہ السلام کی بیوی جو مہمان حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں آتے تو کافروں کو خبر کر دیتی تھیں۔

یہ دونوں بد دین تھیں نوح علیہ السلام کی راز داری اور پوشیدہ طور پر ایمان لانے والوں کے نام کافروں پر ظاہر کر دیا کرتی تھیں، اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی اپنے خاوند اللہ کے رسول علیہ السلام کی مخالف تھیں اور جو لوگ آپ کے ہاں مہمان بن کر ٹھہرتے یہ جا کر اپنی کافر قوم کو خبر کر دیتی جنہیں بد عمل کی عادت تھی، بلکہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کسی پیغمبر کی کسی عورت نے کبھی بدکاری نہیں کی۔ (تفسیر ابن کثیر)

بڑے کافر کی مسلمان بیوی

سوال آیت کریمہ میں اس مؤمنہ کی مثال بیان کی گئی جو کافر کے گھر میں رہتی تھی، تفسیر کیجیے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ {۱۱} التحریم

جواب ترجمہ: اور اللہ نے اہل ایمان کے لیے فرعون کی بیوی کا حال بیان فرمایا ہے جبکہ اس نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میرے لیے اپنے قرب میں جنت میں گھر بنا دیجئے اور مجھے فرعون سے اور ظالم قوم سے نجات دیجئے۔

اللہ تعالیٰ ان اہل ایمان کے لیے ایک مثال بیان فرماتے ہیں جنہوں نے اللہ کی تصدیق کی، اللہ کو سچا جانا، اس کی بندگی کی، اس کی شریعت پر عمل پیرا رہے، کہ کافروں کے ساتھ معاملات، ان کے ساتھ میل جول انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، جس طرح فرعون جیسے بڑے کافر کے گھر میں حضرت آسیہ جیسی ایمان والی عورت رہتی تھی، فرعون اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی کا دعویدار بڑا کافر تھا، جب کہ یہ اللہ کی بندی پکی مؤمنہ عورت تھیں، مصائب و مشکلات برداشت کیے، اسی سختی کے عالم میں بارگاہ ایزدی میں پکار اٹھی کہ اے الہ العالمین! میرے لیے اپنے پاس جنت میں گھر بنائیے، مجھے فرعون کے قہر و غضب اور اس کی سختیوں سے بچائیے، اس کے برے اعمال سے مجھے نجات دیجیے، مجھے ان لوگوں

کے قہر وغضب سے بچا لیجیے جو فرعون کے قہر وغضب میں اس کے تابع ہیں، ان کی سختیوں سے مجھے محفوظ فرمایئے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں روئے زمین کے تمام تر لوگوں میں سب سے زیادہ سرکش فرعون تھا لیکن اس کے کفر نے بھی اس کی بیوی کو کچھ نقصان نہ پہنچایا اس لئے کہ وہ اپنے زبردست ایمان پر پوری طرح قائم تھیں تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ عادل حاکم ہے وہ ایک گناہ پر دوسرے کو نہیں پکڑتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت سلمان فرماتے ہیں كَانَتِ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ تُعَذَّبُ فِي الشَّمْسِ، فَإِذَا انْصَرَفَ عَنْهَا أَظَلَّتْهَا الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا، وَكَانَتْ تَرَى بَيْتَهَا فِي الْجَنَّةِ، فرعون اس نیک بخت بیوی کو طرح طرح سے ستاتا تھا، سخت گرمیوں میں انہیں دھوپ میں کھڑا کر دیتا لیکن پروردگار اپنے فرشتوں کے پروں کا سایہ ان پر کر دیتا اور انہیں گرمی کی تکلیف سے بچا لیتا بلکہ ان کے جنتی مکان کو دکھا دیتا جس سے ان کی روح کی تازگی اور ایمان کی زیادتی ہو جاتی۔

حضرت آسیہ فرعون اور حضرت موسیٰ کی بابت یہ دریافت کرتی رہتی تھیں کہ کون غالب رہا تو ہر وقت یہی سنتیں کہ موسیٰ غالب رہے بس یہی ان کے ایمان کا باعث بنا اور یہ پکار اٹھیں کہ آمَنْتُ بِرَبِّ مُوسىٰ وَهَارُون میں موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائی۔

فرعون کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ جو بڑی سے بڑی پتھر کی چٹان تمہیں ملے اسے اٹھوا لاؤ، اسے چت لٹاؤ اور اسے کہو کہ اپنے اس عقیدے سے باز آئے، اگر باز آجائے تو میری بیوی ہے، عزت و حرمت کے ساتھ واپس لاؤ اور اگر نہ مانے تو وہ چٹان اس پر گرا دو اور اس کا قیمہ کر ڈالو۔

جب یہ لوگ پتھر لائے، انہیں لے گئے لٹایا اور پتھر ان پر گرانے کے لئے اٹھایا تو انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی، پروردگار نے حجاب ہٹا دیئے اور جنت کو اور وہاں جو مکان ان کے لئے بنایا

گیا تھا اسے انہوں نے اپنی آنکھوں دیکھ لیا اور اسی میں ان کی روح پرواز کر گئی۔ جس وقت پتھر پھینکا گیا اس وقت ان میں روح تھی ہی نہیں، اپنی شہادت کے وقت دعا مانگتی ہیں کہ {رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ} اللہ جنت میں اپنے قریب کی جگہ مجھے عنایت فرما۔

اس دعا کی اس باریکی پر بھی نگاہ ڈالئے کہ پہلے اللہ کا پڑوس مانگا جارہا ہے پھر گھر کی درخواست کی جا رہی ہے۔ پھر دعا کرتی ہیں کہ {وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ} مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے، میں اس کی کفریہ حرکتوں سے بیزار ہوں، مجھے اس ظالم قوم سے عافیت میں رکھ۔

ان کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا، ان کے ایمان کا باعث بننے والا واقعہ کتابوں میں موجود ہے، وہ ایک روز فرعون کی لڑکی کا سر گوندھ رہی تھی اچانک کنگھی ہاتھ سے گر گئی اور ان کے منہ سے نکل گیا کہ کفار برباد ہوں اس پر فرعون کی لڑکی نے پوچھا کہ کیا میرے باپ کے سوا تو کسی اور کو اپنا رب مانتی ہے؟

اس نے کہا میرا اور تیرے باپ کا اور ہر چیز کا رب اللہ تعالیٰ ہے، اس نے غصہ میں آکر انہیں خوب مارا پیٹا اور اپنے باپ کو اس کی خبر دی، فرعون نے انہیں بلا کر خود پوچھا کہ کیا تم میرے سوا کسی اور کی عبادت کرتی ہو؟ جواب دیا کہ ہاں میرا اور تیرا اور تمام مخلوق کا رب اللہ ہے، میں اسی کی عبادت کرتی ہوں۔

فرعون نے حکم دیا اور انہیں چت لٹا کر ان کے ہاتھ پیروں پر میخیں گڑوا دیں اور سانپ چھوڑ دیئے جو انہیں کاٹتے رہیں، پھر ایک دن آیا اور کہا اب تیرے خیالات درست ہوئے؟ وہاں سے جواب ملا کہ میرا اور تیرا اور تمام مخلوق کا رب اللہ ہی ہے، فرعون نے کہا اب تیرے سامنے میں تیرے لڑکے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا ورنہ اب بھی میرا کہا مان لے اور اس دین سے باز آجا۔

انہوں نے جواب دیا کہ جو کچھ تو کر سکتا ہے کر لے، اس ظالم نے ان کے لڑکے کو منگوایا اور ان کے سامنے اسے مار ڈالا، جب اس بچہ کی روح نکلی تو اس نے کہا اے ماں! خوش ہو جا تیرے لئے اللہ

تعالیٰ نے بڑے بڑے ثواب تیار کر رکھے ہیں اور فلاں فلاں نعمتیں تجھے ملیں گی۔ انہوں نے اس روح فرسا سانحہ کو بچشم خود دیکھا لیکن صبر کیا اور راضی بہ قضاء ہو کر بیٹھی رہیں، فرعون نے انہیں پھر اسی طرح باندھ کر پھنکوا دیا اور سانپ چھوڑ دیئے۔

پھر ایک دن آیا اور اپنی بات دہرائی بیوی صاحبہ نے پھر نہایت صبر و استقلال سے وہی جواب دیا، اس نے پھر وہی دھمکی دی اور ان کے دوسرے بچے کو بھی ان کے سامنے ہی قتل کرا دیا۔ اس کی روح نے بھی اسی طرح اپنی والدہ کو خوشخبری دی اور صبر کی تلقین کی۔

فرعون کی بیوی صاحبہ نے بڑے بچہ کی روح کی خوش خبری سنی تھی اب اس چھوٹے بچے کی روح کی بھی خوش خبری سنی اور ایمان لے آئیں، ادھر ان بیوی صاحبہ کی روح اللہ تعالیٰ نے قبض کر لی اور ان کی منزل و مرتبہ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں تھا وہ حجاب ہٹا کر فرعون کی بیوی کو دکھا دیا گیا۔

یہ اپنے ایمان و یقین میں بہت بڑھ گئیں، یہاں تک کہ فرعون کو بھی ان کے ایمان کی خبر ہو گئی، اس نے ایک روز اپنے درباریوں سے کہا تمہیں کچھ میری بیوی کی خبر ہے؟ تم اسے کیا جانتے ہو؟ سب نے بڑی تعریف کی اور ان کی بھلائیاں بیان کیں۔

فرعون نے کہا تمہیں نہیں معلوم وہ بھی میرے سوا دوسرے کو اللہ مانتی ہے پھر مشورہ ہوا کہ انہیں قتل کر دیا جائے، چنانچہ میخیں گاڑی گئیں اور ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیا گیا۔

اس وقت حضرت آسیہ نے اپنے رب سے دعا کی کہ پروردگار! میرے لئے اپنے پاس جنت میں مکان بنا، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حجاب ہٹا کر انہیں ان کا جنتی درجہ دکھا دیا جس پر یہ ہنسنے لگیں۔ ٹھیک اسی وقت فرعون آ گیا اور انہیں ہنستا ہوا دیکھ کر کہنے لگا لوگو! تمہیں تعجب نہیں معلوم ہوتا کہ اتنی سخت سزا میں یہ مبتلا ہے اور پھر ہنس رہی ہے یقیناً اس کا دماغ ٹھکانے نہیں، الغرض انہی عذابوں میں یہ بھی شہید ہوئیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ {۱۲} التحریم

جواب ترجمہ: اور عمران کی بیٹی مریم کا حال بیان فرمایا جس نے اپنی ناموس کو محفوظ رکھا سو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کے کلمات کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی۔

یہ مثال حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام کی بیان کی جاتی ہے کہ وہ نہایت پاک دامن تھیں، ہم نے اپنے فرشتے جبریل کی معرفت ان میں روح پھونکی حضرت جبریل کو انسانی صورت میں اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہ اپنے منہ سے ان کے کرتے کے گریبان میں پھونک ماردیں، اسی سے حمل رہ گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، پس فرمان ہے کہ میں نے اس میں اپنی روح پھونکی، پھر حضرت مریم کی اور تعریف ہو رہی ہے کہ وہ اپنے رب کی تقدیر اور شریعت کو سچ ماننے والی تھیں اور پوری فرمانبردار تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار لکیریں کھینچیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کہ جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو پورا علم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو تمام جنتی عورتوں میں سے افضل خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد اور مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم ہیں جو فرعون کی بیوی تھیں۔ (مسند احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں میں سے تو صاحبِ کمال بہت سارے ہوئے ہیں، لیکن عورتوں میں سے کامل عورتیں صرف حضرت آسیہ ہیں جو فرعون کی بیوی تھیں اور حضرت مریم بنت عمران

ہیں اور حضرت خدیجہ بنت خویلد ہیں اور حضرت عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسے سالن میں چوری ہوئی روٹی کی فضیلت باقی کھانوں پر۔ (بخاری، مسلم، ابن کثیر)

ڈاکٹر محمد عثمان رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں اس سورت میں جو مثالیں دیں گئی ہیں ان کا مقصود یہ بتانا ہے کہ اللہ کا دین بالکل بے لاگ ہے۔ اس میں ہر شخص کے لئے صرف وہی کچھ ہے جس کا وہ اپنے ایمان اور اعمال کے لحاظ سے مستحق ہو۔ کسی بڑی سے بڑی ہستی کے ساتھ نسبت بھی اس کے لئے قطعاً نافع نہیں ہے اور کسی بری سے بری ہستی کے ساتھ نسبت بھی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس معاملہ میں خاص طور پر ازواج مطہرات کے سامنے تین قسم کی عورتوں کو بطور مثال پیش کیا گیا ہے۔

ایک مثال نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کی ہے، جو اگر ایمان لاتیں اور اپنے جلیل القدر شوہروں کا ساتھ دیتیں تو ان کا مقام امت مسلمہ میں وہی ہوتا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا ہے۔ لیکن چونکہ انہوں نے اس کے برعکس رویہ اختیار کیا، اس لیے انبیاء کی بیویاں ہونا ان کے کچھ کام نہ آیا اور وہ جہنم کی مستحق ہوئیں۔

دوسری مثال فرعون کی بیوی کی ہے، جو اگرچہ اللہ کے ایک بدترین دشمن کی بیوی تھیں، لیکن چونکہ وہ ایمان لے آئیں اور انہوں نے قوم فرعون کے عمل سے اپنے عمل کا راستہ الگ کر لیا، اس لئے فرعون جیسے اکفر الکافرین کی بیوی ہونا بھی ان کے لئے کسی نقصان کا موجب نہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت کا مستحق بنا دیا۔

تیسری مثال مریم علیہا السلام کی ہے جنہیں یہ مرتبہ عظیم اس لئے ملا کہ اللہ نے جس شدید آزمائش میں انہیں ڈالنے کا فیصلہ فرمایا تھا اس کے لئے انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ مریم علیہا السلام کے سوا دنیا میں کسی شریف اور نیک لڑکی کو کبھی ایسی سخت آزمائش میں نہیں ڈالا گیا کہ کنوار پنے کی حالت میں اللہ کے حکم سے اس کو معجزے کے طور پر حاملہ کر دیا گیا ہو اور اسے بتا دیا گیا ہو کہ اس کا رب اس سے کیا خدمت لینا چاہتا ہے۔

جب مریم علیہا السلام نے اس پر کوئی واویلا نہ کیا بلکہ ایک سچی مومنہ کی حیثیت سے وہ سب کچھ برداشت کرنا قبول کر لیا جو اللہ کی مرضی پوری کرنے کے لئے برداشت کرنا ناگزیر تھا۔ (الکتاب)

الحمدللہ ثم الحمدللہ، آج سورۃ التحریم کی تفسیر پایہ تکمیل تک پہنچ گئی ہے، اسی کے ساتھ معارف الفرقان کی صورت میں پیش کی جانے والی تفسیر قرآن کے اٹھائیس پارے مکمل ہو چکے ہیں، اس کے بعد دو پارے باقی ہیں، اللہ ہمت اور توفیق عطا فرمائے تو وہ بھی جلد پایہ تکمیل کو پہنچ جائیں گے، اللہ اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے اور اس کو صدقہ جاریہ بنادے، اسے ہماری نجات کا سامان کر دے، آمین یارب العالمین، بحرمۃ النبی الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی عباسی) مناواں لاہور)

۲۶ فروری ۲۰۱۹ء بروز منگل بوقت رات ایک بج کر دس منٹ

نظر ثانی و حروف بینی: ۶ جولائی ۲۰۱۹ء، بروز ہفتہ۔ حال وارد حدوٹ، مری

☆☆☆☆

تعارف سورۃ الملک

سوال سورۃ الملک کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ الملک قرآن مجید کی ۶۷ ویں سورت ہے، اس کا آغاز تبارک الذی بیدہ الملک سے ہوتا ہے، یہ مکی سورت ہے اور اس میں ۳۰ آیات، ۳۳۰ کلمات اور ۱۳۱۳ حروف ہیں۔ اس کے دیگر نام "تبارک"، "الواقیہ"، "المنجیہ"، "المانعہ" اور "المجادلہ" بھی ہیں۔ اسے "الواقیہ" اور "المنجیہ" اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے پڑھنے والے کو عذاب قبر سے بچاتی اور نجات دیتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کی فضیلت کے بارے میں کئی روایات منقول ہیں۔

شان نزول: سورۃ الملک مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کے نزول کا مقصد کفار مکہ کو اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کی قدرت اور اس کے احسانات کی یاد دہانی کرانا تھا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت، اس کی تخلیق اور اس کے اختیار کو بیان کیا گیا ہے۔ بعض روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ اس سورت کو ہر رات سونے سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔

خصوصیات و فضائل: سورۃ الملک کی کئی خصوصیات اور فضائل احادیث میں بیان ہوئے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **إِنَّ مِنَ الْقُرآنِ سُورَةٌ ثَلَاثُونَ آيَةً شَفَّعَت لِرَجُل حَتَّى غُفِرَ لَهُ وَهِيَ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ** یعنی قرآن میں ایک سورت ہے جس کی تیس آیات ہیں، اس نے ایک شخص کی شفاعت کی یہاں تک کہ اس کی مغفرت ہو گئی، وہ سورۃ تبارک ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کو عذاب قبر سے بچاتی ہے اور قیامت کے دن اس کے حق میں جھگڑتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **وَدِدتُ أَنَّ سُورَةَ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ فِي قَلبِ كُلِّ مُومِن**، میری خواہش ہے کہ سورۃ تبارک ہر مومن کے دل میں ہو۔

اہم ترین مضامین: سورۃ الملک کے اہم مضامین درج ذیل ہیں ① اللہ کی بادشاہت وقدرت: سورت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کی بادشاہت اور اس کے ہر چیز پر قادر ہونے کا بیان ہے۔

② موت وحیات کی تخلیق: اللہ تعالیٰ نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ انسانوں کو آزمائے کہ کون بہتر عمل کرتا ہے۔

③ کائنات کی تخلیق میں حکمت: سات آسمانوں کی تخلیق، ان میں کسی قسم کی کمی یا نقص نہ ہونا اور آسمانوں کی زینت کے طور پر ستاروں کا ذکر کیا گیا ہے۔

④ کفار کے انجام کا بیان: کفار کے لیے عذاب جہنم کی وعید، ان کے عذاب میں مبتلا ہونے اور ان سے سوال وجواب کا ذکر کیا گیا ہے۔

⑤ اللہ کی نعمتوں کی یاددہانی: زمین کی آسانی، پانی کا انتظام، پرندوں کی پرواز، اور دیگر نعمتوں کا ذکر، تاکہ انسان اللہ کی قدرت اور اس کے احسانات کو پہچانے۔

⑥ توحید اور معاد: سورۃ الملک میں توحید (اللہ کی وحدانیت) اور معاد (آخرت، قیامت، جزا وسزا) کے مضامین کو بار بار بیان کیا گیا ہے۔

⑦ انذار ونصیحت: کفار کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے اور انہیں نصیحت کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی نشانیوں پر غور کریں اور اس کی طرف رجوع کریں ۔

المختصر: سورۃ الملک ایک جامع سورت ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کی قدرت، اس کی تخلیق، موت و حیات کے فلسفے، کائنات کی حکمت، کفار کے انجام اور اللہ کی نعمتوں کو بیان کرتی ہے۔ اس سورت کی تلاوت سے عذاب قبر سے نجات اور شفاعت کی بشارت دی گئی ہے۔ اس کے مضامین انسان کو اللہ کی طرف رجوع، اس کی عظمت کا اعتراف اور آخرت کی تیاری کی دعوت دیتے ہیں۔ سورۃ الملک کے تعارف میں ہم نے کچھ فضائل بیان کیے ہیں، اگلے مضمون میں باقی روایات بھی پیش کی جائیں گی جن سے سورۃ الملک کے مزید فضائل آجائیں گے۔

سورۃ الملک

فضائل سورۃ الملک

سوال سورۃ الملک قرآنی سورتوں میں بڑا اہم مقام رکھتی ہے، اس کے بہت زیادہ فضائل بیان کیے گئے ہیں، اس کے کچھ فضائل بیان کریں۔

جواب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سُورَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ ثَلَاثُونَ آيَةً، تَشْفَعُ لِصَاحِبِهَا حَتَّى يُغْفَرَ لَهُ : تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ (ابوداؤد) قرآن کی ایک سورت میں تیس آیتیں ہیں، وہ جس شخص کی بھی شفاعت کریں گی اس کی مغفرت کر دی جائے گی، وہ سورت "تبارک الذی بیدہ الملک" ہے۔ سنن ابی داؤد شریف کے علاوہ یہ حدیث سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد، مستدرک حاکم، مصنف عبدالرزاق، صحیح ابن حبان اور امام بیہقی کی شعب الایمان میں بھی موجود ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے ہیں

سُورَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هِيَ إِلَّا ثَلَاثُونَ آيَةً ، خَاصَمَتْ عَنْ صَاحِبِهَا حَتَّى أَدْخَلَتْهُ الْجَنَّةَ ، وَهِيَ سُورَةُ تَبَارَكَ (المعجم الاوسط للطبرانی ۴،۷۶) قرآن مجید کی ایک سورت ہے جس میں تیس آیتیں ہیں، وہ اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑا کرے گی حتیٰ کہ اس کو جنت میں داخل کر دے گی، وہ سورت "تبارک" ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ضَرَبَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِبَاءَهُ عَلَى قَبْرٍ وَهُوَ لَا يَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ، فَإِذَا فِيهِ إِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُورَةَ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ حَتَّى خَتَمَهَا، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي ضَرَبْتُ خِبَائِي عَلَى قَبْرٍ وَأَنَا لَا أَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ، فَإِذَا فِيهِ إِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُورَةَ تَبَارَكَ الْمُلْكِ حَتَّى

خَتَمَهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : هِيَ الْمَانِعَةُ، هِيَ الْمُنْجِيَةُ، تُنْجِيهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (ترمذی، شعب الایمان، در منثور)

اصحاب رسول ﷺ میں سے ایک شخص نے لاعلمی میں ایک قبر پر خیمہ لگا دیا، اسے پتا نہیں تھا کہ یہ قبر ہے، اچانک اس قبر میں ایک انسان سورۃ الملک پڑھ رہا تھا حتیٰ کہ اس نے اس کو ختم کر لیا، پھر وہ نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور آپ کو اس کی خبر دی، کہ یارسول اللہ! میں نے اس قبر پر اپنا خیمہ لگایا جب کہ مجھے پتا نہیں تھا کہ یہ قبر ہے، اچانک اس میں ایک انسان نے سورۃ تبارک الذی پڑھی اور ختم کر دی، آپ ﷺ نے اس کی یہ بات سن کر ارشاد فرمایا: یہ سورت المانعۃ اور المنجیۃ ہے، یہ عذاب قبر سے نجات دیتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا وَدِدْتُ أَنَّهَا فِي قَلْبِ كُلِّ مُؤْمِنٍ يَعْنِي تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ، میں چاہتا ہوں کہ سورۃ تبارک الذی ہر مؤمن کے دل میں ہو۔ (شعب الایمان)

اور ترفقی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لَوَدِدْتُ أَنَّ تَبَارَكَ فِي صَدْرِ كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْ أُمَّتِي (شعب الایمان) میں چاہتا ہوں کہ سورۃ تبارک میری امت کے ہر انسان کے سینہ میں ہو۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اپنی تفسیر در منثور میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت لائے ہیں، جسے ابن عساکر نے زہری سے نقل کیا ہے، جس کی سند میں ضعف کا حکم لگایا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

إِنَّ رَجُلًا مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مَاتَ وَلَيْسَ مَعَهُ شَيْءٌ مِنْ كِتَابِ اللهِ إِلَّا تَبَارَكَ، فَلَمَّا وُضِعَ فِي حُفْرَتِهِ أَتَاهُ الْمَلَكُ فَثَارَتِ السُّورَةُ فِي وَجْهِهِ، فَقَالَ لَهَا إِنَّكِ مِنْ كِتَابِ اللهِ

وَأَنَا أَكْرَهُ مُسَاءَتَكِ، وَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكِ وَلَا لَهُ وَلَا لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا، فَإِنْ أَرَدْتِ هٰذَا بِهِ فَانْطَلِقِي إِلَى الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فَاشْفَعِي لَهُ، فَتَنْطَلِقُ إِلَى الرَّبِّ فَتَقُولُ يَا رَبِّ إِنَّ فُلَانًا عَمَدَ إِلَيَّ مِنْ بَيْنِ كِتَابِكَ فَتَعَلَّمَنِي وَتَلَانِي، أَفَتُحَرِّقُهُ أَنْتَ بِالنَّارِ وَتُعَذِّبُهُ وَأَنَا فِي جَوْفِهِ ؟ فَإِنْ كُنْتَ فَاعِلًا ذَاكَ بِهِ فَامْحُنِي مِنْ كِتَابِكَ فَيَقُولُ أَلَا أَرَاكِ غَضِبْتِ، فَتَقُولُ وَحُقَّ لِي أَنْ أَغْضَبَ فَيَقُولُ اذْهَبِي فَقَدْ وَهَبْتُهُ لَكِ وَشَفَّعْتُكِ فِيهِ، فَتَجِيءُ فَتَضَعُ فَاهَا عَلَى فِيهِ فَتَقُولُ مَرْحَبًا بِهٰذَا الْفَمِ فَرُبَّمَا تَلَانِي، مَرْحَبًا بِهٰذَا الصَّدْرِ فَرُبَّمَا وَعَانِي، وَمَرْحَبًا بِهَاتَيْنِ الْقَدَمَيْنِ فَرُبَّمَا قَامَتَا بِي، وَتُؤْنِسُهُ فِي قَبْرِهِ مَخَافَةَ الْوَحْشَةِ عَلَيْهِ، قَالَ : فَلَمَّا حَدَّثَ بِهٰذَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَبْقَ صَغِيرٌ وَلَا كَبِيرٌ وَلَا حُرٌّ وَلَا عَبْدٌ إِلَّا تَعَلَّمَهَا وَسَمَّاهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلّم اَلْمُنجِيَةُ

(تاریخ ابن عساکر، تفسیر در منثور، تفسیر ابن کثیر)

ایک آدمی جب فوت ہوا اُن لوگوں میں سے جو تم سے پہلے تھے، اللہ کی کتاب میں سے اس کے پاس کوئی چیز نہ تھی سوائے سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک کے جب اس کو اس قبر میں رکھا گیا، اس کے پاس فرشتہ آیا تو یہ سورۃ اس کے سامنے حائل ہو گئی، تو فرشتے نے اس سے کہا بے شک تو اللہ کی کتاب میں سے ہے اور میں تیری مخالفت کو ناپسند کرتا ہوں اور میں نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں نہ تیرے لیے اور نہ اس کے لیے اور نہ ہی اپنے لیے اگر تو اس کا ارادہ رکھتی ہے تو اپنے رب کے پاس چلی جا اور اس کے لیے سفارش کر، تو وہ رب کی طرف جائے گی اور کہے گی اے میرے رب! فلاں مرنے والے آدمی نے تیری کتاب میں سے مجھ پر اعتماد کیا ہے اس نے مجھے سیکھا اور میری تلاوت کی، کیا آپ اس کو آگ کے ساتھ جلا دیں گے یا اس کو عذاب دیں گے ؟ اس حال میں کہ میں اس کے پیٹ میں ہوں، اگر آپ ایسا کرنا چاہتے ہیں تو مجھے اپنی کتاب سے مٹا دیجیے تو رب کریم فرمائیں گے خبر دار! سن میں تجھے

دیکھ رہا ہوں کہ تو غصہ میں ہے، تو یہ سورت جواب میں کہے گی غصہ ہونا میرا حق ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، جا میں نے تیرے لیے اس کو بخش دیا اور اس کے حق میں تیری شفاعت کو قبول کر لیا ہے۔

پھر یہ سورت آئے گی اور اپنے منہ کو اس کے منہ پر رکھ دے گی اور کہے گی خوش آمدید ہو اس منہ کو جس نے کئی بار میرے ساتھ قیام کیا، خوش آمدید اس سینے کو کئی بار اس نے مجھے یاد کیا اور خوش آمدید ان قدموں کو جنہوں نے کئی بار میرے ساتھ قیام کیا اور اس کی قبر میں اس پر وحشت اور خوف کی وجہ سے اس کے ساتھ غم خواری کرتی رہے گی، جب رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی تو نہیں بچا نہ کوئی چھوٹا اور نہ بڑا اور نہ آزاد اور نہ غلام مگر اس نے اس سورۃ کو سیکھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام نجات دلانے والی رکھا۔

سعید بن منصور نے عمرو سے روایت کی ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ إِنَّ فِي الْقُرْآنِ سُورَةٌ تُجَادِلُ عَنْ صَاحِبِهَا فِي الْقَبْرِ تَكُونُ ثَلَاثِينَ آيَةً فَنَظَرُوا فَوَجَدُوهَا تَبَارَكَ (در منثور) قرآن کریم میں ایک ایسی سورت ہے جو اپنے پڑھنے والے کی طرف سے قبر میں جھگڑا کرے گی اور وہ سورۃ تیس آیات پر مشتمل ہے، جب ان لوگوں نے اس پر غور کیا تو پتہ چلا کہ وہ سورۃ جو تیس آیات پر مشتمل ہے وہ سورۃ تبارک ہے۔

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سورۃ تبارک اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑا کرے گی حتیٰ کہ اس کو جنت میں داخل کر دے گی۔ (شعب الایمان)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا

يُؤْتَى الرَّجُلُ فِي قَبْرِهِ فَيُؤْتَى مِن قِبَلِ رِجْلَيْهِ فَتَقُولُ رِجْلَاهُ: لَيْسَ لَكُمْ عَلَى مَا قِبَلِي سَبِيلٌ قَدْ كَانَ يَقُومُ عَلَيْنَا بِسُورَةِ الْمُلْكِ ثُمَّ يُؤْتَى مِنْ قِبَلِ صَدْرِهِ فَيَقُولُ: لَيْسَ لَكُمْ عَلَى مَا قِبَلِي سَبِيلٌ قَدْ كَانَ وَعَى فِيَّ سُورَةُ الْمُلْكِ ثُمَّ يُؤْتَى مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ فَيَقُولُ

لَيْسَ لَكُمْ عَلٰى مَا قِبَلِي سَبِيْلٌ قَدْ كَانَ يَقْرَأُ بِي سُوْرَةُ الْمُلْكِ فَهِيَ الْمَانِعَةُ تَمْنَعُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (در منثور)

ایک آدمی کو اس کی قبر میں لایا جائے گا اور اسے اس کے پاؤں کی جانب سے لایا جائے گا تو اس کی ٹانگیں کہیں گی تمہارے لیے میری جانب پر کوئی اختیار نہیں، یہ ہم پر سورۃ الملک پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا تھا، پھر اسے لایا جائے گا اس کے سینے کی طرف سے تو وہ کہے گا نہیں ہے تمہارے لیے میری جانب کوئی اختیار کیونکہ اس نے میرے اندر سورۃ ملک کو محفوظ کیا ہے پھر اسے اس کے سر کی جانب سے لایا جائے گا تو وہ کہے گا نہیں ہے تمہارے لیے میری جانب سے کوئی راستہ کیونکہ یہ میرے ساتھ سورۃ ملک کو پڑھا کرتا تھا، تو یہ سورۃ روکنے والی ہے جو عذاب قبر سے روکتی ہے۔

تفسیر در منثور میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے آخر میں ہے وَهِيَ فِي التَّوْرَاةِ سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَنْ قَرَأَهَا فِي لَيْلَةٍ فَقَدْ أَكْثَرَ وَأَطْيَبَ، اور یہی سورت ملک تورات میں بھی ہے جس نے اسے رات کو پڑھا تو اس نے کثیر اور خوب اچھا پڑھا۔ (تفسیر در منثور)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ إِنَّ الْمَيِّتَ إِذَا مَاتَ أُوْ قِدَتْ حَوْلَهُ نِيْرَانٌ فَتَأْكُلُ كُلَّ نَارٍ يَلِيْهَا إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ عَمَلٌ يَحُوْلُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا وَإِنَّ رَجُلًا مَاتَ وَلَمْ يَكُنْ يَّقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا سُوْرَةَ ثَلَاثِيْنَ آيَةً فَأَتَتْهُ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ فَقَالَتْ: إِنَّه كَانَ يَقْرَؤُنِي فَأَتَتْهُ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ فَقَالَتْ: إِنَّه كَانَ يَقُوْمُ بِيْ فَأَتَتْهُ مِنْ قِبَلِ جَوْفِهِ فَقَالَتْ: إِنَّهُ كَانَ وَعَانِي فَأَنْجَتْهُ (ابو عبید، الدلائل للبیہقی، در منثور)

میت جب مر جاتی ہے تو اس کے ارد گرد آگ روشن کی جاتی ہے تو وہ ہر اس آگ کو کھا جاتی ہے جو اس کے قریب ہوتی ہے اگر اس کا کوئی عمل ایسا نہ ہو جو اس کے اور اس آگ کے درمیان حائل ہوا ایک آدمی مر گیا اور اس نے کوئی قرآن نہیں پڑھا سوائے اس تیس آیتوں والی سورۃ کے تو وہ اس کے

سر کی طرف سے قریب آئے گی یہ مجھ کو پڑھا کرتا تھا تو اس کے پاؤں کی طرف سے آئے گی اور کہے گی کہ وہ میرے ساتھ کھڑا ہوتا تھا اور سورۃ ملک پڑھتا تھا پھر وہ آگ آئے گی اس کے پیٹ کی جانب سے تو وہ پیٹ کہے گا بیشک اس نے مجھے محفوظ کیا تھا تو وہ اس کو نجات دلا دے گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے، فرماتے ہیں يُبْعَثُ رَجُلٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَمْ يَتْرُكْ شَيْئًا مِّنَ الْمَعَاصِي إِلَّا رَكِبَهَا إِلَّا أَنَّهُ كَانَ يُوَحِّدُ اللهَ وَلَمْ يَكُنْ يَّقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا سُورَةً وَّاحِدَةً فَيُؤْمَرُ بِهِ إِلَى النَّارِ فَطَارَ مِنْ جَوْفِهِ شَيْءٌ كَالشِّهَابِ فَقَالَتْ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي مِمَّا أُنْزِلَتْ عَلَى نَبِيِّكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ عَبْدُكَ هٰذَا يَقْرَؤُنِي فَمَا زَالَتْ تَشْفَعُ حَتّٰى أَدْخَلَتْهُ الْجَنَّةَ وَهِيَ الْمُنْجِيَةُ {تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ} (در منثور)

ایک آدمی کو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا اس نے کوئی گناہ نہ چھوڑا ہو گا مگر وہ اللہ کو ایک جانتا تھا اور وہ قرآن میں سے صرف ایک ہی سورۃ پڑھتا تھا، اس کو دوزخ کی طرف جانے کا حکم دیا جائے گا، تو اس کے پیٹ میں سے کوئی چیز شعلے کی طرح اڑے گی اور کہے گی اے اللہ! بلاشبہ میں ان سورتوں میں سے ہوں جو آپ نے اپنے نبی پر نازل فرمائیں اور یہ بندہ مجھ کو پڑھتا تھا، وہ سورۃ برابر سفارش کرتی رہے گی یہاں تک کہ اس کو جنت میں داخل کرا دے گی اور وہ سورۃ نجات دینے والی یعنی آیت " تبارک الذی بیدہ الملک " ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ والے دن فجر کی نماز میں سورۃ السجدہ اور سورۃ الملک کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ (مصنف عبد الرزاق، در منثور)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إِنِّي لَأَجِدُ فِي كِتَابِ اللهِ سُورَةً هِيَ ثَلَاثُونَ آيَةً مَن قَرَأَهَا عِنْدَ نَوْمِهِ كُتِبَ لَهُ مِنْهَا ثَلَاثُونَ حَسَنَةً وَمُحِيَ عَنْهُ ثَلَاثُونَ سَيِّئَةً وَرُفِعَ لَهُ ثَلَاثُونَ دَرَجَةً وَبَعَثَ اللهُ إِلَيْهِ مَلَكًا مِّنَ الْمَلَائِكَةِ

لِيَبسُطَ عَلَيْهِ جَنَاحَهُ وَيَحفَظُهُ مِن كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى يَستَيقِظَ وَهِيَ المُجَادِلَةُ تُجَادِلُ عَن صَاحِبِهَا فِي الْقَبْرِ وَهِيَ {تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ} (الدیلمی بسندواہٖ، تفسیر در منثور)

میں اللہ کی کتاب میں ایک سورۃ پاتا ہوں اس کی تیس آیتیں ہیں جو اس کو سوتے وقت پڑھے گا اس کے لیے تیس نیکیاں لکھی جائیں گی اور تیس برائیاں مٹادی جائیں گی اور تیس درجے بلند کر دیئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس پر اپنے پروں کو پھیلا دیتا ہے اور ہر چیز سے اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ جاگ جاتا ہے اور وہ سورۃ مجادلہ ہے جو اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑا کرتی ہے اور وہ سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَقَد رَأَيتُ عَجَبًا رَأَيتُ رَجُلًا مَاتَ كَانَ كَثِيرُ الذُّنُوبِ مُسرِفًا عَلَى نَفسِهِ فَكُلَّمَا تَوَجَّهَ إِلَيهِ الْعَذَابُ فِي قَبرِهِ مِن قِبَلِ رِجلَيهِ أَو مِن قِبَلِ رَأسِهِ أَقبَلَت السُّورَةُ الَّتِي فِيهَا الطَّيرُ تُجَادِلُ عَنهُ الْعَذَابُ أَنَّهُ كَانَ يُحَافِظُ عَلَيَّ وَقَد وَعَدَنِي رَبِّي أَنَّهُ مَن وَاظَبَ عَلَيَّ أَن لَّا يُعَذِّبَهُ فَانصَرَفَ عَنهُ الْعَذَابُ بِهَا وَكَانَ الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنصَارُ يَتَعَلَّمُونَهَا وَيَقُولُونَ: اَلمَغبُونُ مَن لَّم يَتَعَلَّمهَا وَهِيَ سُورَةُ الْمُلكِ (الدیلمی بسندواہٖ تفسیر در منثور)

میں نے عجیب منظر دیکھا، میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو مر گیا اور اس کے گناہ بہت زیادہ تھے اور وہ زیادتی کرنے والا تھا اپنی جان پر، جب اس کی قبر میں عذاب اس کے پاؤں کی جانب سے یا اس کے سر کی طرف سے اس کی طرف متوجہ ہوا تو یہ سورۃ آگئی جو ایک پرندے میں تھی اور آگ سے آکر جھگڑا کرنے لگی کہ یہ آدمی میری محافظت کرتا تھا اور میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جو مجھ پر مواظبت کرے گا تو وہ اس کو عذاب نہیں دے گا تو اس کے سبب اس سے عذاب پھر گیا اور مہاجرین اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم اس سورت کو پڑھتے اور سمجھتے تھے اور کہتے تھے جنہوں نے اس کو نہ سیکھا وہ خسارے میں ہیں اور وہ سورۃ ملک ہے۔

حضرت مرہ ہمذانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں أُتِی رَجُلٌ مِّنْ جَوَانِبِ قَبْرِهٖ فَجَعَلَتْ سُورَةٌ مِّنَ الْقُرْآنِ ثَلَاثُونَ آيَةً تُجَادِلُ عَنْهُ حَتّٰى مَنَعَتْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَنَظَرْتُ أَنَا وَمَسْرُوْق فَلَمْ نَجِدْهَا إِلَّا تَبَارَكَ (ابن الضریس، تفسیر در منثور)

ایک آدمی اپنی قبر کی اطراف سے لایا جائے گا، تو قرآن میں سے تیس آیتوں والی سورت اس سے جھگڑتی رہے گی، یہاں تک کہ اس کو عذاب قبر سے روک دے گی، تو میں نے اور مسروق نے دیکھا تو ہم نے کوئی سورۃ نہ پائی سوائے تبارک الذی کے۔

حضرت عبد العزیز رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دَخَلَ رَجُلٌ اَلْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ سُورَةٍ مِّنَ الْقُرْآنِ وَمَا هِيَ إِلَّا ثَلَاثُونَ آيَةً تُنجيهِ مِن عَذَابِ الْقَبْرِ {تبارك الَّذِي بِيَدِهِ الْملك} (ابن مردویہ، در منثور) ایک آدمی جنت میں داخل ہو گا قرآن مجید کی ایک سورۃ کی شفاعت کے سبب اور وہ تیس آیتوں والی ہے اور وہ عذاب قبر سے اس کو نجات دلائے گی اور وہ ہے تبارک الذی بیدہ الملک۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يقْرَأُ (ألم تَنْزِيل) السَّجْدَة و {تبارك الَّذِي بِيَدِهِ الْملك} كُلَّ لَيْلَةٍ لَا يَدَعُهَا فِي سَفَرٍ وَّلَا حَضَرٍ (ابن مردویہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم الم تنزیل السجدۃ اور تبارک الذی بیدہ الملک ہر رات کو پڑھا کرتے تھے اور سفر حضر میں نہ چھوڑتے تھے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے تنزیل السجدۃ اور تبارک الذی بیدہ الملک کی تلاوت کی، اس کی ستر نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے ستر گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (سنن دارمی) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم الم تنزیل السجدۃ اور تبارک الذی کی تلاوت نہیں کر لیتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سوتے تھے۔ (سنن دارمی)

برکت کیا ہوتی ہے؟

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ {۱} الملك

جواب ترجمہ: بڑی شان ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ساری بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

اس سورۃ مبارکہ کا آغاز تبارک سے فرمایا، یہ برکت سے ہے، علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں، أَصلُ البَرْكِ صَدرُ البَعِيرِ وَإِنِ استُعمِلَ فِي غَيرِهِ، وَيُقَالُ لَهُ: بَرَكَةٌ، وبَرَكَ البَعِيرُ: ألقى بركه، واعتبر منه معنى اللزوم، (مفردات امام راغب) "تبارک" کا اصل معنی اونٹ کا سینہ ہے اگرچہ یہ دوسرے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اونٹ چونکہ سینہ ٹیک کر بیٹھتا ہے، اس لیے اس کا معنی ٹھہرنا اور ثابت رہنا ہے۔

عربی میں کہتے ہیں ابْتَرَكُوا فِي الحَرب اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ لڑائی میں گھٹنوں کے بل بیٹھے اور لڑائی کے مقام پر جمع رہے، اور وبَرَاكَاء الحرب وبَرُوكَاؤُها کا مطلب یہ ہے کہ میدان جنگ میں وہ جگہ جہاں بہادر لڑاکو جم کر بیٹھے رہے، لڑائی میں ثابت قدمی دکھانا، میدان جنگ اور وابْتَرَكَتِ الدَّابَّة کا معنیٰ جانور کا دوڑتے ہوئے ایک طرف جھکنا۔ وَسُمِّيَ مَحبَسُ المَاءِ بِرْكَةٌ، حوض میں جہاں پانی رک جائے اس کو برکہ کہتے ہیں۔ والبَرَكَةُ: بڑھوتری، زیادتی اور خوش نصیبی، کسی چیز میں ربانی خیر کا ٹھہر جانا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ {الأعراف ۹۶} ہم نے ان پر آسمان وزمین دونوں طرف سے برکتوں کے دروازے کھول دیے۔

آسمان کی برکتیں وقت پر پانی برسنا اور زمین کی برکات اچھی طرح نباتات کا اگانا کھیتی اور درختوں

میں عمدہ پھول اور پھل آنا، اس عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے دو سبب ہیں، ایک فاعلی جو سماوات ہیں، ان کی تاثیریں زمین پر پہنچتی ہیں، آفتاب کی گرمی اور ماہتاب کی رطوبت و برودت علی ہذا القیاس ہر ستارے اور ہر گردش فلک کی ایک تاثیر خاص اس فاعل حقیقی نے رکھی ہے۔

دوسرا سبب مادی زمین اور عناصر ہیں، جب ان کی تاثیریں ان پر پڑتی ہیں اور یہ حسب مادہ و استعداد ان کو قبول کرتے ہیں تو عناصر کی ترکیب سے نباتات و جمادات حیوانات سب چیزیں پیدا ہوتی ہیں، اب برکت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان اسباب کو بندوں کے فوائد کے موافق کر دے اور بے برکتی اس کا برعکس اور یہ بات تو خاص اس نے اپنے ہی دست قدرت میں رکھی ہے، یہ چیزیں پتوں کی طرح سے اس کے ہاتھ سے ہلتی ہیں۔ (تفسیر حقانی)

اس میں خیر کے ٹھہراؤ کی وجہ سے برکت کہا گیا ہے اور **المُبَارَك**: وہ ہے جس میں یہ خیر پائی جائے، قرآن کریم میں ارشاد ہے **وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنْزَلْنَاهُ** {الأنبیاء ۵۰} اور یہ قرآن برکتوں والا پیغام نصیحت ہے جو ہم نے اتارا ہے۔

اس میں خیرات الٰہیہ کا جو فیضان جاری ہے اس پر خبردار کیا جارہا ہے۔ ارشاد ہے **كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ** {الأنعام ۱۵۵} یہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے برکت والی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماں کی گود میں سکھائے گئے الفاظ کو سورۃ مریم میں نقل فرمایا، ارشاد ہے **وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا** {مریم ۳۱} اور اس نے مجھے بابرکت بنایا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ خیرات الٰہیہ کی جگہ بنایا ہے، اسی طرح سورۃ الدخان میں اللہ تعالیٰ نے شب قدر کے لیے لیلہ مبارکہ کا ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے اس قرآن کریم کو برکت والی رات میں اتارا ہے۔

سورۃ المومنون میں ارشاد ہے **رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُّبَارَكًا** {المؤمنون ۲۹} یارب! مجھے ایسا اترنا نصیب کر جو برکت والا ہو یعنی مجھے ایسی جگہ اتاریے جہاں خیر الٰہی پائی جائے۔

اسی طرح سورۃ ق میں اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے آنے والے پانی کو ماء مبارک فرمایا وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَاءً مُّبٰرَكًا {ق۹} اور ہم نے آسمان سے برکتوں والا پانی اتارا۔

آسمانی پانی میں برکت کیا ہے، اس کی طرف قرآن کریم نے سورۃ الزمر میں خبر دار کیا ہے، ارشاد ربانی ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ {الزمر ۲۱} کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ بے شک اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اسے زمین کے چشموں میں پرو دیا، پھر وہ اس پانی سے ایسی کھیتیاں وجود میں لاتا ہے جن کے رنگ مختلف ہیں۔

سورۃ المومنون میں اسی معنیٰ میں ارشاد فرمایا گیا کہ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ {المؤمنون ۱۸} اور ہم نے آسمان سے ایک ٹھیک اندازے کے ساتھ پانی اتارا پھر ہم نے اسے زمین میں ٹھہرا دیا۔

اگر آسمان سے اتارے جانے والے پانی کی ذمہ داری انسانوں کو دی جاتی کہ وہ اسے اپنے لیے ذخیرہ کرلیں، آنے والے وقت کے لیے جمع کرکے رکھ لیں تو انسانوں کے لیے ایسا کرنا بہت ہی مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتا، ہم نے آسمان سے پانی اتارا صحراؤں میں، شہروں میں، پہاڑوں میں، پھر اسے زمین کے اندر پہنچا دیا، پہاڑوں پر برف کی شکل میں جما دیا، جہاں سے یہ برف رفتہ رفتہ پگھلتی ہے، ڈھلتی ہے، پانی کی شکل میں بہتی ہے، پھر پانی بن کر دریاؤں کا روپ دھار لیتی ہے، پھر اسے زمین بھر میں پھیلا دیا جاتا ہے، پھر قدرتی نظام کے تحت کنویں وجود میں آتے ہیں، یوں اللہ کی قدرت کاملہ سے زمین میں یہ پانی محفوظ رہتا ہے اور انسانی ضرورتوں کو پورا کیا جاتا ہے۔

رب تعالیٰ کی خیر و بھلائی کا صدور غیر محسوس طور پر ہوتا ہے، اور یوں ہوتا ہے کہ اس کو گنا نہیں جاسکتا، اس کو شمار نہیں کیا جاسکتا، زیادہ تر جو چیزیں مشاہدہ کی جاتی ہیں وہ غیر محسوس طور پر ہی صادر

ہوتی ہیں، اسی کو مبارک کہا جاتا ہے، اسی میں برکت ہوتی ہے، اسی برکت کی طرف شاید اشارہ بھی کیا گیا کہ صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں آتی۔

سورۃ الفرقان میں اسی مادہ سے بروج کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا {الفرقان ٦١} بڑی شان ہے اس ذات کی جس نے آسمان میں برج بنائے۔

یہاں رب تعالیٰ اس بات پر ہمیں خبر دار کر رہے ہیں جو انہوں نے ہمارے اوپر ان نعمتوں کا فیضان فرمایا ہے ان برجوں کے ذریعے سے، علامہ اصفہانی فرماتے ہیں کہ جہاں بھی لفظ تبارک استعمال ہوا ہے وہاں ان نعمتوں کے خصاص کے بارے میں خبر دار کرنا ہے جو اسی ذات کی طرف سے ملتی ہیں، جیسے اللہ کا فرمان ہے فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ {المؤمنون ١٤} بڑی شان والا ہے اللہ جو سارے کاریگروں سے بہترین کاریگر ہے۔ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ {الفرقان ١} بڑی شان والی ہے وہ ذات جس نے فرقان اتارا۔

سورۃ الفرقان ہی میں اس برکت کی مزید وضاحت فرمائی گئی ہے، ارشاد ہے تَبَارَكَ الَّذِي إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِنْ ذَٰلِكَ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَلْ لَكَ قُصُورًا {الفرقان ١٠} برکت والی ہے وہ ذات، اگر وہ چاہے تو تمہیں ان سے کہیں بہتر چیز بہت سے باغات دے دے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور تمہیں بہت سے محلات کا مالک بنادے۔

ہماری نگاہیں بھی اپنے ارد گرد میں دیکھتی ہیں کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ برکات اور خیرات میں اضافہ کرتا ہے ان کے پاس غیر محسوس طور پر چیزوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، جیسے یہاں رب تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

کائنات کو انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے دیکھا جائے تو رب تعالیٰ کی برکات روز افزوں ہیں، ہر روز اس کی کوئی نہ کوئی نئی برکت اور نئی نعمت ظاہر ہو رہی ہے، مگر انسان ان ساری چیزوں کو دیکھنے اور لطف اندوز ہونے کے باوجود غور و فکر سے کام نہیں لیتا۔

اسی طرح سورۃ غافر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ {غافر ۶۴} پس برکت والا ہے جہانوں کا پروردگار۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ برکت کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں اور اس ذکر کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان کی کثرت کو ملاحظہ کرنا ہے جو کہ ذرّاتِ عالم کے ہر ذرّہ میں ہمیشگی کے ساتھ جلوہ گر ہے، اس لیے کہ برکت کے مفہوم میں دونوں چیزیں داخل ہیں، خیر کا صادر ہونا اور اس کی ہمیشگی، اسی وجہ سے جس چیز سے خیر صادر نہ ہو اسے مبارک نہیں کہتے اور جس چیز سے ایک دو بار خیر صادر ہوا اسے بھی مبارک نہیں کہتے جب تک کہ ہمیشہ اور دائم رہنے والی خیر کا مصدر نہ ہو۔ (تفسیر عزیزی پارہ ۲۹)

اسی طرح کسی چیز میں خیر اور خوبی کے جمع ہونے کو بھی برکت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو غیر محسوس طریقہ سے خیر اور بھلائی حاصل ہوتی ہے اس کو بھی برکت کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ {الاعراف: ۹۶} تو ہم ان پر آسمانوں اور زمینوں کی برکتیں کھول دیتے۔ (المفردات ج ا ص ۵۶)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تبارک اللہ: کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ برائیوں سے مقدس اور منزہ ہے، یہ صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے تبارک نہیں کہا جاتا۔ (القاموس)

علامہ محمد مرتضیٰ زبیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابو العباس سے " تبارک اللہ " کی تفسیر کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ بلند ہے، زجاج نے کہا: یہ برکت سے بنا ہے اور باب تفاعل پر ہے، ابن الانباری نے کہا: " تبارک اللہ " کا معنی ہے: ہر کام میں اللہ کے نام سے برکت حاصل کی جائے، لیث نے کہا: " تبارک اللہ " میں اللہ تعالیٰ کی تمجید اور تعظیم ہے، جوہری نے کہا: " تبارک اللہ " کا معنی ہے: اللہ برکت والا ہے۔ (تاج العروس، القاموس)

علامہ زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں تَبَارَكَ: تَفَاعَلَ مِنَ الْبَرَكَةِ، وَالْبَرَكَةُ كَثْرَةُ الْخَيْرِ وَزِيَادَتُهُ، تبارک برکۃ سے تفاعل کا صیغہ ہے، برکت کا معنیٰ خیر کا بہت زیادہ ہونا اور خیر میں اضافہ ہونا۔ (مفاتیح الغیب للرازی)

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ برکت کے دو معنیٰ ہیں تَزَايَدَ خَيْرُهُ وَتَكَاثَرَ، اس کی خیر زیادہ ہوگئی اور بکثرت ہوگئی، یہی معنیٰ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں پایا جاتا ہے کہ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا {اِبْرَاهِيم : ۳۴} اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔

تَزَايَدَ عَنْ كُلِّ شَيْءٍ وَتَعَالَى عَنْهُ فِي ذَاتِهِ وَصِفَاتِهِ وَأَفْعَالِهِ، وَهُوَ الْمُرَادُ مِنْ قَوْلِهِ: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشُّورَى) وہ ہر چیز سے زیادہ اور اپنی ذات، اپنی صفات اور اپنے افعال میں ہر چیز سے بلند، بالا اور برتر ہے، یہی مفہوم سورۃ الشوریٰ کی اس آیت میں پایا جاتا ہے جس میں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ (سورۃ الشوریٰ)

علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ برکت کی دو تفسیریں ہیں، بقاء اور اثابت، فضیلت والے آثار اور علامات کی کثرت، پہلے معنیٰ کے لحاظ سے تبارک اللہ کا معنیٰ اللہ تعالیٰ دائم اور ثابت ہے اور دوسرے معنیٰ کے لحاظ سے تبارک اللہ کا معنیٰ تمام خیرات اور کمالات کا منبع اور مصدر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، پس تبارک کے لفظ میں جو ثناء اور حمد ہے وہ صرف اللہ عزوجل کی شان کے لائق ہے۔ (روح المعانی جز ۸ ص ۲۰۶)

سید قطب شہید لکھتے ہیں کہ اس سورت کے آغاز میں اللہ کی برکات پر مشتمل یہ سپاس نامہ اس بات پر دال ہے کہ اللہ کی برکتیں اور اللہ کے کرم اور اللہ کے فیوض کی کوئی انتہا نہیں ہے، اللہ کی برکتیں اللہ کی سلطنت میں ہیں اور اس کی بادشاہت میں کوئی کمی نہیں، اللہ کی ذات اور اللہ کی صفات کی برکات کا فیضِ عام اس پوری کائنات میں جاری وساری ہے اور یہ پوری کائنات اس کی حمد گا رہی ہے اور

اس لا انتہا وجود کی وادیوں میں اس کی گونج ہے، قلب مومن ان برکتوں سے لبالب ہے اور یہ کائنات اس کتاب الٰہی کے ذریعہ قلب مومن پر نازل ہوتی ہے اور اس پوری کائنات میں ان کا ظہور ہے۔ (فی ظلال القرآن)

بِيَدِهِ الْمُلْكُ: جس کے ہاتھ میں سلطنت ہے، وہ اس کائنات کا مالک ہے، اس کا اس نے احاطہ کر رکھا ہے، اس کی چوٹی کے بال اس کے ہاتھ میں ہیں، وہ اس میں متصرف ہے، یہ ہے اصل حقیقت کہ اس پوری کائنات کا بادشاہ وہی ہے جب یہ حقیقت انسانی ضمیر میں بیٹھ جاتی ہے تو یہ اپنی راہ خود بخود متعین کر دیتی ہے اور اس کے بعد پھر کوئی بھی اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کے لئے فارغ نہیں ہوتا، پھر وہ ایک ہی آقا، ایک ہی معبود اور ایک ہی بادشاہ کا قائل ہوتا ہے۔ (ظلال القرآن)

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیے کہ غیر متناہیہ عوالم کے اصول دو عالم ہیں، ملک اور ملکوت، ملک عرش سے لے کر فرش تک عالم اجسام کا نام ہے، جب کہ ملکوت قلم اعلیٰ سے انسانی نفس ناطقہ تک عالم ارواح کا نام ہے اور حضرت حق تعالیٰ کے لیے دونوں عالموں میں بادشاہانہ تصرف اور مالکانہ تدبیر ثابت ہے، عالم ملک کے تصرف کے اعتبار سے اسے تبارک کے ساتھ موصوف فرماتے ہیں جو کہ خیر دائمی کی کثرت کے معنوں میں ہے۔

اس لیے کہ یہ عالم روز بروز زیادتی اور ترقی میں ہیں اور دم بدم عجیب حالات اور نادر ترکیبات قوت و استعداد کی کمین گاہ سے فعلیت اور ظہور کے مقام پر جلوہ گر ہو رہی ہیں، جب کہ عالم ملکوت کی اپنے ارادہ کے تقاضے کے مطابق تسخیر کے اعتبار سے تسبیح کے ساتھ موصوف کرتے ہیں جس کا معنیٰ تنزیہ و تقدیس ہے جیسا کہ سورۃ یٰسین کے آخر میں **فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ** ہے، اس لیے کہ تنزہ قدس اور پاکیزگی عالم ارواح کے مناسب ہے۔

اور چونکہ اس کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی کاری گری کے عجیب نشانات جو کہ عالم ملک میں مشاہدہ میں آتے اور محسوس ہوتے ہیں اور سرحد امکان سے جود کے مقامات میں داخل ہو کر محاصرہ کی حد اور

عقل کے استدلال کے احاطہ سے خارج ہیں کی طرف اشارہ پورا پورا ہو، اب فرمایا جارہا ہے کہ اس عالم میں اس کا تصرف اور تدبیر اس کی موجودہ مقدار تک منحصر نہیں ہے بلکہ جو کچھ ممکنات میں داخل ہے وہ بھی اس کی قدرت کے ساتھ متعلق ہے۔ (تفسیر عزیزی)

وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ: اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، کوئی چیز اس پر غالب نہیں ہے، کوئی چیز اس کے ارادے کے سامنے رکاوٹ نہیں بن سکتی، اس مشیت کی حدود و قیود سے باہر، جو چاہتا ہے، تخلیق کرتا ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے، جو چاہے کر سکتا ہے، جو حکم دے اس کی تعمیل کروا سکتا ہے، اس کی قدرت بے حد و بے قید ہے، جب یہ حقیقت ذہن میں بیٹھ جائے تو ہمارے احساسات، تصورات اور عقل میں کسی قوت کے لیے کوئی سوچ جاتی ہے تو اس کی نفی ہو جاتی ہے۔

انسان جو کچھ بھی سوچ سکتا ہے اس کی قدرت اس سے زیادہ ہوتی ہے، انسان کا تصور بہت ہی محدود ہے کیونکہ انسان کی ذات اور اس کی فکری کائنات محدود ہے، انسان اپنے ماحولیات اور معلومات کے محدود دائرے میں سوچنے کا عادی ہے جو بہت ہی محدود ہوتا ہے، یہ حقیقت کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ انسان کو اس محدود دائرے سے نکالتی ہے، انسان یقین کرتا ہے کہ اللہ کی قدرت لامحدود ہے تو انسان اپنے آپ کو اس کے حوالے کرتا ہے اور یوں وہ اس محدود سوچ سے لامحدود سوچ کی طرف نکل جاتا ہے ورنہ انسان حاضر و موجود کے محدود تصور ہی کا غلام ہوتا ہے۔ (فی ظلال القرآن)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اور وہ سب چیزوں پر خواہ موجود ہوں، خواہ نہ ہوں، خواہ عادی ہوں، خواہ نہ ہوں، قادر ہے اور اس جہت سے کہ ہر موجود کی امکانی صورتوں کی کوئی حد نہیں، اس کی قدرت کے معمور خزانوں کو کوئی پورے طور پر سمجھ نہیں سکتا، چنانچہ دوسری جگہ فرمایا ہے **وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ**، اور خزانوں کا یہ وافر ہونا کسی بادشاہ کے لیے متصور نہیں ہو سکتا۔

اب اس کی بادشاہی کے چند اور کارخانوں کو غور سے ملاحظہ کرنا چاہیے کہ کتنے عجیب آثار رکھتے ہیں تاکہ اس کی بادشاہی کی وسعت کا تھوڑا سا تصور تمہارے ذہن میں آئے اور قدرے معرفت جو کہ اس کی بارگاہ میں توجہ کو صحیح کرنے والی ہو، تمہیں نصیب ہو، تمام کارخانوں سے پہلے اپنی نوع کے کارخانے کو جو سرکارِ عالی کے چیلے ہیں، غور و فکر کے ساتھ دریافت کرو کہ اللہ تعالیٰ کی برکت نے تقاضا فرمایا کہ موجودات میں سے ایک نوع کو اپنی قدرت اور اختیار سے ایک سایہ اور نمونہ دینا چاہیے اور اپنے علم و شعور کا ایک عکس اسے عطا فرمانا چاہیے تاکہ اختیار کے ساتھ خیرات دائمی کا مصدر ہونے میں اپنے خالق کے ساتھ مشابہت پیدا کرے اس لیے کہ دوسری مخلوقات جو کہ مصدرِ خیرات ہوتی ہے یا تو بے اختیار ہوتی ہے جیسے افلاک، ستارے، عناصر، کانیں اور نباتات یا ضعیف اختیار کے ساتھ جو کہ طبیعت کا حکم رکھتا ہے اور اس ضعیف اختیار کی وجہ سے تعریف اور مذمت کا مورد نہیں ہوتی اور ان کی خیرات دوام اور ہمیشگی کے زیور سے خالی ہوتی ہے جیسے حیوانات یا اپنے اختیار میں مجبور ہیں اور اپنے مالک کے حضور بے اختیاروں کی طرح مغلوب جیسے ملائکہ اور ارواح مدبرہ، اس لیے اس نے تمہاری نوع کو پیدا فرمایا اور قدرت، اختیار، شعور اور ادراک کلی دینے کی وجہ سے جو کہ ہمیشہ رہنے والے نشانات کے افعال کا مصدر ہو سکے اور ایک عالم کی بناء کر سکے، اسے اپنا خلیفہ بنایا اور اسے بطورِ خود چھوڑ دیا پھر اس کے لیے ایک ایسی چیز چاہیے تھی جو کہ اس کے جذبہ خیر کو حرکت دینے والی اور شر سے روکنے والی ہو۔ (تفسیر عزیزی)

موت وحیات باعث آزمائش

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًاؕ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ {۲} الملك

جواب ترجمہ: جس نے موت اور زندگی اس لیے پیدا کی تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون

عمل میں زیادہ بہتر ہے، اور وہی ہے جو مکمل اقتدار کا مالک، بہت بخشنے والا ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح حیات کی قسمیں ہیں اسی طرح موت کی قسمیں ہیں مَا هُوَ بِإِزَاءِ الْقُوَّةِ النَّامِيَةِ الْمَوْجُودَةِ فِي الْإِنْسَانِ وَالْحَيَوَانَاتِ وَالنَّبَاتِ، پہلی قسم انسان، حیوان اور نباتات میں نشو ونما کی قوت کے مقابلے میں ہے۔ جیسے ارشاد ربانی ہے وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الروم:۱۹) وہ زمین کو اس کی موت (ویرانی) کے بعد زندہ کرتا ہے۔

جب زمین میں نباتات، فصلیں، بوٹے اگانے کی صلاحیت نہیں رہتی تو وہ زمین کی موت ہوتی ہے، جسے ہم ویران زمین کہتے ہیں، اس صلاحیت کو ختم کرنے کے بعد جب اس میں دوبارہ سے نباتات، فصلیں اور بوٹیاں اگانے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ زمین زندہ ہے۔

زَوَالُ الْقُوَّةِ الْحَاسَّةِ، قوت حاسہ کو زائل (ختم) کر دینا، جس طرح خطرہ تہمت کے پیش نظر حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام نے کہا تھا، قرآن کریم نے ان کے الفاظ نقل فرمائے کہ لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هٰذَا (مریم : ۲۳) اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا {مریم ٦٦} جب میں مر چکا ہوں گا تو کیا واقعی اس وقت مجھے زندہ کر کے نکالا جائے گا؟

زَوَالُ الْقُوَّةِ الْعَاقِلَةِ، وَهِيَ الْجَهَالَةُ، قوت عاقلہ کو زائل (ختم) کرنا اور یہی وہ چیز ہے جس کو جہالت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے أَوَمَنْ كَانَ مَيْتاً فَأَحْيَيْنَاهُ {الأنعام ۱۲۲} ذرا بتاؤ کہ جو شخص مردہ ہو، پھر ہم نے اسے زندگی دی ہو۔

سورۃ النمل میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى {النمل ۸۰} بیشک آپ مردوں (بے عقل لوگوں) کو نہیں سناتے۔

اَلْحُزْنُ اَلْمُكَدِّرُ لِلْحَيَاةِ، ایسا رنج اور غم جو زندگی کو گدلا کر دے، مکدر کر دے اور حواس کو معطل کر دے۔

وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ {ابراہیم ۱۷} جہنمی کو ہر طرف سے موت آتی دکھائی دے گی اور وہ مرنے والا نہیں ہے۔

اَلْمَنَامُ، فَقِيلَ : اَلنَّوْمُ مَوْتٌ خَفِيفٌ، وَالْمَوْتُ نَوْمٌ ثَقِيلٌ، وَعَلَى هٰذَا النَّحو سَمَّاهُمَا اللّٰهُ تَعَالَى تَوَفِّيًا نیند کو بھی موت کہا گیا ہے، جس سے انسانی حواس کچھ وقت کے لیے معطل ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ نیند ہلکی موت ہے اور موت بھاری نیند ہے، اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے نیند کو وفات فرمایا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ {الأنعام ۶۰} اور وہی ہے جو رات تمہیں تم پر موت (نیند) طاری کرتا ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا {الزُّمَر: ۴۲} اللہ قبض کرلیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور ان جانوں کو بھی جن کی موت نہیں آئی ان کے سوتے وقت۔

قوت حیوانیہ کا زوال اور روح کا جسم سے الگ ہونا، قرآن مجید میں ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (الزمر: ۳۰) بے شک آپ پر موت آنی ہے اور یقیناً انہیں بھی مرنا ہے۔ (مفردات)

اللہ تعالیٰ نے یہاں موت کو پہلے ذکر فرمایا اور حیات کو بعد میں ذکر فرمایا ہے، اس کی حکمتیں بھی مفسرین کرام رحمہم اللہ نے اپنی اپنی تفاسیر میں بیان فرمائی ہیں، امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے جس طرح موت کے مختلف معانی قرآنی استدلال کے ساتھ بیان فرمائے ہیں، اسی طرح حیات کے بھی مختلف معانی قرآنی استدلالات کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔

حیات کے کئی معانی ہیں: الأوّل: لِلْقُوَّةِ النَّامِيَةِ اَلْمَوْجُودَةُ فِي النَّبَاتِ وَالْحَيَوَان، نشوونما کی وہ قوت جو حیوانات اور نباتات میں ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِعْلَمُوا أَنَّ

اللّٰهَ يُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا {الحدید ۱۷} جان لو اللہ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتاً {ق ۱۱} اور ہم نے مرے ہوئے شہر کو زندہ کیا، وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ {الأنبیاء ۳۰} اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا ہے۔

اَلثَّانِيَةُ: لِلْقُوَّةِ الْحَسَّاسِةِ، وَبِهٖ سُمِّيَ الْحَيَوَانُ حَيَوَانًا، حواس خمسہ ظاہرہ اور حواس خمسہ باطنہ کی قوتوں کو بھی حیات کہا جاتا ہے، اسی معنیٰ میں حیوان کو بھی حیوان کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ {فاطر ۲۲} اور زندہ اور مردے برابر نہیں ہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتاً أَحْيَاءً وَأَمْوَاتاً {المرسلات} دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتَى إِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ {فصلت ۳۹} یہاں جو اللہ تعالیٰ نے احیاھا فرمایا ہے، اس میں قوت نامیہ کی طرف اشارہ ہے اور لمحی الموتی میں قوت حساسیہ کی طرف اشارہ ہے۔

الثالثة: لِلْقُوَّةِ الْعَامِلَةِ الْعَاقِلَةِ، قوت عاملہ اور قوت عاقلہ کو بھی حیات کہا جاتا ہے، قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے أَوَمَنْ كَانَ مَيْتاً فَأَحْيَيْنَاهُ {الأنعام ۱۲۲} جو شخص پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا۔

اسی معنیٰ میں ایک عرب شاعر کہتا ہے

وَقَدْ أَسْمَعْتَ لَوْ نَادَيْتَ حَيًّا ... وَلٰكِنْ لَّا حَيَاةَ لِمَنْ تُنَادِي

تم نے آواز سنوادی ہوتی، اگر تم کسی زندہ کو پکارتے،، مگر جسے تم پکار رہے ہو، اس کے لیے کوئی زندگی نہیں۔

اَلرَّابِعَةُ: عِبَارَةٌ عَنِ ارْتِفَاعِ الْغَمِّ، دنیاوی تفکرات اور رنج و غم کے اٹھ جانے کو بھی حیات کہتے ہیں، اسی معنیٰ کی عکاسی کرتے ہوئے ایک عرب شاعر نے کہا تھا کہ

لَيْسَ مَنْ مَاتَ فَاسْتَرَاحَ بِمَيِّتٍ ... إِنَّمَا الْمَيِّتُ مَيِّتُ الْأَحْيَاءِ

وہ مردہ نہیں جو کسی مردے کے سبب آرام پاتا ہے، اصل مردہ تو وہ ہے جو زندہ لوگوں کے دلوں میں مردہ ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ {آل عمران ۱۶۹} جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے ان کو مردہ گمان مت کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لطف اندوز ہو رہے ہیں، جیسے بہت سی احادیث شریفہ میں فرمایا گیا ہے کہ شہیدوں کی روحیں لذت حاصل کر رہی ہیں۔

اَلْخَامِسَةُ: اَلْحَيَاةُ الْأُخْرَوِيَّةُ الْأَبَدِيَّةُ ، وَذٰلِكَ يُتَوَصَّلُ إِلَيْهِ بِالْحَيَاةِ الَّتِي هِيَ الْعَقْلُ وَالْعِلْمُ ، آخرت کی ہمیشہ والی زندگی، یہ عقل و علم والی زندگی کے ساتھ حاصل ہوتی ہے

قرآن کریم میں ہے اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ {الأنفال ۲۴} اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم قبول کرو جب کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں ایسے کام کے لئے بلاتے ہیں جو تم کو زندگی (جاوداں) بخشتا ہے۔

بندہ بروز محشر کہے گا کہ يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي {الفجر ۲۴} اے کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔ اس سے مراد آخرت کی وہ زندگی ہے جو ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔

اَلسَّادِسَةُ : اَلْحَيَاةُ الَّتِي يُوصَفُ بِهَا الْبَارِي، فَإِنَّهُ إِذَا قِيلَ فِيهِ تَعَالَى: هُوَ حَيٌّ، فَمَعْنَاهُ : لَا يَصِحُّ عَلَيْهِ الْمَوْتُ ، وَلَيْسَ ذٰلِكَ إِلَّا لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وہ حیات جس سے اللہ تبارک و تعالیٰ متصف ہے، یعنی وہ حیات جس پر موت کا آنا ممکن ہی نہیں ہے، اس معنیٰ میں حی صرف اللہ ہی کے لیے کہا جائے گا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اللہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (البقرہ: ۲۵۵) اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، جو ہمیشہ زندہ ہے اور سب کو قائم رکھنے والا ہے، نہ اس کو اُونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔

مفسر قرآن علامہ قرطبی رحمہ اللہ موت وحیات کے معانی کے ضمن میں دو مسئلے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں موت اور حیات کی تخلیق کا معنی : مسئلہ نمبر ① الذی خلق الموت ایک قول یہ کیا گیا ہے : معنی ہے تمہیں موت اور زندگی کے لئے پیدا کیا، یعنی دنیا میں موت کے لئے اور آخرت میں زندگی کے لئے پیدا کیا، موت کو زندگی پر مقدم کیا کیونکہ موت صفت قہر کے زیادہ قریب ہے جس طرح بنات کو بنین پر مقدم کیا فرمایا، يَهَبُ لِمَن يَّشَآءُ إِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَن يَّشَآءُ الذُّكُور (الشوریٰ :۴۹) وہ جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: موت کو اس لئے مقدم کیا کیونکہ یہ زندگی سے پہلے ہے کیونکہ اشیاء ابتدا میں موت کے حکم میں تھیں جس طرح نطفہ، مٹی وغیرہ۔

قتادہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے إِنَّ اللهَ تَعَالَى أَذَلَّ بَنِي آدَمَ بِالْمَوْتِ وَجَعَلَ الدُّنْيَا دَارَ حَيَاةٍ ثُمَّ دَارَ مَوْتٍ وَجَعَلَ الْآخِرَةَ دَارَ جَزَاءٍ ثُمَّ دَارَ بَقَاءٍ، اللہ تعالیٰ نے انسان کو موت کے ساتھ ذلیل کیا، دنیا کو زندگی کا گھر بنایا پھر موت کا گھر بنایا اور آخرت کو جزاء کا گھر پھر بقاء کا گھر بنایا۔

حضرت ابو داؤد سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا لَوْلَا ثَلَاثٌ مَا طَأْطَأَ ابْنُ آدَمَ رَأْسَهُ الْفَقْرُ وَالْمَرَضُ وَالْمَوْتُ وَإِنَّهُ مَعَ ذٰلِكَ لَوَثَّابٌ، اگر تین چیزیں نہ ہوں تو انسان اپنا سر نہ جھکائے فقر، مرض اور موت اس کے باوجود وہ اچھلنے کودنے والا اور جلد باز ہے۔

مسئلہ نمبر ② الموت والحیوۃ موت کو حیات پر مقدم کیا کیونکہ جو انسان موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتا ہے اسے عمل کی طرف دعوت میں یہ سب سے قوی داعی (سبب) ہے، اسے مقدم کیا کیونکہ جس غرض کے لئے آیت چلائی گئی ہے وہ زیادہ اہم ہے۔

علماء نے کہا، الْمَوْتَ لَيْسَ بِعَدَمٍ مَحْضٍ وَلَا فَنَاءٍ صِرْفٍ، وَإِنَّمَا هُوَ انْقِطَاعُ تَعَلُّقِ الرُّوحِ بِالْبَدَنِ وَمُفَارَقَتُهُ، وَحَيْلُولَةٌ بَيْنَهُمَا، وَتَبَدُّلُ حَالٍ وَانْتِقَالٌ مِنْ دَارٍ إِلَى دَارٍ

وَالْحَيَاةُ عَكْسُ ذٰلِكَ، موت سے مراد عدم محض اور خالص فنا نہیں جبکہ موت سے مراد روح کا بدن سے جو تعلق ہے اس کا انقطاع اور اس کی مفارقت ہے، دونوں میں کسی چیز کا حائل ہونا، ایک حال سے دوسرے حال میں بدل جانا اور ایک دار سے دوسرے دار میں منتقل ہونا ہے، جبکہ زندگی اس کے برعکس ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مکی رحمہ اللہ اور مقاتل رحمہ اللہ نے کہا، أَنَّ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ جِسْمَانِ، فَجُعِلَ الْمَوْتُ فِي هَيْئَةِ كَبْشٍ لَا يَمُرُّ بِشَيْءٍ وَلَا يَجِدُ رِيحَهُ إِلَّا مَاتَ، وَخَلَقَ الْحَيَاةَ عَلَى صُورَةِ فَرَسٍ أُنْثَى بَلْقَاءَ، موت اور حیات دو جسم ہیں موت کو مینڈھے کی ایسی ہیئت میں بنایا گیا ہے جو کسی انسان کے پاس سے نہیں گزرتا اور کوئی اس کی ہوا نہیں پاتا مگر مر جاتا ہے، حیات کو ایسی گھوڑی کی صورت پر بنایا گیا ہے جو سیاہ و سفید رنگ والی ہے۔

فرماتے ہیں کہ یہ وہی گھوڑی ہے جس پر حضرت جبریل امین اور انبیاء علیہم السلام سواری کیا کرتے تھے، اس کا ایک قدم حد نگاہ تک ہوتا ہے، جو گدھے سے بڑی اور خچر سے چھوٹی ہوتی ہے، یہ کسی چیز کے پاس سے نہیں گزرتی جو چیز اس کی ہوا پاتی ہے تو وہ زندہ ہو جاتی ہے، وہ کسی چیز کو نہیں روندتی مگر وہ ہر چیز زندہ ہو جاتی ہے، یہ وہی گھوڑی تھی جس کے قدم کے نشان سے سامری نے کوئی چیز لی اسے بچھڑے پر ڈالا تو وہ زندہ ہو گیا۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم میں ہے قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ (السجدہ:۱۱) فرما دیجیے، ملک الموت تمہاری جان نکالتا ہے جس کے تم سپرد کیے گئے ہو۔ وَلَوْ تَرٰى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ (الانفال:۵۰) اور اگر آپ دیکھیں جب کہ فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہوئے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (الزمر:۴۲) اللہ تمام روح کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے۔

حقیقت میں موت عطا کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، آخرت میں موت کو مینڈھے کی مثالی

شکل دی جائے گی اور پل صراط پر اسے ذبح کر دیا جائے گا جس طرح خبر صحیح میں واقع ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اس خبر صحیح کا محتاج ہے جو عذر کو ختم کر دے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ سے یہ بھی مروی ہے: خلق الموت سے مراد ہے نطفہ، علقہ اور مضغہ کو پیدا کیا اور خلق الحیوۃ سے مراد ہے انسان کو پیدا فرمایا، اس میں روح پھونکی تو وہ انسان بن گیا۔ (قرطبی)

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ وہ با اقتدار بادشاہ ہے کہ جس نے موت اور زندگی کو پیدا فرمایا تاکہ حیات کی وجہ سے اعمال اختیاریہ پر قادر ہوں اور موت کی وجہ سے تمہارے عمل کے حسن کے آثار ظاہر ہوں تو جس طرح حیات اعمال کی اصل اور ان کے تخم کے ظہور کا باعث ہے، موت ان اعمال کے نتائج اور آثار کی نمود کا باعث ہے اور یہ عجیب تدبیر اس لیے فرمائی لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً، تاکہ تمہارا امتحان کرے کہ تم میں سے کون عمل کی رو سے زیادہ اچھا اور نیک ہے اور حسن عمل کے درجات مختلف ہونے کی وجہ سے اپنے خالق کے ساتھ تمہاری مشابہت کے مرتبے بھی مختلف ہوتے ہیں، جس قدر حسن عمل زیادہ ہو گا تم میں برکتِ الٰہی کا ظہور زیادہ ہو گا پس اس تدبیر کے ساتھ اس نے برکت کا بیج بویا تاکہ اس بیج کی پیداوار ایک جہان کی آبادی کا باعث ہو جسے عالم آخرت کہتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اور یہ تدبیر بلا تشبیہ خزانوں کے مالک کی تدبیر کی طرح ہے جو چاہتا ہے کہ اپنے خزانے کو زراعت اور تجارت کے ساتھ زیادہ کرے اور دوسرا رنگ اور ایک اور نقش باندھے، فرق یہ ہے کہ صاحب خزانہ اس تدبیر میں اپنے غیر سے مدد لیتا ہے اور اس کا محتاج ہوتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوق کو بعض کے ساتھ ترکیب دے کر اپنے غیر سے مدد مانگے بغیر یہ نقش باندھا ہے اور اسی لیے باوجود یکہ یہ نقش باندھنے کے لیے اس نے اقتدار اور اختیار والے بندوں کو درمیان میں رکھا ہے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جیسا کہ حدیث قدسی میں فرمایا اِنَّمَا

هِيَ اَعْمَالُكُم اُحْصِيْهَا عَلَيْكُمْ، وہ تمہارے اعمال ہیں، انہیں میں تم پر شمار کرتا ہوں اس کے غلبہ اور عزت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، اس لیے کہ ہر چیز کی لگام بلکہ ان واسطوں کے اقتدار اور اختیار کی لگام بھی اپنے قبضہ قدرت میں رکھتا ہوں۔ (تفسیر عزیزی)

وَهُوَ الْعَزِيْزُ: اور وہ ایسی عزت والا ہے کہ اس کی مثل اس کا اس کے غیر میں تصور نہیں ہو سکتا اور اگر اس کی یہ عزت نہ ہوتی تو اس مخلوق کو کہ جسے اس نے اپنا خلیفہ بنایا اور تصرف میں خود مختار فرمایا ہے، اپنی نافرمانی اور ناراضگی پر مؤاخذہ اور سزا نہیں دے سکتا تھا، جس طرح کہ دنیا کے بادشاہ جب کسی کو اپنی جگہ مقرر کرتے ہیں اور بااختیار کرتے ہیں پھر اس سے یہ عہدہ چھین نہیں سکتے اور اپنی ناراضگیوں پر مؤاخذہ اور سزا نہیں دے سکتے اور اس تمام عزت اور غلبہ کے باوجود کہ اسے حاصل ہے، ایک اور وصف بھی رکھتا ہے کہ اَلْغَفُوْرُ: پردہ پوش اور بخشنے والا ہے، اپنے ان خود مختار بندوں کی کوتاہیوں سے درگزر فرماتا ہے اور پکڑنے میں جلدی نہیں فرماتا تاکہ ان کی سرکشی اور عناد ثابت ہو جائے اور حکمت کے تقاضے کے مطابق پردہ پوشی اور بخشش کی جگہ نہ رہے۔ (عزیزی)

سات آسمانوں کی تخلیق

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے نیز یہ فرمائیے کہ یہاں تَفٰوُت، فُطُوْر، كَرَّتَيْن، خَاسِئًا اور حَسِيْرٌ کا کیا معنٰی اور مفہوم ہے؟

الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ {٣} ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ {٤} الملك

جواب ترجمہ: جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کیے، تم خدائے رحمن کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں پاؤ گے۔ اب پھر سے نظر دوڑا کر دیکھو کیا تمہیں کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟ پھر بار بار نظر دوڑاؤ، نتیجہ

یہی ہو گا کہ نظر تھک ہار کر تمہارے پاس نامراد لوٹ آئے گی۔

مفسر قرآن علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے ایک پر ایک، گو بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک پر ایک ملا ہوا ہے لیکن دوسرا قول یہ ہے کہ درمیان میں جگہ ہے اور ایک دوسرے کے اوپر فاصلہ ہے، زیادہ صحیح یہی قول ہے، اور حدیث معراج وغیرہ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔

پروردگار کی مخلوق میں تو کوئی نقصان نہ پائے گا بلکہ تو دیکھے گا کہ وہ برابر ہے، نہ ہیر پھیر ہے نہ مخالفت اور بے ربطی ہے، نہ نقصان اور عیب اور خلل ہے۔ اپنی نظر آسمان کی طرف ڈال اور غور سے دیکھ کہ کہیں کوئی عیب ٹوٹ پھوٹ جوڑ توڑ شگاف و سوراخ دکھائی دیتا ہے؟ پھر بھی اگر شک رہے تو دو دفعہ دیکھ لے کوئی نقصان نظر نہ آئے گا تو نے خوب نظریں جما کر ٹٹول کر دیکھا ہو پھر بھی ناممکن ہے کہ تجھے کوئی شکست وریخت نظر آئے تیری نگاہیں تھک کر اور ناکام ہو کر نیچی ہو جائیں گی۔ (ابن کثیر)

دیگر اہل تفسیر نے اس مقام پر اپنی اپنی تحقیقات پیش کی ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں، حدیث میں آیا ہے کہ ایک آسمان کے اوپر دوسرا آسمان، دوسرے پر تیسرا اسی طرح سات آسمان اوپر نیچے ہیں۔ اور ہر ایک آسمان تک پانچ سو برس کی مسافت ہے۔

نصوص میں یہ تصریح کی گئی کہ اوپر جو نیلگونی چیز ہم کو نظر آتی ہے وہی آسمان ہے، ہو سکتا ہے کہ ساتوں آسمان اس کے اوپر ہوں اور یہ نیلگونی چیز آسمان کی چھت گیری کا کام دیتی ہو۔

آسمانوں کے وجود پر قرآن کریم اور الہامی کتابوں کا فیصلہ: چنانچہ توریت اول کے پہلے باب میں یہ لکھا ہے کہ ابتداء میں خدا نے آسمان وزمین کو پیدا کیا پھر اسی کتاب کے باب سات میں طوفان نوح کے بیان میں یہ جملہ بھی ہے کہ جب نوح علیہ السلام کی عمر چھ برس کی ہوئی دوسرے مہینے کی سترھویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمندر کی سب سوتیں پھوٹ کر نکلیں اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں اور باب آٹھ میں یہ جملہ ہے اور آسمان کی کھڑکیاں بند ہو گئیں اور آسمان سے مینہ تھم گیا۔

انجیل متی کے باب تین میں ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے اصطباغ یعنی دریا میں غوطہ لگا کر باہر آئے تو ان کے لیے آسمان کھل گیا اور مکاشفات یوحنا کے باب آٹھ اور دیگر ابواب سے صاف آسمان پر ستاروں کا ہونا اور ان کے دروازے کھلنا اور وہاں سے آواز آنا وغیرہ وہ باتیں مذکور ہیں کہ جو قرآن وحدیث کے مطابق ہیں۔ اسی طرح ہنود کے وید اور پارسیوں کے دساتیر سے بھی آسمانوں کی بابت اسی طرح کے مضامین مفہوم ہوتے ہیں۔

الغرض ہزار ہا برس سے اور غیر الہامی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام اور دیگر لوگوں کا اس امر میں اتفاق ہے لیکن یونان کے فلسفیوں نے جس طرح اور چیزوں کی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنے میں عقل کے گھوڑے دوڑائے اور جو باتیں ان کو اپنے قیاس اور تخمین یا تجربہ اور آلات رصد وغیرہا سے دریافت ہوئیں تو ان کو قلم بند کیا اور اس کا نام حکمت رکھا۔

حکماء یونان و فلاسفہ کے خیالات: فیثا غورس کہتے ہیں آسمانوں کا وجود نہیں یہ ستارے بذات خود قائم ہیں کسی میں جڑے ہوئے نہیں دوسرے گروہ کے سر دفتر حکیم بطلیموس ہیں وہ کہتے ہیں کہ زمین گول کروی ہے کسی قدر یعنی تخمیناً چوتھائی حصہ اس کا ناہمواری کیوجہ سے اوپر اٹھا ہوا ہے باقی اس کے گرد پانی لپٹا ہوا ہے جسے سمندر کہتے ہیں، پانی کے ارد گرد کرہ ہوا لپٹا ہوا ہے اس کے اوپر آگ کوسوں تک ہر طرف سے لپٹی ہوئی ہے، یہ چار کرہ عناصر کے ہوئے، اب جس قدر زمین پانی سے اوپر اٹھی ہوئی ہے اس پر سب لوگ بستے ہیں۔

ان چاروں کروں کے چاروں طرف پہلا آسمان ہے، جس کو فلک القمر بھی کہتے ہیں یعنی اس آسمان میں چاند ہے جیسا کہ نیلے جسم پر ایک سفید گول نشان ہو جاتا ہے اس کے اوپر فلک العطارد ہے، اس کے اوپر فلک زہرہ اس کے اوپر فلک شمس ہے یعنی چوتھا آسمان ہے جہاں آفتاب ہے، اس کے اوپر فلک مریخ ہے کہ جہاں مریخ ستارہ ہے اس کے اوپر فلک مشتری اس کے اوپر جہاں مشتری ستارہ

ہے اس کے اوپر فلک زحل کہ جہاں زحل ستارہ ہے اس کے اوپر فلک الثوابت کہ جہاں یہ سینکڑوں ان گنت ستارے ہیں کہ جو از خود حرکت کرتے معلوم نہیں ہوتے یعنی ایک جگہ ہمیشہ ثابت رہتے ہیں چونکہ نیچے کے آسمان بلکہ کل آسمان نہایت شفاف اور صاف ہیں وہ اوپر کے ستارے سب نظر آتے ہیں

اس کے اوپر فلک الافلاک ہے کہ جس کو فلک اطلس کہتے ہیں یعنی سادہ اس پر کوئی تارہ نہیں وہ دن رات میں مشرق سے مغرب کی طرف ایک جگہ چرخہ کی طرح پھر کر دورہ تمام کرتا ہے اور اس کی وجہ سے سب آسمان اور تارے دورہ تمام کرتے ہیں کہ جس سے رات اور دن پیدا ہوتے ہیں یعنی جہاں سامنے آفتاب آگیا وہاں دن ہو گیا اور جہاں سامنے سے بالکل ہٹ گیا وہاں رات ہو گئی اور تمام ستارے از خود بھی ایک حرکت مشرق سے مغرب کر کے دورہ تمام کرتے ہیں۔

چاند تو مہینہ بھر میں اس دورہ کو تمام کر لیتا ہے دراصل گھٹتا بڑھتا نہیں بلکہ جس قدر وہ آفتاب کے مقابلے میں آتا ہے اسی قدر اس پر روشنی پڑتی ہے اتنا ہی ہم کو دکھائی دیتا ہے ورنہ وہ گول بڑا بھاری جسم ہے زمین سے کہیں زائد ہے اور آفتاب اپنے دورہ کو دائرہ منطقہ البروج پر برس میں تمام کرتا ہے اسی لیے مختلف فصلیں سردی اور گرمی کی پیدا ہوتی ہیں، یہ کل تیرہ کرے ہوئے جن میں نو آسمان ہیں سات تو یہ کہ جن کو شرع نے سبع سموات کہا ہے اور دو وہ جن کو عرش و کرسی کہا ہے کرسی فلک الثوابت عرش فلک الافلاک ہے اس صورت پر اور آسمانوں کا کوئی رنگ نہیں کیونکہ اگر رنگ نہ ہوتا تو اوپر کی چیزیں دکھائیں نہ دیتیں اور یہ جو نیلگوں معلوم ہوتا ہے یہ آسمان کی شفافی اور غبارات کی تیرگی سے پیدا ہوا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب سفیدی اور سیاہی ملتی ہے تو نیلی رنگت پیدا ہو جاتی ہے۔

یا یوں کہو کہ اجزاء شفاف ہیں اجزائے غباری کہ جو سیاہ ہیں۔ ان کو ملنے سے یہ نیلگونی پیدا ہو گئی یا یہ کہ اجزاء شفاف ہیں جب ان کو دیکھتے ہیں تو نظر میں ایک تیرگی پیدا ہوتی ہے، ان دونوں کے ملنے سے نیلگونی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ سمندر کا پانی نیلا دکھائی دیتا ہے اس کے علاوہ اور بہت سے مسائل اس حکیم اور اس کی جماعت کے ہیں لیکن نہ اسلام کو اس ہئیت سے کچھ بحث ہے نہ اس سے۔

اگر یہ غلط ہو اتو اسلام کی صداقت میں کیا نقصان آتا ہے؟ اور جو وہ سر اسر غلط ہو تو کیا نقصان ہے البتہ آسمانوں کی بابت علی سبیل فکر آیات قدرت جو کچھ قرآن یا دیگر کتب الہامیہ میں مذکور ہے اس کے تمام بنی آدم قائل ہیں وہ علم فطری ہے جب بطلیموس اور فیثا غورس نہ تھے جب بھی لوگ ان باتوں کو مانتے تھے بہر کیف الہامی کتابوں بالخصوص قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ آسمان کوئی مجسم چیز ہے کہ جو قیامت کو پھٹ جاوے گی؟ (گلدستہ تفاسیر)

ارباب تفسیر اس مقام پر قدرت والے کی کچھ مزید کاریگریوں اور بوقلمونیوں کا بڑے احسن انداز میں ذکر فرماتے ہیں، اس کا کچھ حصہ مطالعہ فرمائیں، لکھتے ہیں" یہ سورۃ شہنشائی خداوندی کے اصول پر مشتمل ہے اور حکمرانی کے اصول اور لوازم ارشاد فرمائے گئے ہیں سب سے اول بادشاہ عالمین کی ذات کا تذکرہ کیا گیا کہ وہ مبارک ہے، پھر اس کی صفات کمال کا تذکرہ کیا گیا جو حکومت کے لیے ضروری ہیں۔

لوازم بادشاہت: یہ فطرت انسانی میں داخل ہے کہ جب کوئی حکومت قائم کی جاتی ہے تو سب سے اول دار الحکومت کی بنیاد ڈالتے ہیں دار السلطنت یا دار الخلافہ کہ جس کو باب عالی یا باب حکومت کہا جاتا ہے وہ قائم کرتے ہیں اور اس کو نہایت مستحکم اور مضبوط بناتے ہیں۔

دشمنوں کا حملہ سب سے پہلے دار لسلطنت پر ہوتا ہے، وہ اگر قبضہ میں آجاتا ہے پورا ملک فتح سمجھا جاتا ہے اس لیے دار الحکومت کو زیادہ مضبوط و مستحکم بنایا جاتا ہے بڑے بڑے قلعے تعمیر کیے جاتے ہیں اور اگر کوئی بڑی سلطنت ہے تو ساتھ ساتھ شہر پناہیں قائم کی جاتی ہیں اور ہر شہر پناہ کے اندر بڑی بڑی فوجیں رکھی جاتی ہیں جن کے ساتھ میں سامان جنگ ہوتا ہے جس زمانے کے مناسب جو کچھ سامان ہو یا جس ملک کے مناسب جو سامان ہو وہ فراہم کیا جاتا ہے۔

گولہ اور بارود اور آج کے دور میں مثلاً بم اور بڑی بڑی دور مار توپیں اور مشین گنیں اور جٹ طیارے، یہ زیادہ سے زیادہ مہیا کیے جاتے ہیں دار لسلطنت کے لیے، اور ضرورت کے مطابق اطراف

ملک میں یہ قوتیں قائم کی جاتی ہیں، مختلف چھاؤنیاں بناتے ہیں مگر دارالسلطنت کو مضبوط رکھتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ غنی ہیں کہ ان کی حفاظت کے لئے کوئی دار السلطنت بنے یا ان کے لئے قلعے بنائے جائیں وہ تو خود حافظ و حفیظ ہیں، وہ خود حفاظت کرنے والے ہیں جہانوں کی، ان کی حفاظت کے کوئی معنیٰ ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ملک کے اظہار کے لئے تمام لوازم سلطنت قائم کئے، لیکن چونکہ ان کی صفت ہے ملک اور بادشاہ ہونا اس صفت کے اظہار کے لئے تمام لوازم سلطنت قائم کئے جاتے ہیں، تو سب سے پہلے شاہی قلعہ تعمیر کیا گیا۔

سات آسمان بمنزل سات شہر پناہوں کے ہیں: اور وہ بھی سات شہر پناہوں کا جن کو سات آسمان کہتے ہیں، تو آسمان زمین سے زیادہ مضبوط ہے۔ زمین کمزور ہے، لیکن آسمان مضبوط ہے، زمین میں آپ روزانہ تصرف کرتے ہیں، کہیں کھود کر کنویں بنا رہے ہیں، کہیں سڑکیں نکالی جا رہی ہیں، روزانہ تغیر و تبدل زمین میں ہوتا ہے، لیکن آسمان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں۔ جب سے آسمان بنائے گئے ہیں، ہزاروں برس سے اس وقت تک یکساں حالت پر قائم ہیں۔

آسمان کہاں ہے؟ اب یہ کہ وہ آسمان کہاں ہے تو ہو سکتا ہے کہ یہ نیلگوں اور چھت سی نظر آتی ہے یہی آسمان ہو، لیکن بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں کہ یہ آسمان نہیں، تو ہمیں بھی کوئی اصرار نہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ نیلگوں چھت جو ہے اس کے اوپر آسمان ہو اور یہ نیلگوں چھت ایسی ہو جیسے ایک بڑی چھت کے نیچے شہتیر لگا دیتے ہیں اور شامیانہ تان دیتے ہیں۔ تو ہو سکتا ہے کہ یہ نیلگوں آسمان نہ ہو، آسمان اس سے بالاتر ہو۔

زمین سے آسمان تک کی مسافت پانچ سو برس ہے: اس لئے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ زمین سے لے کر آسمان تک پانچ سو برس کی مسافت ہے اور چونکہ مبالغہ اور استحسان ظاہر کرنا مقصود ہے۔ اس واسطے وہ پانچ سو برس کی مسافت تیز سے تیز سواری پر طے ہونی چاہیے، زیادہ سے زیادہ تیز سواری

ہو، وہ پانچ سو برس کی مسافت تیز سے تیز سواری پر طے ہونی چاہیے، زیادہ سے زیادہ تیز سواری ہو، وہ پانچ سو برس میں پہنچ سکتی ہے وہاں تک۔

آج بڑی سے بڑی تیز سواری اگر ہو سکتی ہے تو راکٹ ہو سکتا ہے، جو ایک گھنٹہ میں پچیس سو میل یا پچیس ہزار میل جانے والی سواری ہے، اور ممکن ہے کہ کل کو اس سے بھی زیادہ تیز سواری بن جائے تو وہ ایک گھنٹہ میں پانچ سو کی بجائے پانچ ہزار یا پچیس ہزار کی بجائے پچاس ہزار میل طے کرلے، ایک لاکھ میل طے کرلے، پل بھر میں پہنچ جائے تو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار سواری پر اگر سوار ہو کر جایا جائے تو پانچ سو برس میں آسمان پر پہنچ سکتا ہے آدمی، اور ظاہر ہے کہ نہ اتنی عمر ہے کسی کی کہ وہ اس پر سوار ہو اور پانچ سو برس طے کرے، آج بڑی سے بڑی عمر ہے تو وہ ساٹھ ستر برس کی ہے، سو برس کی ہو جائیگی تو اس عمر پر انسان طے نہیں کر سکتا جب تک کہ مدد خداوندی شامل نہ ہو۔

اسی واسطے ایک موقع پر قرآن مجید میں فرمایا گیا، اے جنو اور انسانو! اگر تم یہ کوشش کرنا چاہتے ہو کہ زمین اور آسمانوں کے فاصلے طے کرلو اور ان کی اقطار سے گزر جاؤ۔ قطر کہتے ہیں اس خط کو جو دائرے کے بیچ میں ہوتا ہے، اس سے پار ہو جاؤ تو ہو سکتے ہو محال نہیں، لیکن ہو نہیں سکتے الا بسلطان۔ جب تک کہ اللہ کی طرف سے کوئی مدد نہ دی جائے تمہیں، کوئی حجت تمہارے ہاتھ میں نہ ہو اس وقت تک تم آسمانوں تک نہیں جاسکتے۔ آسمان سے نیچے نیچے جہاں تک تمہارا جی چاہے چلے جاؤ، جہاں تک طاقت ہو۔

انسان چاند پر جاسکتا ہے: آج کوئی چاند پر پہنچنا چاہے تو پہنچ سکتا ہے، شریعت کے اصول سے کوئی بعید بات نہیں ہے، اس لئے کہ یہ نظام کواکب ستاروں کا نظام سب آسمانوں سے نیچے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صریح روایت موجود ہے، اس میں ہے کہ یہ تمام ستارے آسمان کے نیچے لٹکے ہوئے ہیں اور ان میں زنجیریں پڑی ہوئی ہیں سونے اور چاندی کی اور ملائکہ کے ہاتھ میں ہیں جو تھامے ہوئے ہیں انہیں۔ قیامت کے دن جب آسمان ٹوٹیں گے اور ملائکہ علیہم السلام کو بھی وفات دے

دی جائے گی، زنجیریں چھوٹ جائیں گی وہ سارے ستارے ٹکڑے ہو کر نیچے آپڑیں گے۔ قیامت قائم ہو جائے گی۔

ستاروں کو ملائکہ نے تھام رکھا ہے: ستارے اپنی کشش سے قائم نہیں بلکہ انہیں ملائکہ نے تھام رکھا ہے، آج کی دنیا میں کہا جاتا ہے کہ ستارے باہمی کشش سے قائم ہیں ایک دوسرے ستارے کو کھینچ رہا ہے اس لئے وہ معلق ہیں، تو انہوں نے اسے کشش سے تعبیر کر دیا، شریعت نے اس کشش کی حقیقت بتلادی کہ وہ ملائکہ ہیں جنہوں نے اپنی طاقت سے تھام رکھا ہے ستاروں کو۔ تو ہمیں کشش سے انکار کی بھی ضرورت نہیں ہے لیکن پھر وہ حسیات پر پہنچے، کشش ہوتی ہے حسی چیزوں میں، شریعت اس کا انکار کئے بغیر اس کی حقیقت بتلاتی ہے کہ اس کشش کو تھام رکھا ہے فی الحقیقت ملائکہ علیہم السلام نے ان کی معنوی قوت نے ستاروں کو لٹکا دیا تو یہ سارا نظام کواکب آسمانوں سے نیچے نیچے ہے۔

آسمان اس سے بالاتر ہیں تو سات آسمان تعمیر کئے گئے، گویا سات شہر پناہیں بنائی گئیں، اس لئے کہ جب بڑی حکومت ہوتی ہے تو چھوٹا موٹا قلعہ کام نہیں دیتا، جب تک کہ ساتھ ساتھ شہر پناہیں نہ ہوں، تو سات شہر پناہ کا ایک دارالسلطنت بنایا گیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ آخری حصہ میں تخت شاہی رکھا جاتا ہے تو ساتوں آسمانوں کے اوپر جا کر عرش عظیم قائم کیا گیا، ساتوں آسمانوں کے اوپر بطور ایک حفاظتی خندق کے ایک عظیم الشان سمندر ہے، آپ نے دیکھا ہو گا کہ بڑے بڑے قلعے جب تعمیر ہوتے ہیں تو دشمنوں سے حفاظت کے لئے ان کے ارد گرد خندقیں کھود دی جاتی ہیں۔ آسمان سے پانی بھرا جاتا ہے ان میں کہ اگر کوئی قریب بھی پہنچے تو دیوار تک نہ پہنچ سکے قلعے کی، سب سے زیادہ گہری خندق ڈالتے ہیں اور اس میں بہت گہرا پانی ہوتا ہے، اب اس میں کوئی کشتیاں بنائے، اتنے بنائے گا قلعے والے اس کا استیصال بھی کر دیں گے اوپر سے گولیاں برسا کر، تو دشمنوں سے حفاظت کے لئے اول تو سات قلعے بنائے گئے اور پھر تے ہیں تو پانی کے اوپر نرم مخلوق ہے۔ اس پر چلنا آسان نہیں اس واسطے کہ پانی پر آکر دشمن رک جاتا ہے۔

تو حق تعالیٰ شانہ نے سات آسمان بنائے گویا سات قلعے تعمیر کئے اور اس کے بعد ایک عظیم الشان سمندر بنایا، اس سمندر کی بڑائی اس حدیث میں آتی ہے کہ " آسمانوں اور زمینوں کے برابر ایک موج ہے اس دریا کی "اس سے اوپر عرش عظیم قائم کیا تو سات قلعے ہیں اس کے بعد خندق بنائی گئی اور خندق بھی جیسا قلعہ ویسی ہی خندق جیسا بادشاہ ہے ویسا ہی اس کے لئے سامان، تو وہ خندق ایسی ہے کہ ایک عظیم سمندر ہے اور اس سمندر کی ایک ایک موج آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے۔

عرشِ الٰہی سمندر کے اوپر ہے: اس کے اوپر عرشِ عظیم قائم کیا گیا تو گویا دارالسلطنت قائم کرنے میں پہلے قلعے بناتے ہیں قلعے کے بعد خندق بناتے ہیں اور ساتویں قلعے میں پھر تخت شاہی رکھا جاتا ہے جو علامت ہوتی ہے بادشاہ کی، اسی تخت سے احکام جاری ہوتے ہیں، تو وہ تختِ شاہی ہے عرشِ عظیم۔

ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے اور اس پر عرشِ عظیم قائم کیا گیا ہے تو عرش کی مثال بالکل ایسی ہی ہے کہ جیسے یہ سات آسمان قبوں کی طرح سے ہیں، ایک دوسرے کے اوپر اور عرش نے سب کو گھیر رکھا ہے، سارے آسمان، ساری زمینیں، سارے سیارات اس عرش کے نیچے ہیں تو ترتیب معین ہوگئی کہ نیچے زمین، اوپر آسمان، اوپر سمندر اس سے اوپر پھر عرش عظیم ہے۔ تو ایک شاہی قلعہ بنا اور تخت شاہی رکھا گیا۔ (گلدستہ تفاسیر)

اللہ کے مہمانوں کے لئے جو گیسٹ ہاؤس ہے اس کا نام جنت ہے، تو یہ بھی قاعدہ ہے کہ بہر حال حکومت کے مہمان بھی آتے ہیں تو ان کے لئے ایک گیسٹ ہاؤس بنایا جاتا ہے، ایک بہت بڑا مہمان خانہ اتنا بڑا کہ جو سارے مہمانوں کے لئے مناسب ہو۔ اس لئے کہ بادشاہ کے پاس چھوٹے موٹے قسم کے لوگ تو نہیں پہنچتے، وہاں والیان ملک اور بڑے بڑے نواب اور راجہ ہی پہنچ سکتے ہیں کہ جو بادشاہ کے مہمان ہوتے ہیں تو ان کے مناسب حال ضرورت تھی کہ گیسٹ ہاؤس بنے، سرکاری مہمان خانہ بنے، تو وہ سرکاری مہمان خانہ اسی کا نام ہے جنت۔

یہ جنت جو ہے یہ عرش عظیم کے نیچے ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ سات آسمان ہیں، ساتویں آسمان سے جنتوں کا علاقہ شروع ہوتا ہے، اس لئے کہ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ جبریل علیہ السلام کا مقام ہے سدرۃ المنتہیٰ اور یہ ساتویں آسمان پر ہے اور قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ عند سدرۃ المنتھی، عندھا جنۃ الماویٰ۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس سے جنت الماویٰ شروع ہوتی ہے تو حدیث اور آیت کے ملانے سے نتیجہ یہ نکل آیا کہ ساتویں آسمان سے جنتوں کا علاقہ ہے۔

جنتوں کی تعداد: اور جنتیں ہیں سو ایک دوسرے کے اوپر اور ایک ایک جنت آسمانوں اور زمینوں سے بھی زیادہ بڑی ہے تو اندازہ کیجئے کہ سو جنتیں ہیں اور ہر جنت آسمانوں اور زمینوں سے بڑی ہے تو لاکھوں آسمانوں کے برابر ایک جنت ہی ہوگی یہ ہے سرکاری مہمان خانہ جس میں سرکاری مہمان رکھے جائیں گے۔

سرکاری مہمان: اور سرکاری مہمان کب پہنچیں گے سرکاری مہمان خانہ میں؟ جب آسمان بیچ سے نکال دیئے جائیں گے جب ہی تو پہنچیں گے۔ اس لئے کہ اصل مہمان ملائکہ تو ہیں نہیں یہ تو خدام ہیں جو کام کر رہے ہیں، مہمان تو وہ ہیں جو اللہ کے بتائے ہوئے طریق پر اور راستے پر چل کر اس تک پہنچیں گے۔ وہ راستہ شریعت ہے اس پر چلنے والے انسان ہیں، تو حقیقت میں سرکاری مہمان یہ انسان ہوں گے جو ٹھیک اس راستہ پر چل کر جو جنت کو جارہا ہے وہاں پہنچ جائیں گے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن حساب کتاب کے بعد جو اہل جنت ہیں وہ بطور مہمان کے داخل کئے جائیں گے اور خوب مہمان نوازی ہوگی ان کی۔

اہل جنت کی تین دن خاص مہمانی ہوگی: ان کے لئے زمین کی روٹی اور مچھلی کے جگر کا سالن بنایا جائے گا اور تین دن کی مہمانی اس انداز سے ہوگی کہ ان کو روٹی تو دی جائے گی اس زمین کی یعنی یہ پوری زمین اس کی ایک روٹی بنادی جائے گی اور زمین جس پر قائم ہے وہ ایک عظیم الشان مچھلی ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اس کے جگر کے کباب ہوں گے تو زمین کی روٹی اور مچھلی کے کباب اور وہ بھی اس کے جگر کے کہ سب سے زیادہ لذیذ گوشت ہوتا ہے وہ دی جائے گی غذا۔ (گلدستہ تفاسیر)

طِبَاقاً: حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طباقاً کا مطلب ہے تہ بہ تہ ہر آسمان اپنے نچلے آسمان کو محیط ہے اور جو فیض کہ نازل ہوتا ہے اعلیٰ کے نچلے کا احاطہ کرنے کے سبب سے اس فیض کا گزر نچلے آسمان اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کے اوپر سے صورت پکڑے اور ساتوں آسمانوں کے فیوض کا امتزاج سبب کے ساتھ زمین والوں پر متحقق ہو، نیز ساتوں آسمانوں کو ایک ساتھ ایک دوسرے کے مطابق کر دیا تاکہ بعض کے بعض کے ساتھ موافقت کی وجہ سے کائنات کے احکام میں خلل اور تصادم اور خرابیاں رونما نہ ہوں اور یہ عجیب تدبیر کائنات کی تکمیل اور حسن اعمال کے مفاسد کا موجب ہو۔ (تفسیر عزیزی)

تَفَاوُت: علامہ ابوالبرکات نسفی رحمہ اللہ تفاوت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تفاوت کا مطلب یہ ہے کہ تناسب کا نہ ہونا گویا بعض حصہ دوسرے سے فوت ہو جائے اور اس کے مناسب نہ رہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ طباقاً کی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہے **مَاتَرٰی فِیھِنَّ مِن تَفَاوُت** پس خلق الرحمن کو ضمیر کی جگہ لائے۔ ان کی تخلیق کی عظمت کو بتلانے اور تفاوت سے سلامت رہنے کا سبب ظاہر کرنے کے لئے ایسا کیا گیا اور وہ اس طرح ہے کہ یہ چیزیں رحمان کی تخلیقات سے ہیں اور وہی اپنی زبردست قدرت کی وجہ سے ایسی متناسب مخلوق پیدا کر سکتا ہے۔ (تفسیر نسفی)

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ رب کی تخلیق میں کوئی تفاوت نہ ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ تو عام رحمت والے خدا کی تخلیق میں نہ عالم علوی میں نہ عالم کون وفساد میں کوئی تفاوت دیکھتا ہے، حکمت کی رعایت، حسن انتظام اور ہر چیز سے مطلوب تاثیروں کے صادر ہونے میں، ہاں جو تفاوت ہے کہ صور نوعیہ کی طبیعتوں میں اختلاف اور اختیار والی چیزوں کے جذبات اور ارادوں میں اختلاف کی وجہ سے

ہے اور یہ تفاوت حکمت اور جہانداری کے تقاضوں کے عین مطابق ہے اگر یہ تفاوت نہ ہوتا تو عجیب تاثیریں اور حیران کن ترکیبات نمودار نہ ہوتیں۔ (تفسیر عزیزی)

فَارْجِعِ الْبَصَرَ: (پس تم پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لو) یعنی اپنی نگاہ آسمان کی طرف لوٹاؤ۔ تاکہ مشاہدہ سے اس خبر کی سچائی تیرے سامنے آجائے۔ اور تمہیں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اے سننے والے! اگر اس امر میں تجھے کوئی شک ہے اور تو اس تفاوت کو حکمت کی رعایت میں تفاوت کا موجب نہیں سمجھتا فارجع البصر پس اپنی نگاہ کو عالم بالا کی طرف پھیر کہ کائنات اور فاسدات کا مبدأ وہی ہے اور جب تک کسی شے کے مبدأ میں خلل نہیں پڑتا اس شے میں خلل کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ: کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے، فطور جمع فطر، پھٹن، شگاف، دراڑ (تفسیر مدارک التنزیل لعلامہ نسفی)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کیا تو اس عالم بالا میں کوئی شگاف دیکھتا ہے جو کہ فعل اور رعایت حکمت کے اتفاق پر دلالت نہ کرے اور اگر تجھے اس ایک بار کے دیکھنے سے تسلی خاطر حاصل نہ ہو تو کہے کہ پہلی نظر حماقت ہے تو پھر اس عالم کے احوال میں اپنی عقلی چشم کو پھر لوٹا، تکرار سے، تیری نظر تیری طرف پھرے گی دھتکاری ہوئی گویا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے دلائل ہر طرف سے کوتاہی طلب کرنے والے کو دھتکارتے ہیں۔ (تفسیر عزیزی)

يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا: نگاہ ذلیل اور درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی۔

وَهُوَ حَسِيْرٌ: وہ تھکی ہوئی اور درماندہ ہے۔ (تفسیر مدارک التنزیل)

شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نظر تھکی اور عاجز ہوئی ہو گی، پس یہ امر اس بات پر صریح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں حکمت کو پسند کرتا ہے تو تمہارے اختیاری اعمال میں بھی اسی کو پسند کرتا

ہے کہ ممکن حد تک اچھے طریقے سے واقع ہوں کہ کسی طرح بھی ان میں حکمت کی مخالفت اور رخنہ پیدا نہ ہو تا کہ بقدر امکان اپنے خالق کے ساتھ مشابہت حاصل کرلے۔ (تفسیر عزیزی)

آسمان دنیا کی تزئین و آرائش

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر بیان کریں۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ {۵} الملك

جواب ترجمہ : اور ہم نے قریب والے آسمان کو روشن چراغوں سے سجا رکھا ہے، اور ان کو شیطانوں پر پتھر برسانے کا ذریعہ بھی بنایا ہے، اور ان کے لیے دہکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

مفسر قرآن سید قطب رحمہ اللہ اس مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ کمال کی طرح اس کائنات کی ہر چیز میں جمال بھی مقصود بالذات ہے بلکہ کمال اور جمال ایک ہی حقیقت کے دو نام یا دو پہلو ہیں، کسی چیز میں کمال ہی اس کی خوبصورتی کا اعلیٰ درجہ ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے پہلے آسمانوں کی خوبصورتی کی طرف متوجہ کیا اور اس کے بعد کمال کی طرف۔

یہ سمائے دنیا کہلاتا ہے، شاید یہ وہ بلندی ہے جو زمین کے مکان اور قرآن کے مخاطب انسانوں کے فہم کے قریب ہے، مصابیح اور چراغوں سے مراد ستارے اور سیارے ہیں جو ہمیں نظر آتے ہیں، جن انسانوں سے قرآن مخاطب تھا وہ آسمانوں کو دیکھ کر یہی سمجھتے تھے کیونکہ ان کے پاس رصد گاہیں نہیں تھیں اور اس وقت بھی اور آج بھی کوئی آنکھوں سے آسمان کو دیکھے تو اس میں ستارے روشن چراغ نظر آتے ہیں۔

یہ منظر کس قدر خوبصورت ہے، اس میں تو کوئی شک نہیں، اس قدر خوبصورت کہ انسان کے دل کو کھینچ لیتا ہے، اس منظر کے کئی رنگ ہیں، صبح و شام اس کا الگ الگ نظارہ، طلوع اور غروب کا الگ

نظارہ ہے، تاریک رات اور چاندنی ہے، گھڑی بھر میں مناظر بدلتے رہتے ہیں، جگہ کی تبدیلی سے مناظر بدلتے ہیں، زاویہ کی تبدیلی سے بدلتے ہیں لیکن جو منظر بھی سامنے آئے ذہن کو گرفت میں لے لیتا ہے۔

یہ اکیلا ستارہ جو دور افق پر چمک رہا ہے گویا وہ خوبصورت آنکھ ہے، نہایت محبت سے پکارتی ہے، پھر وہ دو ستارے جو الگ نظر آتے ہیں، یہ اژدھام سے دور محو گفتگو ہیں اور وہ ستاروں کا جھرمٹ جو جگہ جگہ نظر آتا ہے وہ کائنات کے میلے کا ایک حلقہ یاراں ہے جو کبھی یہاں جمع ہوتا ہے تو کبھی وہاں! یہ باریک چاند جو ایک رات ایک شاخ کی طرح ہوتا ہے اور ایک رات اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے اور پھر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر معدوم ہو جاتا ہے اور دوبارہ وہ ولادت پاتا ہے، ہر رات کو اس کا نیا روپ ہوتا ہے۔

یہ وسیع فضائے کائنات جس کی لمبائیوں اور دوریوں تک بینائی ساتھ نہیں دیتی اور خوبصورت اس قدر کہ آنکھیں دیکھتی رہ جائیں، یہ ہے حقیقی خوبصورتی، جس کا تصور بھی انسان نہیں کر سکتا، لیکن انسان اگر ان خوبصورتیوں کو الفاظ کا جامہ پہنانا چاہے تو ممکن نہیں، انسانی عبارات اس سے قاصر ہیں۔

قرآن کریم انسانوں کو اس آسمان اور اس پوری کائنات کے جمال کی طرف متوجہ کرتا ہے، کیونکہ جمال کائنات کا ادراک ہی ایک ذریعہ ہے جس کی وساطت سے انسان خالق کائنات کے جمال کا تصور کر سکتا ہے اور یہی ادراک انسان کو اس بلند مقام تک پہنچاتا ہے، جس تک انسان کبھی پہنچنے کی تمنا کر سکتا ہے۔

کیونکہ اس یونٹ تک پہنچ جاتا ہے جہاں سے آگے وہ ابدی حیات پا سکتا ہے، اب وہ ایک خوبصورت آزاد اور لازوال دنیا میں پہنچ جاتا ہے، یہ زندگی اس دنیا کی آلودگیوں سے پاک ہوتی ہے اور انسانی زندگی کے وہ لمحات لازوال لمحات ہوتے ہیں جن میں کوئی انسان اس کائنات کے لازوال حسن کا ادراک کر لے۔

ایسی ہی حالت میں وہ ذات باری کے قریب تر ہو جاتا ہے اور ذات باری کے کمالات کا تصور کر سکتا ہے اور اس کے بعد بتایا جاتا ہے کہ انسان کے یہ خوبصورت ستارے ایک دوسرا کام بھی کرتے ہیں، یہ شہاب ثاقب بن کر شیطانوں پر بمباری بھی کرتے ہیں۔ (تفسیر فی ظلال القرآن)

حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تحقیق ہم نے زمین سے نزدیک آسمان کو زینت بخشی ہے کہ چاند اس میں گڑا ہے، بے شمار چراغوں کے ساتھ جو اس آسمان کے اوپر درجہ بدرجہ معلق ہیں، ثوابت کرسی میں، زحل ساتویں آسمان میں، مشتری چھٹے آسمان میں، مریخ پانچویں میں، سورج چوتھے میں، زہرہ تیسرے میں، عطارد دوسرے آسمان میں اور تمام چراغوں کی شعاع نچلے آسمان میں ہو کر اسے بہت زیادہ زینت بخشتی ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ کسی مکان کو چراغاں کے ساتھ زینت دینا اس پر موقوف نہیں کہ وہ سب چراغ اس مکان میں رکھے ہوئے ہوں بلکہ معمول بھی نہیں بلکہ مکان کو چراغاں کے ساتھ زینت دینے کا یہی طریقہ ہے کہ اس مکان کے اوپر لڑیوں میں یا بلند طاقوں میں قندیلیں لٹکاتے ہیں تاکہ اس چراغاں کی شعاع اس پورے مکان میں پھیلے اور اگر چراغاں کو اس مکان کے اندر رکھیں تو اس چراغاں کی شعاعیں اس مکان میں نہ پھیلیں۔

تو اس آیت سے ستاروں کا نچلے آسمان میں ہونا سمجھنا عرف کے خلاف ہے اور درحقیقت ستاروں کے تمام انوار کے ساتھ تزئین و آرائش اسی آسمان کو حاصل ہے جو کہ سب سے نیچے ہے اور سب کی شعاعوں کی جلوہ گاہ ہوا، خصوصاً زمین والوں کی نظر میں آسمانوں کے صاف شفاف ہونے کی وجہ سے بھی معلوم ہوتا ہے وہ سب ستارے اسی آسمان میں ہیں اور زینت میں یہی امر معتبر ہے کہ لوگوں کے دیکھنے سے مطابق ہو نہ یہ کہ واقعی ہو۔

اسی لیے چاندی پر سونے کا جڑاؤ کرتے ہیں اور ملمع کرتے ہیں تاکہ دیکھنے میں خوبصورت لگے اور ایک چراغ کو ہزاربیں آئینہ میں دیکھتے ہیں تاکہ بے شمار چراغ نظر آئیں اور زینت حاصل ہو اور آسمان دنیا کی تخصیص اس وجہ سے فرمائی ہے کہ آسمان دنیا عالم بالا کے دروازے کی طرح ہے کہ بادشاہی کے تخت کا حکم رکھتا ہے اور دروازے کو زیب وزینت کرنا اور اس پر پہرے داروں، چوکیداروں کو مقرر کرنا اور وہاں توپ اور گولہ مہیا رکھنا شاہانہ انتظام کے مطابق ہے، نیز اس آرائش میں اس بات کا اشارہ ہے کہ

میں آدمی کو بھی ان درجوں کے ساتھ زینت بخشتا ہوں جو فی الحال اس کی قدر سے زیادہ ہوتے ہیں، اور درحقیقت وہ مرتبے اس کے فوقانی ارباب کے مرتبے ہیں کہ اس میں ظہور کرتے ہیں تاکہ اس میں جن چیزوں کی قوت سپرد کی گئی ہے انجام کار وہ فعلیت اور ظہور میں آئے۔ (تفسیر عزیزی)

وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ: شیطانوں کو سنگسار کرنے کا سبب جو کہ خبروں کی چوری اور عالم بالا کی تدبیروں کی جاسوسی کے لیے جاتے ہیں تاکہ ان خبروں اور تدبیروں کو زمین کے لوگوں تک پہنچائیں اور ان کے اعمال کو خراب کریں اور اپنے آپ کو ان کے نزدیک عالم الغیب اور تدبیرات الٰہیہ میں شریک ظاہر کریں اور ان سے عبادتیں قربانیاں اور اجرتیں اپنے لیے اور اپنے دشمنوں کے لیے طلب کریں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ شیاطین کو سنگسار کرنے کے طریقہ سے متعلق لکھتے ہیں اور ستاروں کے ساتھ شیطانوں کی سنگساری کا طریقہ یہ ہے کہ فرشتے ستاروں کی شعاعوں سے جو کہ آسمانی راز چرانے والے شیطان کے پیچھے بھگاتے ہیں اور آسمانِ دنیا کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ چونکہ اوپر کے آسمانوں کے نیچے کوئی ایسا جہنم نہیں ہے جو کہ ستاروں کی شعاعوں کو گرم کرنے کی کیفیت کے قابل ہو تاکہ اس قابلیت رکھنے والے جسم میں تاثیر کریں اور گرم کریں اس لیے کہ فاعل، قابل کے بغیر مؤثر نہیں ہو سکتا، بخلاف آسمانِ دنیا کے کہ اس کے نیچے اس کیفیت کو قبول کرنے والی لطیف ہوا اور اوپر چڑھنے والے بہت سے بخارات موجود ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سورج کی شعاع جب زمین اور پتھر پر پڑتی ہے تو بہت گرم ہوتے ہیں جب کہ اجسام فلکیہ میں بلکہ کرہ ہوا کے طبقات میں بھی قابل کے تصور کی وجہ سے اس کی اپنی گرمی ظاہر نہیں ہوتی پس اگر کہا جائے کہ ہم نے زمین اور پتھر کو سورج کی شعاعوں کی وجہ سے جلانے اور پکانے کے قابل بنا دیا ہے باجودیکہ سورج کے جسم سے بہت دور ہیں تو بالکل صحیح ہے۔

اور وہ جو حکماء نے کہا ہے کہ شہابوں کی حقیقت یہی جلانے والے بخارات ہیں تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس تاثیر کو قبول کرنے والے یہی بخارات ہیں نہ یہ کہ انہیں ستاروں کی شعاعوں کی ضرورت

نہیں یا فرشتوں کو ان شعاعوں کے ساتھ ان بخارات کو روشن کرنے میں کوئی دخل نہیں اس لیے کہ اگر جلے ہوئے بخارات کرہ نار میں داخل ہونے کی وجہ سے خود بخود جل جاتے تو لازم تھا کہ اوپر چڑھنے میں زیادتی قبول کرتے اور خط مستقیم پر اوپر جانے والی حرکت کرتے اس لیے کہ اس صورت میں ان کی حرکت محیط طبعی کی سمت کو ہوتی، حالانکہ اکثر اوقات جلنے کے بعد بخارات نازل ہوتے ہیں اور کبھی دائیں بائیں بھاگتے ہیں اور حرکات کسریہ جو کہ خود مختار ہونے کے ارادے کو توڑتی ہیں ان میں بالکل ظاہر محسوس ہوتی اور نظر آتی ہیں جیسا کہ تجربہ اور گہری نظر رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے۔(تفسیر عزیزی)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ ان چور شیطانوں کے انجام کار کے بارے میں وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ ہم نے ان شیطانوں کے لیے مہیا کیا ہے اس خبروں کی چوری کے سوا جس کا مقصد بنی آدم کو گمراہ کرنا ہے، ان کے دوسرے گناہوں کی وجہ سے جہنم کی آگ کی جلن کا عذاب، اگرچہ وہ بھی آگ سے پیدا کیے گئے ہیں، پس ان کے مادے کو انہی کی صورت پر مسلط کرتے ہیں تاکہ عذاب دیں اس لیے کہ جب تک صورت مادہ پر مسلط ہے کام طبیعت کے مطابق ہے اور جب مادہ صورت پر مسلط ہوا تو بنیاد اور افعال میں خلل لازم ہوا، جس طرح کہ بیماریوں کے پیدا ہونے میں تجربہ اور امتحان کیا گیا ہے کہ خون اور دوسری اخلاط کے غلبہ کی وجہ سے مزاج خراب ہوتا ہے اور افعال میں خلل پڑ جاتا ہے اگرچہ بدن کا مادہ یہی خون اور اخلاط ہیں۔(تفسیر عزیزی)

کافروں کا انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کریں۔

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۶﴾ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۙ﴿۷﴾ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ﴿۸﴾ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ اِنْ اَنْتُمْ

إِلَّا فِي ضَلٰلٍ كَبِيرٍ {۹} وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحٰبِ السَّعِيرِ {۱۰} فَاعْتَرَفُوا بِذَنۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّأَصْحٰبِ السَّعِيرِ {۱۱} الملک

جواب ترجمہ: اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار سے کفر کا معاملہ کیا ہے، ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کے دہاڑنے کی آواز سنیں گے، اور وہ جوش مارتی ہو گی۔ ایسا لگے گا جیسے وہ غصے سے پھٹ پڑے گی۔ جب بھی اس میں (کافروں کا) کوئی گروہ پھینکا جائے گا تو اس کے محافظ ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی خبر دار کرنے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ ہاں بیشک ہمارے پاس خبر دار کرنے والا آیا تھا، مگر ہم نے (اسے) جھٹلا دیا، اور کہا کہ: اللہ نے کچھ نازل نہیں کیا، تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم بڑی بھاری گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔ اور وہ کہیں گے کہ: اگر ہم سن لیا کرتے اور سمجھ سے کام لیا کرتے تو (آج) دوزخ والوں میں شامل نہ ہوتے۔ اس طرح وہ اپنے گناہ کا خود اعتراف کرلیں گے۔ غرض پھٹکار ہے دوزخ والوں پر۔

شیطانوں کی سزا کا ذکر کیا جارہا ہے، یہاں ان شیطانوں کا ذکر ہے جو انسانوں میں سے اللہ کی ذات کا انکار کرتے ہیں، ان کے انجام بد کا ذکر ہو رہا ہے اور بتایا جارہا ہے کہ جو بھی اس کے ساتھ کفر کرے، وہ جہنمی ہے اس کا انجام اور جگہ بد سے بدہے۔

یہ بلند اور مکروہ گدھے کی سی آوازیں مارنے والی اور جوش مارنے والی جہنم ہے جو ان پر جل رہی ہے اور جوش اور غضب سے اس طرح کچ کچا رہی ہے کہ گویا ابھی ٹوٹ پھوٹ جائے گی اور دوزخیوں کو زیادہ ذلیل کرنے اور آخری حجت قائم کرنے اور اقبالی مجرم بنانے کے لئے داروغہ جہنم ان سے پوچھتے ہیں کہ بد نصیبو! کیا اللہ کے رسولوں نے تمہیں اس سے ڈرایا نہ تھا؟ تو یہ ہائے وائے کرتے ہوئے اپنی جانوں کو کوستے ہوئے جواب دیتے ہیں کہ آئے تو تھے لیکن وائے بد نصیبی کہ ہم نے انہیں جھوٹا

جانا اور اللہ کی کتاب کو بھی نہ مانا اور پیغمبروں کو بے راہ بتایا، اب اللہ کا عدل صاف ثابت ہو چکا ہے اور فرمان باری پورا اترتا ہے جو اس نے فرمایا وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (الاسراء:۱۵) ہم جب تک رسول نہ بھیج دیں عذاب نہیں کرتے۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (الزمر:۷۱) جب جہنمی جہنم کے پاس پہنچ جائیں گے اور جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور داروغہ جہنم ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے؟ جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے، تو کہیں گے ہاں آئے تو تھے اور ڈرا بھی دیا تھا لیکن کافروں پر کلمہ عذاب حق ہو گیا۔

اب اپنے آپ کو ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ اگر ہمارے کان ہوتے اگر ہم میں عقل ہوتی تو دھوکے میں نہ پڑے رہتے، اپنے خالق مالک کے ساتھ کفر نہ کرتے، نہ رسولوں کو جھٹلاتے، نہ ان کی تابعداری سے منہ موڑتے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب تو انہوں نے خود اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا ان کے لئے لعنت ہو دوری ہو۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ لَنْ يَهْلِكَ النَّاسُ حَتّٰى يُعذِروا مِنْ أَنْفُسِهِمْ (مسند احمد) لوگ جب تک دنیا میں اپنے آپ میں غور کریں گے اور اپنی برائیوں کو آپ دیکھ لیں گے ہلاک نہ ہوں گے۔ ایک اور حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ لَا يَدْخُلُ أَحَدٌ النَّارَ، إِلَّا وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّ النَّارَ أَوْلَى بِهِ مِنَ الْجَنَّةِ (مسند احمد) قیامت والے دن اس طرح حجت قائم کی جائے گی کہ خود انسان سمجھ لے گا کہ میں دوزخ میں جانے کے ہی قابل ہوں۔

مشہور محدث حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب "التخویف من النار والتعریف بحال دارالبور" میں اہل دوزخ کی خوفناک اور بھیانک آوازوں سے متعلق مختلف قرآنی آیات لائے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَّهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ (الانبیاء ۱۰۰) ان کا جہنم میں شور وغل ہو گا، اور وہاں اپنے شور وغل میں کسی کی بات بھی نہیں سنیں گے۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں {فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَّشَهِيقٌ} (ھود ۱۰۶) سو جو لوگ بدبخت ہیں وہ تو دوزخ میں ایسے حال میں ہوں گے کہ اس میں ان کو چیخنا اور دھاڑنا ہے۔ حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زفیر گدھے کی آواز جیسی ہوتی ہے، جب گدھا آواز نکالنا شروع کرتا ہے تو اس کے ابتدائی مرحلے کو زفیر کہتے ہیں جب کہ آواز ختم ہونے کے مرحلے کو شہیق کہا جاتا ہے۔ حضرت معمر رحمہ اللہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں کہ جہنم میں کافر کی آواز گدھے کی آواز کی مثل ہو گی، شروع میں چلانا ہو گا اور آخر میں دھاڑنا ہو گا۔

قرآن کریم کی سورۃ فاطر میں ارشاد فرمایا گیا کہ وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا (فاطر ۳۷) اور وہ لوگ دوزخ میں پڑے پڑے چلاتے ہوں گے۔ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ النَّارِ يَتَعَاوَوْنَ فِيهَا، گویا کہ میں دوزخیوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اس میں کتوں کی طرح بھونکتے ہیں۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رَأَيْتُ رُؤْيَا فَذَكَرَ حَدِيثاً طَوِيلاً، وَفِيهِ قَالَ: ثُمَّ انْطَلَقْنَا، فَإِذَا نَحْنُ نَرَى دُخَاناً، وَنَسْمَعُ عُوَاءً، قُلْتُ: مَا هٰذَا؟ قَالَ: هٰذِهِ جَهَنَّمُ (معجم طبرانی)

میں نے ایک خواب دیکھا، پھر آپ نے ایک لمبی حدیث بیان فرمائی، جس میں یہ فرمایا کہ پھر ہم چل پڑے پس ہم نے اچانک دھویں کو دیکھا اور بھونکنے کی آواز سنی تو میں نے پوچھا یہ کیا آواز ہے؟ تو بتلایا کہ جہنم ہے، جس سے دوزخ والوں کے بھونکنے کی آواز آرہی ہے۔ (التخویف من النار والتعریف بحال دارالبوار)

حضرت صالح مری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بَلَغَنِی أَنَّهُم يَصرخُونَ فِی النَّار، حَتَّى تَنقَطِعَ أَصوَاتُهُم، فَلَا يَبقَى مِنهُم إِلَّا كَهَيئَةِ الأُنِّينَ مِنَ المُدنِفِ، مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جہنم والے لوگ جہنم میں چیختے رہیں گے یہاں تک کہ ان کی آوازیں بیٹھ جائیں گی، ان میں رونے کی ہمت نہیں رہے گی، ان کی آواز اتنی رہ جائے گی جس طرح قریب المرگ آدمی کی آہیں نکلتی ہیں۔

محمد ابن کعب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ زَفِرُوا فِی جَهَنَّمَ فَزَفَرَتِ النَّارُ، وَشَهِقُوا، فَشَهَقَتِ النَّارُ بِمَا استَحَلُّوا مِن مَحَارِمِ اللهِ، قَالَ: وَالزَّفِيرُ مِن النَّفس، وَالشَّهِيقُ مِنَ البُكَاءِ (التخویف) جب جہنم والے لوگ جہنم میں چیخیں گے تو جہنم بھی چیخنے لگ جائے گی، اور جب وہ چلانے لگیں گے تو جہنم بھی چلانے لگ جائے گی، جہنم اس لیے چیخے اور چلائے گی کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال ٹھہرایا تھا، فرمایا کہ زفیر کا مطلب ان کا سانس لینا ہے اور شہیق کا مطلب ان کا رونا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان {لَهُم فِيهَا زَفِيرٌ وَّشَهِيقٌ} سے مراد یہ ہے کہ جہنم والے لوگ تیز اور کمزور آوازوں میں روئیں گے۔

حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سَوَاءٌ عَلَينَا أَجَزِعنَا أَم صَبَرنَا مَا لَنَا مِن مَّحِيصٍ ہمارے لیے برابر ہے ہم جزع فزع کریں یا صبر کریں ہمیں چھٹکارہ ملنے والا نہیں ہے یہ لوگ سو سال تک صبر سے کام لیں گے پھر سو سال تک روئیں گے، پھر سورۃ ابراہیم کی اس آیت میں جس طرح بتلایا گیا ایسا کہیں گے۔ (التخویف من النار)

رب سے ڈرنے والوں کا انعام

سوال اس آیت کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ {۱۲} الملك۔

جواب ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے۔

یہ دین میں اخلاق کی اصل جڑ ہے، کسی کا برائی سے اس لیے بچنا کہ اس کی ذاتی رائے میں وہ برائی ہے یا دنیا اسے برا سمجھتی ہے یا اس کے ارتکاب سے دنیا میں کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے یا اس پر کسی دنیوی طاقت کی گرفت کا خطرہ ہے، یہ اخلاق کے لیے ایک بہت ہی ناپائیدار بنیاد ہے، آدمی کی ذاتی رائے غلط بھی ہو سکتی ہے۔

وہ اپنے کسی فلسفے کی وجہ سے ایک اچھی چیز کو برا اور ایک بری چیز کو اچھا سمجھ سکتا ہے، دنیا کے معیار خیر و شر اول تو یکساں نہیں ہیں پھر وہ وقتاً فوقتاً بدلتے بھی رہتے ہیں، کوئی عالمگیر اور ازلی و ابدی معیار دنیا کے اخلاقی فلسفوں میں نہ آج پایا جاتا ہے نہ کبھی پایا گیا ہے، دنیوی نقصان کا اندیشہ بھی اخلاق کے لیے کوئی مستقل بنیاد فراہم نہیں کرتا۔

جو شخص برائی سے اس لیے بچتا ہو کہ وہ دنیا میں اس کی ذات پر مترتب ہونے والے کسی نقصان سے ڈرتا ہے وہ ایسی حالت میں اس کے ارتکاب سے باز نہیں رہ سکتا جبکہ اس سے کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو، اسی طرح کسی دنیوی طاقت کی گرفت کا خطرہ بھی وہ چیز نہیں ہے جو انسان کو ایک شریف انسان بنا سکتی ہو، ہر شخص جانتا ہے کہ کوئی دنیوی طاقت بھی عالم الغیب والشھادۃ نہیں ہے۔

بہت سے جرائم اس کی نگاہ سے بچ کر کیے جا سکتے ہیں اور ہر دنیوی طاقت کی گرفت سے بچنے کی بیشمار تدبیریں ممکن ہیں، پھر کسی دنیوی طاقت کے قوانین بھی تمام برائیوں کا احاطہ نہیں کرتے، بیشتر برائیاں ایسی ہیں جن پر دنیوی قوانین کوئی گرفت سرے سے کرتے ہی نہیں حالانکہ وہ ان برائیوں سے قبیح تر ہیں جن پر وہ گرفت کرتے ہیں۔

اس لیے دین حق نے اخلاق کی پوری عمارت اس بنیاد پر کھڑی کی ہے کہ اس اَن دیکھے خدا سے ڈر کر برائی سے اجتناب کیا جائے جو ہر حال میں انسان کو دیکھ رہا ہے جس کی گرفت سے انسان بچ کر کہیں نہیں جا سکتا جس نے خیر و شر کا ایک ہمہ گیر، عالمگیر اور مستقل معیار انسان کو دیا ہے، اسی کے ڈر سے بدی کو چھوڑنا اور نیکی کو اختیار کرنا وہ اصل بھلائی ہے جو دین کی نگاہ میں قابل قدر ہے۔

اس کے سوا کسی دوسری وجہ سے اگر کوئی انسان بدی نہیں کرتا یا اپنی ظاہری شکل کے اعتبار سے جو افعال نیکی میں شمار ہوتے ہیں ان کو اختیار کرتا ہے تو آخرت میں اس کے یہ اخلاق کسی قدر اور وزن کے مستحق نہ ہوں گے کیونکہ ان کی مثال اس عمارت کی سی ہے جو ریت پر تعمیر ہوئی ہو۔ (تفہیم القرآن)

تو جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈر کر اس کی عبادت کرتے ہیں، اس کی نافرمانی نہیں کرتے، لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہتے ہیں، آخرت کے عذاب کو دیکھنے سے پہلے اس سے خوف زدہ رہتے ہیں ان لوگوں کی شان اور مقام یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لیے بڑا ثواب اور بدلہ ہے جسے جنت کہتے ہیں۔

رازہائے سربستہ سے آگاہ

سوال ان آیات کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ {۱۳} اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ {۱۴} الملك

جواب ترجمہ: اور تم اپنی بات کو چپکے سے کہو یا زور سے بیشک وہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے، کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے حالانکہ وہ باریک بین ہے اور باخبر ہے۔

مفسر قرآن ڈاکٹر اسلم صدیقی رحمہ اللہ ان آیات کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ خطاب تمام نوع انسانی کو ہے جس میں کافر بھی ہیں اور مومن بھی، اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ آیتیں تہدید کے محل میں بھی ہو سکتی ہیں اور تسلی کے محل میں بھی، کافروں کو تہدید کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وہ جس طرح من مرضی کی زندگی گزار رہے ہیں اور ان کا گمان یہ ہے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر ہے اور ان کے دلوں کے بھیدوں کو تو بالکل نہیں جانتا۔

تو انہیں تنبیہ کرتے ہوئے کہا جارہا ہے کہ تم کسی بات کو چھپا کے کہو یا علانیہ کہو، آہستہ کہو یا زور سے کہو، اللہ تعالیٰ سے کوئی بات مخفی نہیں رہ سکتی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو وہ ذات ہے جو دلوں میں چھپے

ہوئے خیالات کو بھی جانتا ہے، جو انسان کے مخفی ارادوں سے بھی باخبر ہے، انسان کے ذہن میں جو لہر اٹھتی ہے اسے ارادہ بنتے کچھ دیر لگتی ہے، اللہ تعالیٰ اس پورے پراسیس سے واقف ہے، اس لیے کافروں کو یہ احساس رہنا چاہیے کہ قیامت کے دن انہیں اس ذات سے سابقہ پیش آنے والا ہے جو ان کی ہر طرح کی باتوں، ہر طرح کے ارادوں اور ہر طرح کے اعمال سے باخبر رہا ہے اور آج اسی کے مطابق ان سے معاملہ کرے گا۔

اور مومنوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا جارہا ہے کہ تم نے راہ حق میں جو صعوبتیں اٹھائی ہیں اور اس راستے میں تمہیں جو حوادث پیش آئے ہیں اور جس طرح تمہارا احساس زخمی ہوتا رہا ہے اور جس طرح تمہارے دلوں کی کرچیاں ہوئی ہیں ان میں سے کوئی بات بھی اللہ تعالیٰ سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ تم نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو مال خرچ کیا اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے جس طرح فکر مند رہے، ہر بات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، چنانچہ وہ اپنے علم کے مطابق تمہاری ایک ایک قربانی کی قدر کرے گا اور تمہارے ایک ایک عمل کی جزاء دے گا۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ کسی کو اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے تمام افکار و اعمال سے کیسے واقف ہو سکتا ہے اور ان کی دماغی کاوشیں اور دل کی امنگیں کس طرح اس کے علم میں آسکتی ہیں۔

فرمایا تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کا خالق ہی نہیں بلکہ اسی نے ان کو دماغ دیئے اور ان کی رعنائیوں اور صلاحیتوں کو بھی اسی نے تخلیق فرمایا، انسان کی فطرت بھی اسی نے پیدا کی اور ان کا انگ انگ اور دماغ کا ایک ایک ریشہ اور سانس کی آمد و رفت کا ایک ایک شمہ اور انسان کے اعضاء کا ایک ایک بند اسی کی تخلیق اور اسی کی تدبیر سے کام کر رہا ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی بات اس سے مخفی رہے۔ آخر میں فرمایا کہ وہ لطیف بھی ہے اور خبیر بھی، وہ باریک بیں بھی ہے اور دقیقہ رس بھی، وہ غیر محسوس طریقے سے کام کرتا ہے۔ (تفسیر روح القرآن)

محسن اعظم کے احسانات

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ {۱۵} الملك

جواب ترجمہ: وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو مسخر بنادیا سو تم اس کے راستوں میں چلو اور اس کی روزی میں سے کھاؤ، اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔

ڈاکٹر اسلم صدیقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس سے پہلے سورۃ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے اپنے عجائباتِ قدرت و حکمت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے آسمان کی حیرت انگیز صنعت اور نگاہوں کو خیرہ کر دینے والے حسن و جمال کا ذکر کیا تھا، اس سے ایک طرف اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال پر استشہاد کیا اور دوسری طرف اپنے احسانات کے حوالے سے اپنی کبریائی اور انسانوں کی بندگی پر استدلال کیا، پیش نظر آیت کریمہ میں اسی سلسلہ استشہاد و استدلال کو آگے بڑھاتے ہوئے زمین کے حوالے سے اپنے احسانات کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے انسان کے قیام و قرار کے لیے زمین کو " ذلول " بنایا۔ " ذلول " کا معنی ہوتا ہے، پست، نرم، سہل الانقیاد، مطیع اور فرمانبردار۔

زمین اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ باقی کُرّوں کی طرح ایک کُرّہ ہے جو ہر وقت محو حرکت ہے اور اس کی اسی حرکت کے باعث انسان کی زندگی اور اس کے معمولات کا سلسلہ قائم ہے، جو چیز حرکت میں ہو اور اپنے جسم اور حجم میں نہایت وسعت اور وزن رکھتی ہو اس کا یوں پر سکون رہنا جو انسانوں اور دیگر مخلوقات کے لیے راحت کا باعث ہو، ایک حیران کن بات ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت بالغہ ہے جس نے زمین کو باقی کُرّوں کی طرح تھام کے رکھا ہے اور پھر اسے ایسا پست، نرم اور فرمانبردار بنایا ہے کہ انسان اس پر پیدل چلے، گاڑیاں چلائے، اس پر مکانات کا

بوجھ ڈالے، اس کی کھدائی کرے، نہریں کھودے وہ کبھی انکار نہیں کرتی، باوجود اس کے کہ اس کا جسم مٹی سے تیار ہوا ہے لیکن اسے اتنا نرم نہیں بنایا گیا کہ چلتے ہوئے انسان کے پاؤں اس میں دھنس جائیں یا وہ مکانوں کا بوجھ نہ اٹھا سکے، جس طرح اس کے میدانی علاقے انسان کی آمد و رفت اور تگ و تاز کے لیے نہایت آرام دہ اور پر سکون ہیں اسی طرح اس کے پہاڑی علاقے بھی اپنے اندر انسانوں کے لیے آنے جانے کے راستے رکھتے ہیں۔

پہاڑوں کی سنگینی کے باوجود وہاں حسن و جمال کا جابجا ایسا گلشن کھلا دیا ہے، ایسے قد آور درخت اگا دیئے ہیں، ایسی خوبصورت آبشاریں گرا دی ہیں اور ایسے چشمے ابال دیئے ہیں جن میں بہتا ہوا پانی ایسا لگتا ہے جیسے چاندی اور پارہ بہہ رہا ہو، انہی سنگین پہاڑوں میں ایسے نالے بہتے ہیں جن کا شور آنے جانے والوں کے لیے موسیقی کا کام دیتا ہے۔

اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس زمین کے پیٹ میں قوت روئیدگی رکھی ہے جو انسان کے لیے غلہ اور پھل اگاتی ہے اسی طرح اس کے پیٹ میں عجیب و غریب معدنیات رکھی ہیں جو انسان کی ضرورت بھی ہیں اور قوت کا سامان بھی، انسان اس کے پھیلے ہوئے راستوں پر اس طرح سفر کرتا ہے جیسے فرمانبردار اونٹنی کے کندھوں پر سوار سفر کرتا ہے، جس طرح فرمانبردار اونٹنی اپنے سوار کو اٹھائے نہایت فرمانبرداری سے چلتی رہتی ہے اسی طرح زمین کے کندھے بھی انسانوں کا بوجھ بھی اٹھاتے ہیں اور ان کے لیے سہولتیں بھی بہم پہنچاتے ہیں۔

چنانچہ اس آیت کریمہ میں ان دونوں غیر معمولی فوائد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کے کندھوں پر چلو پھرو، یعنی اس کے راستوں پر جہاں چاہو آؤ جاؤ اور اس کے پہاڑی راستے تو بالکل اونٹنی کے کندھوں کی طرح معلوم ہوتے ہیں اور پھر اس بات کا کوئی خطرہ نہیں کہ تم زمین پر سفر کرتے ہوئے کہیں اس کی پہنائیوں میں گم ہو جاؤ گے اور ایسی ناہموار اور خشک زمین میں تمہیں کہیں کچھ کھانے کو نہیں ملے گا۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ اسی زمین کے اندر سے رزق کے خزانے جاری کر رکھے ہیں، ہموار زمین میں غلہ اگتا ہے، پہاڑوں میں ہماری عمارتوں کے لیے لکڑی، جلانے کے لیے ایندھن اور مختلف خوش ذائقہ اور رسیلے پھلوں سے لدے ہوئے درخت جابجا مختلف علاقوں میں مختلف خصوصیات لیے ہوئے نظر آتے ہیں، کتنا بے ذوق ہے وہ دل اور کس قدر اندھی ہے وہ آنکھ اور کس قدر بہرہ ہے وہ کان جو اللہ تعالیٰ کے احسانات کو دیکھے، ان سے فائدہ اٹھائے، لذتِ کام و دہن کا سروسامان کرے اور جابجا پھیلے ہوئے حسن اور مہکتے ہوئے پھولوں سے مشام جان کو معطر کرے، لیکن ان سب کے خالق کی طرف اس کا دھیان کبھی نہ جائے اور وہ گمان کرے کہ ہمیں شاید اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ ہم بغیر کسی ذمہ داری کے احساس کیے ان انمول نعمتوں سے فائدہ خوب اٹھائیں۔

لیکن یہ کبھی نہ سوچیں کہ جس ذات نے ہمارے لیے یہ خوانِ نعمت بچھایا ہے کبھی اس سے آمنا سامنا بھی ہو گا اور وہ اپنی نعمتوں کے بارے میں ہم سے سوال کرے گا، یہ وہ پیش پا افتادہ حقیقت ہے جو قدم قدم پر انسان کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے لیکن اس کا تغافل اتنا شدید ہے کہ پروردگار خود اس کی طرف متوجہ فرمارہا ہے کہ تمہیں ایک دن اس کی طرف لوٹنا ہے اور زندہ ہو کر جانا ہے۔ (روح القرآن)

زمینی اور فضائی حملہ کی دھمکی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ {۱۶} اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ {۱۷} وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ {۱۸} الملك

جواب ترجمہ: کیا تم اس سے نڈر ہو گئے جو آسمان میں ہے کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے پھر وہ زمین تھرتھرانے لگے یا تم اس سے بے خوف ہو گئے۔ یا کیا تم آسمان والے کی اس بات سے بے خوف ہو بیٹھے ہو کہ وہ تم پر پتھروں کی بارش برسا دے؟ پھر تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا؟

کفارِ مکہ کی طرف سے اسلام، پیغمبر اسلام اور آسمانی پیغام کی مخالفت اور مخاصمت اس قدر بڑھ چکی تھی کہ وہ دشمنی میں حدود و قیود پھلانگنے لگے تھے، اللہ کی طرف سے انہیں پیام دیا گیا کہ رب تعالیٰ تمہیں زمین میں دھنسا دے، وہ زمین کو حرکت دے تو تم ہلاکت کے منہ میں چلے جاؤ گے، کیا تم اپنی حرکتوں کے باعث ان باتوں سے بے خوف وغافل ہو، اسی طرح وہ رب تم پر تیز ترین ہواؤں کے جھونکے بھیجے، چھوٹے چھوٹے سنگریزے برسا کر تمہیں ہلاک کر ڈالے، تم ان چیزوں سے بے خوف ہو؟ اس سب کچھ کو مذاق نہ سمجھا جائے، جب تم اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے عذاب کا معائنہ کر لوگے تو تمہیں پتہ چل جائے گا، جب رب کی طرف سے تمہاری گرفت ہو گی تو پھر یاد رکھنا کہ اس وقت تمہیں تمہاری جانکاری، تمہارا علم کچھ نفع نہیں دے گا، آیت مبارکہ میں اللہ کی علو شان بیان کی گئی ہے جو اس کے شایانِ شان ہے۔

سید قطب شہید رحمہ اللہ ان آیات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ یہ انسان جو اس سدھائی ہوئی مطیع فرمان سواری پر سوار ہو کر مزے لوٹ رہا ہے اور اس سواری کے اندر ہی اپنا رزق دودھ کی شکل میں حاصل کرتا ہے، اسے معلوم ہے کہ یہ مطیع فرمان سواری ایک دن بگڑ جائے گی اور جب اللہ کا حکم ہو گا تو یہ ایسی نہ رہے گی، یہ ذرا سا جھٹکا ہی دے گی کہ اس کے اوپر کی تمام چیزیں ادھر ادھر بکھر جائیں گی اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح لرز جائیں گے اور یہ اس قدر تیز ہچکولے کھانے لگے گی اور ایسے حالات بڑے زلزلوں اور بڑی بڑی آتش فشانیوں کے وقت بھی ہوتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رکی ہوئی اور تابع زمین کے اندر کس قدر سرکشی ہے جو ناقابل کنٹرول ہے۔

اس کی زمام تو اللہ نے پکڑ رکھی ہے، اس لئے یہ جھٹکے نہیں کھاتی ہے اور جب یہ چند سیکنڈ یا ایک منٹ کے لئے بھی جھٹکے دے تو زمین کے اوپر انسانوں نے جس قدر پختہ سے پختہ قلعے تعمیر کیے ہوئے ہیں، سب مسمار ہو جاتے ہیں اور یہ بستیوں کی بستیاں اس کے پیٹ کے اندر دھنس جاتی ہیں اور جب انسان اس کے اندر جا رہے ہوں تو کوئی چیز بھی انہیں بچا نہ سکے۔

زلزلوں، آتش فشانی اور دھنسنے کے وقت یہ فرعون انسان پھر چوہوں کی طرح ادھر ادھر بھاگتے ہیں، جس طرح چوہے پنجرے میں بند ہوں اور وہ نکلنے کے لئے ادھر ادھر بھاگتے ہیں، ایک منٹ پہلے تو یہ غافل، مست، سرکش اور اس ذات عالی مقام سے غافل تھے جس نے اس سرکش سواری کی زمام کو تھام رکھا تھا اور اب ہر طرف بھگدڑ ہے۔

انسان اس دنیا میں ایسی آندھیاں بھی دیکھتے ہیں جو بادوباراں کے ساتھ پتھر بھی برسا رہی ہوتی ہیں اور جس جس بستی سے گزرتی ہیں، درختوں، خیموں اور مکانات کو اڑاتی چلی جاتی ہیں۔ جنگلات کو جلا کر بھسم کر دیتی ہیں اور لوگ دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں، بے بس دیکھتے چلے جاتے ہیں، ان کا علم اور ان کی قوت اور ٹیکنالوجی دھری کی دھری رہ جاتی ہے، یہ طوفان ہزاروں میل کی رفتار سے چلتے ہیں اور پتھر اڑاتے اور سمندروں کو خشکیوں پر چڑھاتے چلے جاتے ہیں تو انسان ان کے سامنے ایک مچھر اور چیونٹی کے برابر رہ جاتا ہے، لیکن یہ اللہ کی قوت ہی ہوتی ہے جو اپنی افواج کو روکتی ہے اور پھر یہ زمین اور یہ سواری قرار پکڑتی ہے۔

قرآن کریم انسانوں کو یاد دلاتا ہے کہ یہ سواری جو تمہارے لئے سدھائی ہے اور بڑی سلامتی سے چل رہی ہے، تم کہیں دھوکہ نہ کھا جاؤ، یہ تو خالق کائنات کے کنٹرول میں ہے اور اسی نے اسے تمہارے لئے سدھایا ہے، اس کی سرکشیاں جب شروع ہوں گی تو تم پھر اپنے آپ کو کسی صورت میں بچا نہ سکو گے، یہ زمین ہچکولے کھا سکتی ہے اور تیز رفتاری اختیار کر سکتی ہے، یہ اپنے اندر سے گرم گرم لاوا بھی اگل سکتی ہے، یہ تمہیں زمین کے اندر بھی دھنسا سکتی ہے، پتھروں کی بارش بھی ہو سکتی ہے، کوئی انسانی طاقت اس کو نہیں روک سکتی اور نہ کوئی انسانی طاقت اسے تباہی و بربادی سے دور کر سکتی ہے، اللہ اس قدر ڈراتا ہے کہ دل دہل جاتے ہیں اور اعصاب شل ہو جاتے ہیں اور اعضا تھرتھرانے لگتے ہیں۔ (تفسیر فی ظلال القرآن)

حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمۃ اللہ لکھتے ہیں ”اور موت کے اسباب ہزاروں ہیں جانور کاٹ لے، ہارٹ فیل ہو جائے، زمین میں دھنس جائے، کوئی اوپر سے آپڑے مصیبت، ہزاروں اسباب ہیں کہ جن کے ذریعہ سے ہم تک آؤ گے تو اس وقت کو بھی یاد رکھو کہ سدا یہ وقت نہیں رہے گا کہ بلڈنگ بھی ہے، دولت بھی ہے، کام بھی چل رہا ہے یہ سب وقتی چیزیں ہیں اصل وہی وقت ہے جو آنے والا ہے وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ اسی کی طرف تمہیں پھیل کر جانا ہے تو ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ زمین ہی میں دھنسا دے تو کیا ہو گا، اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا کیا تم مطمئن ہو مامون ہو، آسمان والے سے اگر پتھر برسادے آسمان سے، بادل آئیں اور بجائے پانی برسنے کے پتھر برسنے لگیں اور میں یہ کہتا ہوں کہ یہ جو اولے پڑتے ہیں پتھر ہی تو ہیں اسی پانی کو منجمد کر کے جما کر پتھر کی شکل دے دیتے ہیں اگر وہ بڑھ جائیں، دو دو سیر کا ایک ایک اولہ پڑنے لگے تو پناہ نہیں مل سکتی، مکان ٹوٹ جاتے ہیں ڈھ جاتے ہیں انسان تو بجائے خود ہے تو کس چیز نے تجھے مطمئن بنا رکھا ہے مالک کی طرف سے کون سی پناہ گاہ ہے کہ اس سے بچ کر تم اس میں پناہ پالو گے؟

موت سے کسی طرح نہیں بچا جا سکتا، موت ایک اٹل حقیقت ہے اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ، اگر تم بڑے بڑے سنگین قلعوں میں، بڑے بڑے پتھر کے برجوں میں، لوہے کے برجوں میں رہو گے موت وہیں جا پکڑے گی، یہ نہیں ہے کہ موت میدان میں آتی ہے اگر برجوں کے اندر تم کوئی منفذ ہی نہ رکھو ہوا کا راستہ نہیں تو حبس دم ہو کہ آدمی ختم ہو جائے، ہوا کا راستہ دیکھو تو بھی بہر حال ختم ہو سکتا ہے تو فرشتے موت کے ان کے یہاں نہ سنگین کوئی چیز ہے نہ لوہے کے قلعے کوئی چیز ہیں جیسے بجلی جب آتی ہے تو کتنا بڑا ہی لوہا ہو وہ اس کے جگر میں سما جاتی ہے تو ملائکہ تو بجلی سے بھی زیادہ لطیف ہیں وہ ہر چیز میں سما کر اندر دخول کرتے ہیں تو موت کے فرشتے وہیں پہنچ جائیں گے تو فرماتے ہیں کہ زمین بھی سبب موت بن سکتی ہے، پانی بھی سبب موت بن سکتا ہے، بادل بھی سبب موت بن سکتے ہیں اولے برس جائیں، پتھر برس جائیں۔

آخر لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر برسائے گئے اور کیوں برسائے گئے، اس لئے کہ انہوں نے حدود سے تجاوز کیا، جائز طریقہ دیا گیا تھا کہ نکاح سے عورتوں کی طرف آؤ، انہوں نے لڑکوں کو استعمال کیا، اس لواطت کے جرم میں آسمان سے پتھر برسائے گئے اور کوئی پناہ نہیں پاسکے، قوم ثمود ان کو تباہ کر دیا گیا ایک چنگھاڑ سے، جبریل علیہ السلام نے ایک ڈانٹ دی کلیجے پھٹ گئے، قوم عاد کو ہوا سے تباہ کر دیا گیا کہ سات دن تک ہوا کے جھکڑ چلے ہیں اس طرح سے کہ جو مکان گہری گہری بنیادوں کے تھے مع بنیادوں کے ہوا نے اکھاڑا اور اوپر لے جا کر پٹخا نیچے۔

حدیث میں ہے کہ جب مکان اوپر جاتے تھے تو جانوروں کی آوازیں اوپر سے سننے میں آتی تھیں فضا سے مع جانوروں کے مکان اوپر لے گئے اور لے جا کر پٹخ دیئے گئے تو وہی ہوا جس سے ہم زندگی حاصل کرتے ہیں وہی موت کا ذریعہ بن جاتی ہے وہی زمین جو فرش تھا ہمارے لئے وہی قبر بنادی جاتی ہے وہی بادل جو پانی برساتے تھے اور زندگی کا سامان ہوتا تھا وہی ذریعہ موت کا بنے تو ہم تو زندگی کے اسباب کو چاہیں موت کا سبب بنادیں پھر تم مطمئن ہو کر کیسے بیٹھ گئے؟ کس طرح سے غفلت میں پڑے؟ اس واسطے ادھر توجہ دلائی کہ زمین کا ملک بیشک تمہارے لئے ہم نے کیا مگر دیکھو دینے والے کو مت بھلاؤ ءَاَمِنتُم مَّن فِی السَّمَآءِ اَن یَّخسِفَ بِکُمُ الاَرضَ، زمین میں دھنسا دیے جائیں۔ اَم اَمِنتُم مَّن فِی السَّمَآءِ اَن یُّرسِلَ عَلَیکُم حَاصِبًا، یا پتھر برسا دیے جائیں آسمان سے۔ (معارف حکیم الاسلام) آیت نمبر ۱۷ کے ذیل میں لکھتے ہیں یعنی جس عذاب سے ڈرایا جاتا تھا وہ کیسا تباہ کن اور ہولناک ہے۔

فَسَتَعلَمُونَ کَیفَ نَذِیر: اس وقت تمہیں معلوم ہو گا کہ ڈرانے والے کا ہے سے ڈراتے تھے، اس وقت تمہیں پتہ چلے گا کہ انبیاء علیہ السلام نے جن چیزوں سے ڈرایا تھا وہ معاذ اللہ واہی باتیں نہیں تھیں وہ ایک امر واقعہ تھا جو ہونے والا تھا تو اس وقت نذیروں کی نذارت کا پتہ چلے گا، ڈرانے والوں کے ڈرانے

کا پتہ چلے گا، اس وقت تم ایمان لاؤ گے کہ سچ کہتے تھے وہ، لیکن اس وقت ایمان لانے سے کیا فائدہ کہ جب موت سر پر آگئی، موت سے پہلے پہلے درجہ ہے ایمان کا بھی اور ڈرنے کا بھی۔

آخرت میں دو قسم کے لوگ ہوں گے: پھر دو قسم کے لوگ ہوں گے ایک وہ کہ جنہوں نے تصدیق کی اور جو کچھ انبیاء علیہم السلام نے فرمایا انہوں نے اَمَنَّا کہہ کر دل میں جگہ دی اور ان کے طریق پر چلے، دنیا بھی بن گئی اور آخرت بھی ان کے لئے۔ ایک جھٹلانے والے تھے، جنہوں نے تکذیب کی اپنے غرور میں آکر کسی نے دولت کے گھمنڈ میں، کسی نے رسمی تعلیم کے گھمنڈ میں، کسی نے اپنی تھوڑی سی عقل کے گھمنڈ میں وحی کو نہ مانا، انبیاء علیہم السلام کی باتوں کو جھٹلایا۔ (معارف حکیم الاسلام)

قدرت خداوندی

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے، نیز یہ بتائیے کہ یہاں صَافَّاتٍ اور یَقْبِضْنَ کا کیا مطلب اور مفہوم ہے؟

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ ۛؕ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ {۱۹} الملك۔

جواب ترجمہ: اور کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر نظر اٹھا کر نہیں دیکھا کہ وہ پروں کو پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں، اور سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ ان کو خدائے رحمان کے سوا کوئی تھامے ہوئے نہیں ہے۔ یقیناً وہ ہر چیز کی خوب دیکھ بھال کرنے والا ہے۔

حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں "پہلے آسمان و زمین کا ذکر ہوا تھا، یہاں درمیانی چیز کا ذکر ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو پرندے زمین و آسمان کے درمیان کبھی پر کھول کر اور کبھی بازو سمیٹے ہوئے کس طرح اڑتے رہتے ہیں اور باوجود جسم ثقیل مائل الی المرکز ہونے کے نیچے نہیں گر پڑتے نہ زمین کی قوت جاذبہ اس ذرا سے پرندے کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے بتلاؤ رحمان کے سوا کس کا

ہاتھ ہے جس نے انہیں فضاء میں تھام رکھا ہے، بے شک رحمان نے اپنی رحمت و حکمت سے ان کی ساخت ایسی بنائی اور اس میں وہ قوت رکھی جس سے وہ بے تکلف ہوا میں گھنٹوں ٹھہر سکیں۔

وہی ہر چیز کی استعداد کو جانتا اور تمام مخلوق کو اپنی نگاہ میں رکھتا ہے، شاید پرندوں کی مثال بیان کرنے سے یہاں اس طرف بھی اشارہ ہو کہ اللہ آسمان سے عذاب بھیجنے پر قادر ہے اور کفار اپنے کفر و شرارت سے اس کے مستحق بھی ہیں لیکن جس طرح رحمان کی رحمت نے پرندوں کو ہوا میں روک رکھا ہے، عذاب بھی اسی کی رحمت سے رکا ہوا ہے۔

حق تعالیٰ کی مملکت کے تین علاقے ہیں: حق تعالیٰ کی مملکت کے تین علاقے ہیں جو اس سورۃ میں بیان فرمائے گئے ہیں ایک سمٰوٰت، آسمان اور اس کی مخلوق اور اس پر حکمرانی کا انداز اور ایک جو اور فضا آسمان اور زمین کے درمیان میں ہے اس پر حکمرانی کا طریق، تو دو علاقوں کے بارے میں میں نے بقدر ضرورت تفسیر عرض کی آج یہ تیسرا علاقہ ہے جَو اور فَضا کا جس کو شروع کیا گیا اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ سے اور اس کی بنا پر یہ ہے کہ زمینی مخلوق میں انسانوں کو توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ اللہ کی حکومت کو مانیں اور اس کے قانون پر چلیں اگر ایسا نہیں کریں گے تو ان پر ایسی ایسی آفات اور فتنے برسیں گے اور وہ مصائب میں مبتلا ہوں گے۔

من جملہ ان کے دو چیزیں بیان فرمائی گئی تھیں کہ کیا تم آسمان والے سے مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ گے اس سے کہ زمین تمہیں دھنسا دے اور خسف کر دیے جاؤ یا یہ کہ آسمان سے پتھر برسا دیئے جائیں اور ان سے پتھراؤ ہو جائے انسانوں پر، اس پر انسان اگر سلامتی کے ساتھ غور کرے اور اطاعت شعاری کے جذبات سے غور کرے تو بات بالکل سیدھی اور صاف ہے۔

مگر انسان میں ایک روگ یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام میں خودرائی کو دخل دیتا ہے اور اس خودرائی کا منشاء ہوتا ہے اپنی دی ہوئی عقل، تو عقل تو دی گئی تھی اس لیے کہ اللہ کے احکام کو سمجھے اور غور کرے

اور کوئی شبہ پیش آئے تو عقل سے اس شبہ کو صاف کرے اس نے عقل کو استعمال کیا معارضہ میں اور حق تعالیٰ کے مقابلہ میں عقل کو ذریعہ بنایا اللہ کے احکام میں طرح طرح کے شبہات نکالنے کا، شکوک پیدا کرنے کا اور اس میں الجھنے کا، تو قلب موضوع ہو گیا، دی گئی تھی عقل اس لیے کہ سمجھے احکام کو اور کوئی شبہ طبعی طور پر پیش آئے تو عقل سے اس کو دفع کرلے اس نے کیا یہ کہ عقل کو لڑائی کا ذریعہ بنایا اللہ سے، اور اس کے احکام میں طرح طرح کے شکوک و شبہات نکالنے شروع کیے اور معارضہ شروع کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ گویا یہ احکام معاذ اللہ عقل کے خلاف ہیں پھر میں کیوں مانوں انہیں، تو اپنی برأت ذمہ کے لئے اس نے عقل کو استعمال کیا حق کے مقابلہ میں حالانکہ عقل دی گئی تھی حق کی اطاعت کے لیے کہ پوری طرح سمجھو تو یہاں بھی انسان نے یہی کہا کہ جب فرمایا کہ ہم آسمان سے پتھر برسادیں گے تو اس نے کہا بھلے یہ کیسے ہو سکتا ہے پتھر تو ایک وزنی چیز ہے اور وزن دار چیز ہمیشہ نیچے کی طرف کو آتی ہے۔

زمین مرکز ثقل ہے اور وہ اپنی طرف کھینچتی ہے اسے اوپر نہیں جانے دیتی تو آسمان میں پتھر کہاں جو وہاں سے برسیں یہ عقل کے خلاف ہے کہ وزنی چیزیں اوپر جائیں حالانکہ اگر وہ اس پر غور کرتا کہ جس خالق نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں اور ان میں طبعی رفتار رکھی ہے تو طبیعت کا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اگر وہ بدل دے طبیعت کو تو اس کے اختیار میں ہے اتنا تو اس کا اختیار سمجھا کہ وہ طبیعت کے مطابق بنادے اور یہ نہ سمجھا کہ طبیعت کے خلاف کرے۔

حالانکہ جو خالق ہے طبیعت کا وہ طبیعت کو ادھر بھی چلا سکتا ہے، طبیعت کے خلاف کرے تو طبیعت اس پر حاکم تو نہیں حاکم تو وہ ہے طبیعت کے اوپر۔ ایک درخت جب پیدا ہوتا ہے اور آپ منوں مٹی کے نیچے بیج ڈال دیتے ہیں اس بیج میں سے کونپل نکلتی ہے، کونپل اتنی کمزور ہے کہ اگر چٹکی سے مسلیں تو مسل دی جائے لیکن اللہ نے اس کو اتنا طاقتور بنایا کہ منوں مٹی کے جگر چیر کر وہ اوپر کی

طرف آتی ہے حالانکہ طبیعت یہ تھی کہ نیچے کی طرف کو جائے، پتے کو اگر آپ چھوڑیں گے وہ نیچے کی طرف جائے گا اوپر نہیں جائے گا لیکن وہی پتہ جب بیج سے نکلتا ہے تو ہو جاتا ہے اوپر کی طرف، اول تو منوں مٹی کو چیرتا ہے اس کے جگر کو شق کر کے باہر نکلتا ہے پھر باہر نکل کر بھی یہ نہیں کہ نیچے کی طرف جائے وہ چڑھ کر آسمان کی طرف جاتا ہے اور ایک بڑا تناور درخت نیچے کی طرف آئے لیکن نیچے کے بجائے اسے اوپر کی طرف لے گئے تو قدرت ہے مالک کی وہ اس طبیعت کے موافق اگر حکم دے موافق چلنا پڑے گا۔

طبعی چیز یہ ہے کہ آدمی اگر نقش و نگار بنائے تو کاغذ پر بنا سکتا ہے، پتھر پر بنا سکتا ہے، لکڑی پر نقش و نگار بنا سکتا ہے، لیکن کیا یہ کسی کو قدرت ہے کہ پانی کے اوپر نقاشی کر دے مگر اس کی قدرت یہ ہے کہ ایک گندے پانی کے قطرے کے اوپر ایسے نقش و نگار بناتا ہے کہ انسان بن جاتا ہے، تو ایک پانی کے قطرے پر نقاشی کرنا یہ آپ کی طبیعت کے خلاف ہے لیکن اللہ کی قدرت کے تو خلاف نہیں تو جب قدرت والے کو قدرت والا مان لیا تو مان کر پھر اسے مقید کرنا کہ آپ ادھر کو چلیں ادھر کو نہ چلیں یہ انسان کی کن فطرتی کی بات ہے ورنہ وہ یوں کہتا کہ طبیعت کو چلا دیا یہ بھی اس کی قدرت ہے، پتھروں کو نیچے ڈال دے یہ بھی اس کی قدرت ہے اور اوپر اٹھا کر لے جائے یہ بھی اس کی قدرت ہے، تو پہلے غور کرنا چاہیے تھا عقل سے مگر عقل کو مقابلہ پر استعمال کیا اللہ کی قدرت کے، اور اپنی موافقت کے گویا عقل میری ہے اور میری تائید کرے گی آپ کے خلاف کرے گی اور یہ نہ جانا کہ عقل بھی انہی کی پیدا کی ہوئی اور تم بھی انہی کے پیدا کئے ہوئے، تمہیں حق کیا ہے کہ مالک کے خلاف چلو اور اپنے آلات اور قویٰ کو اس کے خلاف میں استعمال کرو تو یہ تو ہے ایک عقلی چیز۔

لیکن حق تعالیٰ نے جواب دیا دو طرح پر ایک تاریخ پیش کی اور ایک حسی مثال پیش کی تاریخ کی طرف تو اشارہ کیا **وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ** سے کہ پچھلوں نے بھی اعتراضات کیے لیکن پچھلوں پر تاریخ شاہد ہے کہ پتھر برسائے گئے لوط علیہ السلام کی قوم پر، یہ ایک تاریخی واقعہ ہے اور سچی

تاریخ ہے اور سچائی سے بیان کیا گیا ہے تو اسی کو دیکھ کر عبرت پکڑو تھوڑی سی کہ جس نے ایک قوم پر برسادیا پتھروں کو وہ آج بھی برسا سکتا ہے، گنہگار جب بھی تھے اور آج بھی ہیں۔(معارف حکیم الاسلام)

اَلطَّیر: یہ جمع طائر کی ہے، طار یطیر طیران کا معنٰی ہوتا ہے، اڑنا، اڑان بھرنا۔

فوق: سے فضا مراد ہے۔ صٰٓفّٰتٍ: کہ پر پھیلائے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے پر فضا میں اڑتے وقت پھیلانے والے ہیں۔

یَقْبِضْنَ : اور پر سمیٹ لیتے ہیں اور ان کو سمیٹ لیتے ہیں جبکہ وہ ان پروں کو اپنے پہلوؤں پر مارتے ہیں۔

کفار کی خود فریبی پر انتباہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ {۲۰} اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ؕ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ {۲۱} الملک

جواب ترجمہ: ہاں یہ تو بتاؤ رحمان کے سوا وہ کون ہے جو تمہارا لشکر بن کر تمہاری مدد کر سکے گا، کافر لوگ صرف دھوکے میں پڑے ہیں۔ اور یہ بتاؤ کہ وہ کون ہے جو تمہیں رزق دے اگر وہ اپنے رزق کو روک لے، بلکہ یہ لوگ سرکشی پر اور نفرت پر جمے ہوئے ہیں۔

ان آیتوں کا سبب نزول بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو کافر دعوت حق قبول کرنے سے گریز کرتے تھے اور عناد پر تلے ہوئے تھے انہیں دو چیزوں پر گھمنڈ تھا اول تو یوں کہتے اور سمجھتے تھے کہ ہمارے اموال اور ہمارے افراد قوم اور قبیلہ کے لوگ ہماری حفاظت کرلیں گے، دوم وہ بتوں سے نفع وضرر کی امید رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دونوں باتوں کی تردید فرمائی اول تو یہ فرمایا کہ بتاؤ تمہارے وہ کون سے لشکر ہیں جو رحمان جل مجدہ کے علاوہ تمہاری مدد کریں گے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عذاب

آجائے تو اسے دفع کرنے والا اور تمہاری مدد کرنے والا کون ہے؟ یعنی کوئی بھی نہیں ہے، تم جھوٹی خام خیالیوں میں مبتلا ہو شیطان نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور یہ سمجھا رکھا ہے کہ کوئی عذاب آگیا تو ہمارے جو کثیر افراد ہیں وہ حفاظت کرلیں گے، پھر فرمایا کہ یہ بھی بتاؤ کہ رازق مطلق جو تمہیں رزق دیتا ہے اگر وہ اپنے رزق کو روک لے تو بتاؤ وہ کون ہے جو تمہیں رزق دیدے؟ یعنی اس کے علاوہ تمہیں کوئی بھی رزق دینے والا نہیں۔ (تفسیر انوار البیان)

نبی کریم ﷺ جب قریش مکہ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اور قیامت میں جوابدہی سے ڈراتے تھے تو یہ فکر مند ہونے کی بجائے مذاق اڑاتے تھے، حتیٰ کہ ان کی جرأت یہاں تک بڑھی کہ جب بھی ان کا آنحضرت ﷺ سے سامنا ہوتا تو وہ آپ ﷺ سے عذاب کا مطالبہ کرتے یا قیامت کے جلد وقوع پذیر ہونے پر اصرار کرتے۔

اس آیت کریمہ میں ان سے کہا جارہا ہے کہ تم جس بے باکی سے عذاب کا مطالبہ کرتے ہو ذرا یہ تو بتاؤ کہ تمہارے پاس وہ کون سا لشکر ہے جس سے تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مقابلہ کرو گے۔ اگر پروردگار نے تمہاری تباہی کا فیصلہ کرلیا تو کیا تم زمین کو پھٹنے یا ہچکولے کھانے سے روک سکتے ہو یا اوپر سے اگر پتھروں کی بارش شروع ہوگئی تو تمہارے پاس کون سی ایسی پناہ گاہ ہے جس میں تم اپنے آپ کو بچا سکو گے۔ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی جب گرفت آتی ہے تو قلعوں میں چھپ کر بیٹھے ہوئے لوگ بھی اس سے بچ نہیں سکتے، جن لوگوں کو یہ گمان ہوتا ہے کہ ہمارے دفاعی حصار ناقابل تسخیر ہیں، ان کے حصار بھی مکڑی کے جالے ثابت ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کافر بہت بڑے فریب میں مبتلا ہیں، وہ عذاب کی دھمکی کو محض ایک مذاق سمجھتے ہیں اور اسے تسلیم کرنے کے لیے اپنی آنکھوں کے سامنے اس کا وقوع ضروری سمجھتے ہیں حالانکہ معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھتا ہے کہ عذاب کے نازل ہوجانے کے بعد اسے تسلیم کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ (تفسیر روح القرآن)

مفسر قرآن علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ مشرکوں کے اس عقیدے کی تردید کر رہا ہے جو وہ خیال رکھتے تھے کہ جن بزرگوں کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ ان کی امداد کر سکتے ہیں اور انہیں روزیاں پہنچا سکتے ہیں فرماتا ہے کہ سوائے اللہ کے نہ تو کوئی مدد دے سکتا ہے نہ روزی پہنچا سکتا ہے نہ بچا سکتا ہے، کافروں کا یہ عقیدہ محض ایک دھوکہ ہے، اگر اب اللہ تبارک و تعالیٰ تمہاری روزیاں روک لے تو پھر کوئی بھی انہیں جاری نہیں کر سکتا، دینے لینے پر، پیدا کرنے اور فنا کرنے پر، رزق دینے اور مدد کرنے پر صرف اللہ عزوجل وحدہ لاشریک لہ کو ہی قدرت ہے۔ یہ لوگ خود اسے دل سے جانتے ہیں، تاہم اعمال میں اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ کفار اپنی گمراہی کج روی گناہ اور سرکشی میں بہے چلے جاتے ہیں ان کی طبیعتوں میں ضد تکبر اور حق سے انکار بلکہ حق کی عداوت بیٹھ چکی ہے، یہاں تک کہ بھلی باتوں کا سننا بھی انہیں گوارا نہیں عمل کرنا تو کہاں؟ (تفسیر ابن کثیر)

کافر و مؤمن کی مثال

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ {۲۲} الملك

جواب ترجمہ: بھلا جو شخص اپنے منہ کے بل اوندھا چل رہا ہو، وہ منزل تک زیادہ پہنچنے والا ہو گا یا وہ جو ایک سیدھے راستے پر سیدھا سیدھا چل رہا ہو؟

یہاں اللہ تعالیٰ شانہ مومن و کافر کی مثال بیان فرماتا ہے کہ کافر کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی شخص کمر کبڑی کر کے سر جھکائے نظریں نیچی کئے چلا جا رہا ہے نہ راہ دیکھتا ہے نہ اسے معلوم ہے کہ کہاں جا رہا ہے بلکہ حیران، پریشان، راہ بھولا اور ہکا بکا ہے۔

اور مومن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سیدھی راہ پر سیدھا کھڑا ہوا چل رہا ہے راستہ خوب صاف اور بالکل سیدھا ہے یہ شخص خود اسے بخوبی جانتا ہے اور برابر صحیح طور پر اچھی چال سے چل رہا ہے، یہی حال ان کا قیامت کے دن ہو گا کہ کافر تو اوندھے منہ جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے اور مسلمان عزت کے ساتھ جنت میں پہنچائے جائیں گے جیسے دوسرے مقام پر ارشاد ہے اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ (الصافات:۲۲) ظالموں کو اور ان جیسوں کو اور ان کے ان معبودوں کو جو اللہ کے سوا تھے جمع کر کے جہنم کا راستہ دکھا دو۔

حضرت نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ يَا رَسُولَ اللهِ ، كَيْفَ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى وُجُوهِهِمْ ؟ فَقَالَ : أَلَيْسَ الَّذِي أَمْشَاهُمْ عَلَى أَرْجُلِهِمْ قَادِرًا عَلَى أَنْ يُمْشِيَهُمْ عَلَى وُجُوهِهِمْ (مسند احمد) یارسول اللہ! لوگ منہ کے بل چلا کر کس طرح جمع کئے جائیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا جس نے پیروں کے بل چلایا ہے وہ منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔

کان، آنکھوں اور دلوں کی تخلیق

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ {۲۳} الملك

جواب ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اللہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنا دیئے تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں ”اللہ نے سننے کے لئے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں اور سمجھنے کے لیے دل دیے تھے کہ اس کا حق مان کر ان قوتوں کو ٹھیک

مصرف میں لگاتے اور اس کی طاعت و فرمانبرداری میں خرچ کرتے مگر ایسے شکر گزار بندے بہت کم ہیں، کافروں کو دیکھو کہ ان نعمتوں کا کیسا حق ادا کیا؟ اس کی دی ہوئی قوتیں اسی کے مقابلہ میں استعمال کیں۔

نکتہ: السمع کو بصورت مفرد ذکر کر لیا لیکن البصر اور الفواد کی یہ حالت نہیں ہے (یہ مصدر نہیں ہیں) اس لئے الابصار اور الافئدۃ کو بصورت جمع ذکر کیا) اس کے علاوہ السمع کو مفرد اور الابصار اور الافئدۃ کو جمع لانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کان سے ایک ہی نوع کا علم حاصل ہوتا ہے اور آنکھ سے علم حاصل ہونے کی متعدد صورتیں ہیں۔ (رنگ شکل مقدار حسن و قبیح وغیرہ) اور دل سے ادراک بھی مختلف طریقوں سے ہوتا ہے (شک، وہم، ظن، یقین، حصولی حضوری مختلف تصورات و تخیلات وغیرہ (گلدستہ تفاسیر)

سمع و بصر و قلب کی تخصیص: اس میں اعضاء انسانی میں ان تین اعضاء کا ذکر ہے جن پر علم و ادراک اور شعور موقوف ہے فلاسفہ نے علم و ادراک کے پانچ ذرائع بیان کئے ہیں جن کو حواس خمسہ کہا جاتا ہے یعنی سننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا، چھونا، سونگھنے کے لئے ناک اور چکھنے کے لئے زبان اور چھونے کی قوت سارے بدن میں حق تعالیٰ نے رکھی ہے سننے کے لئے کان اور دیکھنے کے لئے آنکھ بنائی ہے۔

یہاں حق تعالیٰ نے ان پانچ چیزوں میں سے صرف دو کا ذکر کیا ہے یعنی کان اور آنکھ، وجہ یہ ہے کہ سونگھنے، چکھنے اور چھونے سے بہت کم چیزوں کا علم انسان کو حاصل ہوتا ہے اس کی معلومات کا بڑا مدار سننے اور سیکھنے پر ہے اور ان میں بھی سننے کو مقدم کیا گیا، غور کرو تو معلوم ہو گا کہ انسان کو اپنی عمر میں جتنی معلومات ہوئی ہیں ان میں سنی ہوئی چیزیں بہ نسبت دیکھی ہوئی چیزوں کے بدرجہا زائد ہوتی ہیں، اس لئے اس جگہ حواس خمسہ میں سے صرف دو پر اکتفا کیا گیا ہے کہ بیشتر معلومات انسانی ان ہی دو راہوں سے حاصل ہوتی ہیں اور تیسری چیز قلب کو بتلایا ہے کہ وہ اصل بنیاد اور مرکز علم ہے، کانوں سے سنی ہوئی اور آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیزوں کا علم بھی قلب پر موقوف ہے۔

بعض عقل کے نابینا وہ بھی ہیں کہ وہ قدرت کی پکار کو چیلنج سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے چیلنج

مان لیا ہم مقابلہ کریں گے اور طاقت یہ ہے کہ اپنی زندگی بھی اپنے ہاتھ میں نہیں، اپنی قوت بھی اپنے ہاتھ میں نہیں، تو فرماتے ہیں، جن قویٰ پر تم نازاں ہو آنکھ پہ، ناک پہ، یہ دینے والا وہ ہے هوَ الَّذِی اَنشَاَکُم وہی ہے جس نے تمہیں ابتداء میں بنایا اور از سر نو بنایا اور وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالاَبْصَارَ وَالاَفْئِدَۃَ تم میں سننے کی طاقت رکھی کہ کچھ معلومات سن کر حاصل کرو، آنکھوں میں دیکھنے کی طاقت رکھی کہ کچھ معلومات دیکھ کر حاصل کرو، دل میں بوجھنے کی طاقت رکھی، تاکہ غور و فکر سے کچھ معلومات میں اضافہ کرو، یہ ساری قوتیں حق تعالیٰ نے دیں اور عجیب صناعی کے ساتھ دیں۔

انسانی دل ایک عجیب کائنات ہے: قلب کو ایک عجیب کائنات بنایا اللہ نے، محققین لکھتے ہیں کہ دو دروازے ہیں قلب کے، ایک نیچے کی طرف کھڑکی کھلی ہوئی ہے قلب میں، ایک اوپر کی طرف، اوپر کی کھڑکی کھلتی ہے، تو عالم غیب کے مشاہدات کرتا ہے وحی اور الہام ربانی اور جمالات خداوندی کو دیکھتا ہے، عالم غیب منکشف ہوتا ہے اور نیچے کی کھڑکی سے دیکھتا ہے تو محسوسات نظر پڑتے ہیں، دریا اور پہاڑ اور جنگل تو محسوسات کے نیچے کے سوراخ سے دیکھتا ہے، تو مغیبات کو اوپر کے سوراخ سے دیکھتا ہے، قلب ایک ہی ہے لیکن اس میں بینائیاں دو قسم کی رکھی ہیں، ایک اوپر کے دیکھنے کی اور ایک نیچے سے دیکھنے کی۔

ایک ظاہری چیز دیکھنے کی اور ایک باطنی چیز دیکھنے کی، ظاہری چیزوں کے دیکھنے کے لئے آلات بنائے، قلب کے لئے آنکھ بنائی تاکہ شکلیں اور صورتیں دیکھے، کان بنائے تاکہ آوازروں کو سنے، زبانیں دیں تاکہ ذائقوں کو چکھیں، ناک دی تاکہ خوشبو اور بدبو کو سونگھے، توشے کی صورت بھی دیکھتا ہے، انسان شے کی خوشبو اور بدبو کا بھی ادراک کرتا ہے، شے کی آواز بھی سنتا ہے، آوازیں سن کر بچاؤ بھی کرتا ہے، اپنے کام بھی نکالتا ہے اگر شیر کی دھاڑ سنی تو بچنے کی کوشش کرتا ہے تو کان ذریعہ بنتے ہیں بچنے کا اور اگر آواز سن لی کسی اچھے خوشنما پرندے کی تو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے کہ گھر کی زینت بناؤں گا تو کان ذریعہ بنا منافع حاصل کرنے کا بھی اور مضار یعنی مضرتوں سے بچنے کا بھی۔

اسی طرح سے آنکھ ذریعہ بنتی ہے، چیزوں کے لینے کا بھی اور چیزوں سے بچنے کا بھی، اگر صورت دیکھ لے سانپ کی تو بھاگتا ہے آدمی، اگر صورت دیکھ لی کسی اچھے خوشنما پتھر کی، سونے کی، چاندی کی، دوڑتا ہے اس کو اٹھانے کے لئے، اگر آنکھ نہ ہوتی تو نہ نفع حاصل کر سکتا، نہ مضرت سے بچ سکتا، تو آنکھ کو اللہ نے ذریعہ بنایا دور سے دیکھ کر منافع حاصل کرنے کا اور مضرتوں سے بچنے کا۔

بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ سامنے نہیں ہیں، ان کی آواز بھی نہیں آتی، لیکن ان کی بدبو اور خوشبو سے سمجھ لیتا ہے، کہ یہاں فلاں چیز موجود ہے، شیر کے منہ کی بدبو ہوتی ہے، اگر وہ سامنے بھی نہیں تو اس کے منہ کی بدبو دور تک سونگھ سکتا ہے، آدمی سمجھ لیتا ہے کہ یہاں شیر موجود ہے، بھاگتا ہے وہاں سے اور اگر دوسرا جانور ہے، اس کی بو آئی اور وہ استعمال کا ہے تو شکار کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو ناک ذریعہ بنتی ہے بہت سی چیزوں سے بچنے کا اور بہت سی چیزوں کے حاصل کرنے کا۔

اسی طرح سے ذائقہ، بعضی چیزوں کو چکھ کر آدمی محسوس کرتا ہے کہ یہ مضر ہوں گی، اس کا ذائقہ بتلا رہا ہے کہ یہ مضر ہے بعض ذائقے ہیں جو فرحت بخشتے ہیں، انہیں حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

تو آنکھ، ناک، کان، منہ، یہ تمام چیزیں آلات ہیں، مگر حقیقت میں ان ساری چیزوں کا ادراک کرنے والا قلب ہے، یہ سب خدام ہیں اس کے، آنکھ حقیقۃً خود نہیں دیکھتی، دل دیکھتا ہے، یہ عینک چڑھی ہوئی ہے دل کے اوپر، آنکھ خود نہیں دیکھتی، بسا اوقات آپ کسی بازار میں چلے جا رہے ہیں اور بڑے اعلیٰ اعلیٰ مناظر، بڑی بہترین دکانیں اور روشنیاں ہیں، گھر آکر دوسرا کہتا ہے کہ بھئی بڑے بڑے تماشے تھے، آج تو بازار میں، آپ کہتے ہیں کہ مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں پڑا، کہتا ہے میاں آنکھیں تو کھلی ہوئی تھیں، اخوہ میں تو فلاں خیال میں غرق تھا، مجھے تو کچھ نظر نہیں آیا، معلوم ہوا کہ آنکھ دیکھنے والی نہیں ہے، دل دیکھنے والا ہے، دل متوجہ ہے۔

دوسری طرف کچھ نظر نہیں آتا آپ کسی دھیان میں پڑے ہوئے ہیں اور زور سے گھنٹہ بجا آپ کو پتہ بھی نہ چلا، دوسرے نے کہا کہ میاں تم نے نماز نہیں پڑھی، وہ گھنٹہ جو بج گیا تھا اور تم نے افطار

نہیں کیا، وہ اتنا بڑا گولا چھوٹا تھا، اے ہے! میں نے تو سنی ہی نہیں اے میاں! بڑے زور سے بجا تھا، کہتے ہیں، اخوہ میں تو فلاں خیال میں لگا ہوا تھا، مجھے تو دھیان ہی نہ آیا، معلوم ہوا دل سنتا ہے، کان نہیں سنتا، جب دل متوجہ ہے تو کان سنے اور دل متوجہ نہیں تو کھلے ہوئے کان نہیں سنتے، اسی طرح سے ذائقہ کی بات ہے، بعض دفعہ دھیان نہیں ہوتا، تو نہ کھٹے کا ذائقہ آتا ہے نہ میٹھے کا۔ (معارف)

حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمۃ اللہ ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ کے سالے تھے، حاجی مقبول صاحب بڑے بزرگ لوگوں میں سے تھے، حضرت ہی کے یہاں رہتے تھے، ان کا کھانا وانا سب وہیں تھا، اتفاق سے دو تین دن سے روزانہ چنے کی دال پک رہی تھی، انہوں نے بہن سے شکایت کی کہ روزانہ چنے کی دال؟ کوئی اور دال پکا لیا کرو، خیر انہوں نے اگلے دن ماش کی دال پکائی، کھانا کھانے کے بعد کہنے لگے آج بھی وہی چنے کی دال پکائی تھی، انہوں نے کمر میں دو ہتڑ ماری، اندھے یہ دال چنے کی ہے کہ ماش کی؟ اخوہ، مجھے وہی دھیان رہا جو تین دن سے تھا، اسی دھیان میں کھاتا رہا، مجھے وہی مزہ آتا رہا جیسے چنے کا تھا معلوم ہوتا ہے کہ زبان نہیں چکھتی بلکہ دل ہے چکھنے والا، اگر دل متوجہ ہو جائے تو آدمی متوجہ ہو کر سب کچھ چکھ لیتا ہے، دل متوجہ نہ ہو نہیں چکھتا، تو اصل میں دیکھنے والا بھی دل ہے، سننے والا بھی دل ہے، چکھنے والا بھی دل ہے تو دل عجیب چیز نکلا، وہ ان تمام خدام کا استعمال کر رہا ہے، محسوسات کو دیکھتا ہے۔

اچھا اب اس کے بعد پھر ایک عجیب کائنات دل کی یہ بھی ہے کہ ان ساری چیزوں کے ذریعے اس نے دیکھ بھی لیا، سن بھی لیا، چکھ بھی لیا، چکھنے کے بعد وہ ذائقہ غائب ہو جانا چاہیے تھا، دیکھنے کے بعد صورت غائب ہو جانی چاہیے تھی لیکن دل نے اتنا قبول کیا کہ اب وہ شے سامنے نہیں ہے لیکن ذرا آپ نے گردن جھکائی تو وہ شے دل کے سامنے ہے، یہ کہاں موجود ہے، یہ آنکھ میں تو موجود نہیں، اگر آنکھ میں ہوتی موجود تو دوسری چیزیں دیکھنے کے قابل نہ رہتیں وہ چیزیں ہی ٹکراتی رہتیں، تو آنکھ کہاں

سے دیکھتی ہے، آنکھ دیکھ کر فارغ ہوئی، قلب نے فوٹو اتار لیا اور قلب کے پاس وہ نقشہ موجود ہے اب جب چاہیں گے آپ دیکھ لیں گے کسی شاعر نے کہا ناں کہ

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

بس جہاں مراقبہ کیا، جہاں غور کیا تو چیز سامنے موجود، تو دل فقط دیکھتا ہی نہیں بلکہ نگلتا بھی ہے ان چیزوں کو، دیکھنے میں تو یہ ہے کہ دیکھ لیا باہر باہر کی چیز ہے، دیکھ کر اس کی صورت کو نگل لیتا ہے اپنے اندر اور اس کا نقشہ کھینچ لیتا ہے فوٹو لے لیتا ہے، تو دل ایک بڑا زبردست کیمرہ بھی ہے، تو اس میں صورتیں بھی موجود، ذائقے جو چکھے تھے وہ بھی موجود، آپ کہا کرتے ہیں کہ فلاں صاحب کے یہاں میں نے ایک ایسا عجیب و غریب سالن کھایا کہ آج تک ذائقہ میری زبان میں موجود ہے، وہ زبان میں نہیں وہ دل میں موجود ہے، تو دوسرا ذائقہ مل ملا کے کوئی ذائقہ باقی نہ رہتا خلط ملط ہو جاتا، تو زبان چکھ کر الگ ہوئی اس نے پہنچا دیا قلب کے اندر تو یہ درحقیقت ہرکارے اور خدام ہیں جو صورتیں، آوازیں، ذائقے بٹور کر، قلب کے سامنے پیش کر دیتے ہیں تو گویا یہ ایک سی، آئی، ڈی ہے جس کے ذریعہ قلب تمام چیزوں کے احوال معلوم کرتا ہے، صورتوں کے بھی، آوازوں کے بھی ذائقوں کے بھی، خوشبو بدبو کے بھی۔

تو قلب ایک عجیب کائنات نکلی، تو اس نے پانچ دروازے رکھے حواس ظاہرہ کے، ان کے ذریعہ محسوسات کو دیکھ کر اپنے اندر لے لیتا ہے اور پانچ ہی پھر حواس ہیں باطنی، قوت وہم اور قوت خیال اور قوت متصرفہ اور قوت عاقلہ تو ان کے ذریعہ سے وہ غیبی چیزیں دیکھتا ہے، علوم میں جب غور کرتا ہے تو نئے نئے علوم اس کے سامنے منکشف ہوتے ہیں یہ ظاہر ہے کہ بدن کے اندر نہیں ہے روح میں ہے اور روح کا کنکشن ہے روح اعظم سے تو وہاں سے علوم اترتے ہیں تو قلب ہی کے اندر یہ خاصہ ہے کہ جب غیب کی طرف متوجہ ہو تو علوم اور کمالات لیتا ہے وہاں سے تو عجیب کائنات اللہ نے بنائی ہے تو یہ

اتنی سی ڈبیہ گاجر کی شکل کی سینے کے بائیں جانب پڑی ہوئی ہے لیکن ایک بطن اس کا وہ ہے کہ جو اوپر کی چیزیں منکشف کرتا ہے اور ایک بطن وہ ہے کہ جو نیچے کی چیزیں منکشف کرتا ہے تو اگر انسان اوپر کے دروازے بند کر دے اور صرف نیچے کی چیزیں دیکھے نہ علم ہو نہ کمال ہو نہ اللہ کا اعتقاد ہو نہ وہاں سے علوم ہوں تو وہ اندھا ایسے ہی کام کرے گا جس کی شکایت کی جارہی ہے کہ اس نے آنکھیں بھی بند کرلیں، ہاتھ بھی سکوڑ لئے کچھ بھی نہیں کر رہا۔

اور ایک وہ لوگ ہیں کہ جو محسوسات کو بھی دیکھتے ہیں اور ساتھ میں مغیبات کے علوم بھی ان کے قلب میں ہیں انبیاء علیہم السلام کے طفیل سے وہ ان علوم کے ذریعہ سے ان ساری محسوسات کو اپنی اپنی حد میں رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ان محسوسات کو کہاں کہاں استعمال کرنا چاہیے اور کہاں نہیں، کہاں جائز ہے اور کہاں ناجائز کہاں حرام ہے اور کہاں حلال؟

تو حرام و حلال کی تمیز علم غیب سے ہوتی ہے ان محسوسات سے نہیں ہوتی اور وہ سمجھنے والا صرف قلب ہے آنکھ، ناک، کان، یہ حق اور باطل دونوں چیزیں قبول کرتے ہیں آنکھ اگر آپ جائز چہرے پر ڈال لیں جب بھی لذت لے گی اور حرام چہرے پر بھی ڈالیں جب آنکھ لذت لے گی، ہاتھ اگر آپ جائز مال پر ڈالیں اسے بھی گرفت کرلے گا اور اگر رشوت کا مال لیں وہ چھے گا نہیں ہاتھ میں، اسے بھی قبضہ کرلے گا۔

اسی طرح سے کان ہے اگر آپ کسی ناجائز آواز پر گانے بجانے پر متوجہ کردیں اس سے بھی کانوں کو لذت ہوگی اور جائز آوازیں ہیں مثلاً تلاوت قرآن ہو رہی ہے، ذکر اللہ ہو رہا ہے وہ بھی کان لے لیں گے، تو آنکھ باطل میں امتیاز نہیں کرسکتی، کان باطل میں امتیاز نہیں کرسکتا، ہاتھ باطل میں امتیار نہیں کرسکتا، لیکن قلب وہ ہے کہ امتیاز کرتا ہے باطل میں، اگر غلط چیز آئی تو کھٹکا رہے گا قلب، جب تک کہ سچی بات سامنے نہیں آئے گی مطمئن نہیں ہوگا، ناجائز مال آئے گا قلب کے سامنے کھٹکتا

رہے گا، چور کے دل میں کبھی اطمینان نہیں ہو گا، ضمیر ملامت کرتا ہی رہے گا کہ برا کیا، چاہے نفس مانے نہ مانے تو قلب احساس کرتا ہے حرام کا بھی، حلال کا بھی، جائز کا بھی، ناجائز کا بھی، لیکن یہ کس طرح سے، یہی علوم غیب کے ذریعے، وہی جو اوپر سے ضمیر میں آرہی ہے چیز اس کے ذریعہ سے باطل کا امتیاز ہوتا ہے، ورنہ صورتوں اور شکلوں میں امتیاز نہیں ہوتا باطل کی، تو جن لوگوں نے اوپر کا دروازہ بند کر دیا قلب کا، نہ انبیاء کی بات سنی، نہ علم وحی کو قبول کیا، نہ اللہ کے احکام کو لیا ان کے سامنے صرف محسوس زندگی رہ گئی، یہی اینٹ، ڈِھلا، پتھر، خوشبو یہی چیزیں رہ گئیں اب اس پر چاہے وہ غرور کرے وہ بھی جہالت ہو گی کیونکہ اوپر کا علم نہیں ہے۔

عظمت خداوندی سامنے نہیں ہے اسے غلط استعمال کرے تو کر سکتا ہے اس لئے کہ اوپر کا علم سامنے نہیں ہے جو غلط کو غلط بتاتا اور صحیح کو صحیح، تو ان کی آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود اندھی ہیں، کان کھلے ہونے کے باوجود پٹ ہیں کہ وہ باطل میں امتیاز نہیں کر سکتے۔

تو صورتوں کا دیکھنا کمال نہیں، جانور بھی دیکھتا اور بیل بھی دیکھتا ہے، صورتیں، ان صورتوں میں یہ امتیاز کرنا کہ یہ دیکھنے کے لائق ہیں یا نہیں یہ حلال یا حرام، یہ قلب کا کام ہے مگر وہی قلب جس کے اندر ایمان کی روشنی ہو جس میں انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کا جذبہ ہو، ان لوگوں نے جب وہ جذبہ کھو دیا تو ظاہر بات ہے کہ صرف محسوسات رہ گئیں، اسی کے چکر میں پڑے رہے نہ عقل کام دے گی نہ علم کام دے گا۔

سائنس اور فلسفہ علم نہیں حس ہے: آج مجازی طور پر آپ علم کہہ دیں سائنس کو فلسفے کو مگر یہ علم نہیں ہے یہ حس ہے یعنی محسوسات کو دیکھنا تجربات سے، اس میں نئی نئی چیزیں پیدا کرتے رہنا یہ بس دیکھنا اور دست کاری ہے۔

علم کسے کہتے ہیں؟ علم کہتے ہیں مغیبات کو یعنی چیز کے جاننے کو کہ جو آنکھ سے نہ دیکھی جا سکے، اور

علم اللہ کا ہے جو وحی کے ذریعے آتا ہے تو علم کہلانے کا مستحق وہ ہے، یہ جو حسی چیزیں ہیں ان میں حس سے تصرفات کریں گے یہ احساسات سے تعلق رکھتے ہیں اسے حس کہیں گے علم نہیں کہیں گے اور حس جانور میں بھی ہوتی ہے اور انسان میں بھی، جانور کے لاٹھی مار دو گے وہ بھی تکلیف پائے گا، انسان کی خصوصیات نہیں اس کو ڈھیلا مارو، وہ بھی جذبہ میں آجائے گا، یہ عقل سے تعلق نہیں رکھتا، طبیعت سے تعلق رکھتا ہے حس سے تعلق رکھتا ہے تو یہ جتنی چیزیں ہیں یہ احساسات ہیں علوم نہیں ہیں۔

علوم کا تعلق ہے مغیبات سے اور وہ جبھی آتا ہے جب قلب کے اوپر کا دروازہ کھلے اور اس دروازے میں وہاں سے آمد شروع ہو جائے علم کی اور کنکشن ہو، تو حاصل یہ نکلا اس آیت کا کہ انہوں نے اوپر کا دروازہ بند کر لیا ہے قلب کا، اور وہ کام نہیں لیتے جو قلب کا کام ہے کہ جائز میں اور ناجائز میں امتیاز کرے صورتیں دیکھنے پر قناعت کر رہے ہیں تو پھر کہاں سے انہیں منزل مقصود نظر آئے گی اور پھر یہ سامان بھی جتنا ہے دیکھنے کا یہ بھی ہمارا ہی تو دیا ہوا ہے اس نے خود کہاں پیدا کیا ہے اگر ہم روک لیں تو دیکھ بھی نہ سکے چکھ بھی نہ سکے تو ان طاقتوں کے بل بوتے پر ہمارے مقابلے پر آرہا ہے جن کے خالق ہم ہیں تو حماقت اور جہالت واضح فرمائی گئی اس کو فرمایا قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ، کہہ دیجئے اے پیغمبر! کہ وہی ہے اللہ جس نے تمہیں پیدا کیا پیدا کرنے والا وہ ہے اور پیدا بھی کیا اس شان سے کہ جن قوتوں پر ناز کرتے ہو وہ اس نے رکھیں سننے کی طاقت اس نے رکھی، دیکھنے کی طاقت اس نے رکھی بوجھنے کی طاقت اس نے رکھی، دل دیا آنکھ دی کان دیے مگر قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ بہت کم ہیں جو شکر گزار ہیں۔

اللہ کی ان نعمتوں کو نعمت سمجھیں بس یوں سمجھ لیا ہے کہ ہماری ملکیت ہے کون ہے دینے والا؟ تو نہ تو شکر کا کام ہے نہ حمد کا کام ہے تو جب حمد شکر ہی نہیں اس واسطے اس کا استعمال بھی صحیح نہیں اس لیے کہ ادھر عقل لڑاتے ہی نہیں اور فرماتے ہیں یہ تو ہیں قوتیں اب خود اپنی ذات کو دیکھ لو جس میں

یہ قوتیں رکھی گئیں وہ ذات کہاں سے آئی ؟ وہ بھی تو اللہ ہی نے بنائی ہے تم خود ہی تو نہیں بنے۔ (معارف حکیم الاسلام)

جدھر سے آنا ہوا ادھر ہی جانا ہے

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ {۲۴} الملك

جواب ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ اللہ وہی ہے جس نے تم کو زمین پر پھیلا دیا اور تم اسی کے پاس اکٹھے کیے جاؤ گے۔

یعنی ابتداء بھی اس سے ہوئی انتہاء بھی اسی پر ہو گی، جہاں سے آئے تھے وہیں جانا ہے، چاہیے تھا کہ اس سے ایک دم غافل نہ ہوتے اور ہمہ وقت اس کی فکر رکھتے کہ مالک کے سامنے خالی ہاتھ نہ جائیں مگر ایسے بندے بہت تھوڑے ہیں، تو اس کو فرمایا قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ آپ فرمادیجئے اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا۔

جس نے تمہیں بکھیر دیا عجیب اعجازی شان سے کہ ایک نقش واحد کو پیدا کیا آدم کو اور اس کے ذریعے اربوں، کھربوں انسان پوری زمین پر بکھیر دیے تو یہ بکھیرنے والے ہم ہیں یا تم ہو؟ ہم نے ہی تو تمہاری ذات کو دنیا کے اندر بھیجا، تو ذات جب ہم نے بھیجی تو ذات میں جو کرامتیں رکھی ہیں سننا دیکھنا عقل یہ بھی تو ہم ہی رکھنے والے ہیں، جو ذات کا دینے والا وہ صفات کا دینے والا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ذات تو تم بناؤ اور صفات میں ہم تمہارے تابع ہو جائیں یا ذات ہم بنائیں اور صفات تم رکھ لو جو ذات بنائے گا وہی صفات بنائے گا۔

تو حاصل یہ نکلا کہ اگر اللہ کی قدرت پر غور کرو تب بھی جواب موجود ہے کہ تم اس کی اطاعت کرو اور عبرت پکڑو اور عقل سے غور کرو تو عقل بھی بتلاتی ہے کہ دینے والا جو ہے اسی کی طرف رجوع

کرنا پڑے گا اگر حس پر غور کرو تو پرندوں کو دیکھ لو وہی ہے اوپر لے جانے والا، وہ پتھروں کو اوپر لے جا کر برسا سکتا ہے اگر تاریخ پر غور کرو تو پچھلوں میں ایسے واقعات پیش آچکے ہیں۔

لیکن جب نہ تاریخ سامنے رکھو، نہ آنکھ کان کھول کر دیکھو، نہ عقل سے دیکھو، نہ ایمان لاؤ تو سوائے ہٹ دھرمی کے اور کیا ہے؟ اس کا حاصل یہ ہے کہ گویا مستعد بن رہے ہو ہمارے عذاب اٹھانے کے لیے تو ہم عذاب بھیجنے والے ہیں ہم نے دنیا میں بھی عذاب دیے ہیں قیامت کا دن بھی رکھا ہے کہ اس میں آخری طور پر عذاب دیں گے اب آگے جب یہ بات ہوئی تو فرمایا کہ گویا جب تم عذاب ہی چاہ رہے ہو تو اچھا تیار ہو عذاب کے لیے مگر مصیبت یہ ہے انسان کی کٹ حجتی پر کہ تیار ہونے کے باوجود پھر تیار نہیں۔ (معارف حکیم الاسلام)

قیامت کا منظر اور پس منظر

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ {۲۵} قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ {۲۶} الملك

جواب ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ یہ وعدہ کب پورا ہو گا؟ آپ فرما دیجئے کہ علم تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو صرف واضح طریقہ پر ڈرانے والا ہوں۔

حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "جب نبی کریم ﷺ نے قوم کو قیامت سے ڈرایا کہ ایک وقت آنے والا ہے کہ پوری دنیا ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد ایک نئی زندگی شروع ہو گی تو اس زندگی کے لئے اس زندگی میں کچھ کرو، اگر کچھ کر لیا سامان تو اگلی زندگی راحت سے کٹے گی اور چونکہ وہ اگلی زندگی دَوامی اور اَبدی ہے، اس لئے راحت کا سامان کیا تو راحت بھی دَوامی اور مصیبتوں کے سامان کر لئے تو وہ مصیبتیں بھی دوامی اور ابدی ہوں گی جو کاٹے نہیں کٹیں گی، اس لئے آپ نے

قیامت کو پیش فرمایا، تو اس پر قوم نے جھٹلایا حضور کو جس کی شکایت فرمائی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ وَيَقُولُونَ مَتَى هٰذَا الوَعدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: یہ جو آپ قیامت سے ڈراتے ہیں وعدہ دیتے ہیں وہ کب کو آئے گی وہ آکیوں نہیں جاتی، قیامت؟ تم اگر سچے ہو تو اسے لے آیئے جلدی سے، برس ہا برس سے صدیوں سے ہزاروں برس سے وعدے دے رکھے ہیں، آپ نے فرمایا کہ دنیا ختم ہو گی تب وہ آئے گی، تو اسے اگر آنا ہے تو وہ جلدی کیوں نہیں آجاتی تاکہ آپ کو بھی ہمیں جھٹلانے کا موقع نہ رہے، قیامت سامنے آجائے تو مجبور ہو کر ہم یقین کر لیں، یہ سوال کیا کہ يَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الوَعدُ کب آئے گی وہ قیامت؟

قیامت کے سوال کا منشاء دو چیزیں ہو سکتی ہیں: اس سوال کا منشاء دو ہو سکتے ہیں اور تھے بھی دو، ایک تو یہ کہ بعضے قیامت ہی کے منکر تھے کہ کوئی زندگی اگلی آنے والی نہیں ہے ان کے مزاجوں میں دہریت تھی، نہ وہ اس عالم کی ابتداء کے مقر تھے نہ انتہا کے مقر تھے کہ بس یونہی چلا آرہا ہے قصہ، یونہی چلتا چلا جائے گا ابد الآباد تک، اِن هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا ۔۔۔ اِلَّا الدَّهر، یہ زندگی ہماری، مر رہے ہیں، جی رہے ہیں یونہی دیکھتے چلے آرہے ہیں یونہی دیکھتے ہوئے چلے جائیں گے، تو زمانہ ہمیں زندگیاں دے رہا ہے، زمانہ ہی آتا ہے وقت گزرتا ہے موت آجاتی ہے، یہی سلسلہ چلتا رہے گا، نہ قیامت ہے نہ کوئی ابتداء ہے اس عالم کی، تو کچھ تو دہریہ مزاج تھے کہ جو شروع ہی سے منکر تھے قیامت کے۔

فلاسفہ یونان بھی دہریوں کی طرح قیامت کے منکر ہیں: جیسا کہ فلاسفہ یونان وہ بھی منکر ہیں قیامت کے، وہ عالم کو قدیم مانتے ہیں کہ ہمیشہ سے ہے دنیا اور ہمیشہ اسی طرح چلی جائے گی نہ کوئی ابتداء ہے اس عالم کی، نہ کوئی انتہا ہے اس عالم کی۔

فلاسفہ ہند بھی قیامت کے منکر ہیں: فلاسفہ ہند، یہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ ابتداء بھی نہیں ہے اور انتہاء بھی نہیں ہے اور اگر ہے بھی انتہا تو وہ انتہائیں بھی ہزاروں آئیں گی، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اتنے

ارب اتنے کھرب اتنے کروڑ اتنے لاکھ برس تک یہ قائم رہتی ہے اور پھر پرلو آجاتی ہے، قیامت آجاتی ہے، عالم مٹ جاتا ہے اور پل بھر میں پھر از سر نو شروع ہو جاتا ہے اور چار بیسی یعنی جو سب سے اول پیدا ہوتے ہیں تبت کے پہاڑ میں ان پر ریت اترتا ہے پھر دنیا چلتی ہے اور چار ارب اور چار کھرب اور چار کروڑ برس تک یہ چلتی رہے گی پھر پرلو آئے گی اور پھر از سر نو سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

تو ارواح ان کے یہاں گنتی کی متعین ہیں وہی لوٹ پھیر کر آجاتی ہیں اور مختلف لون بدلتی رہتی ہیں تو ابتداء و انتہاء کے یہ بھی قائل نہیں اور فلاسفہ یونان بھی قائل نہیں یعنی جتنے بھی بندگان عقل ہیں وہ قائل نہیں ہیں، قیامت کے، ان کا خدا ان کی عقل ہے یہ اس واسطے کہ ان کے عقائد میں یہ چیزیں آئی نہیں کہ ابتداء ہے اس عالم کی، تو در حقیقت خدا کے وجود کے بھی منکر ہیں۔

ایک نمونہ عرب میں موجود تھا جو منکر تھے قیامت کے تو ایک منشاء تو ان کے سوال کا استہزاء اور مسخرہ پن ہے جو چیز آنے والی نہیں ہے آپ خواہ مخواہ اس سے ڈرا رہے ہیں ہمیں یہ قیامت آوے نہ عالم ختم۔ بعض قائل تھے قیامت کے مگر اس کے مقصد سے واقف نہیں تھے کہ حقیقت کیا ہے قیامت کی، اس کی جہالت کی وجہ یہ سوال پیدا ہوا تمسخر آمیز کہ مَتٰی هٰذَا الوَعدُ کب کو آئے گی وہ قیامت تو قیامت کی حقیقت پیش نظر نہیں یعنی یہ پیش نظر نہیں تھا کہ ایک زندگی ختم ہو کر اس کے ثمرات اگلی زندگی میں نکلیں گے اور اس کے لئے لازمی ہے کہ ایک عالم کو ختم کیا جائے اور دوسرے عالم کی بنیاد ڈالی جائے تاکہ مجموعہ بنی آدم کو نتائج دیکھنے کا موقع ملے اچھے برے، یہ ہو نہیں سکتا جب تک کہ ایک جہاں بدل کر دوسرا جہاں نہ لایا جائے، تو بعضے اس حقیقت کے منکر تھے، قیامت کے قائل تھے مگر حقیقت سے لاعلم تھے، اس واسطے یہ سوال کیا کہ کب کو آئے گی یہ قیامت؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا انکار ہو یا قیامت کے مقصد کا انکار ہو یہ اپنی بھی تکذیب ہے اور مشاہدات کو بھی جھٹلانا ہے خود اپنے دیکھے کو جھٹلانا ہے۔

قیامتیں تین ہیں، شخصی، قرنی، کلی: اس واسطے کہ قیامت ایک نہیں ہے بلکہ کئی ہیں ایک قیامت ہے شخصی اور ایک قیامت ہے قرنی اور ایک قیامت ہے کلی۔ شخصی قیامت ہر شخص کی موت ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُهٗ، جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی تو شخصی قیامت ہے کہ ہر شخص کے اوپر آرہی ہے یعنی ایک زندگی ختم ہوتی ہے اور دوسری زندگی شروع ہوتی ہے، تو یہ شخصی زندگی ہے شخصی موت ہے اور شخصی قیامت بھی۔

دوسری قیامت ہے قرنی یعنی ایک نسل کا اختتام جس کا اندازہ تخمینہ سو برس ہے، سو برس کے اندر اندر ایک نسل ختم ہو جاتی ہے اور دوسری نسل کا آغاز ہوتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ کسی فرد کی عمر اتفاق سے بہت بڑھ جائے سو وہ سو برس ہو جائے، تو ایک فرد کا نام زمانہ نہیں ہوتا، زمانہ کہتے ہیں اکثریت کو کہ ایک نسل کی نسل آجائے اور نسل کی نسل ختم ہو جائے، ایک آدھ فرد رہ جائے، تو اس سے نسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا، تو گویا ایک صدی رکھی گئی ہے ایک نسل کے لئے تخمینہ کے طور پر۔

اس واسطے حدیث میں تجدید کا وعدہ فرمایا گیا ہے کہ دین کو تازہ بہ تازہ کیا جائے گا اور ہر صدی کے اوپر مجدد کا وعدہ کیا گیا ہے، اس امت میں نبی تو نہیں آئے گا کیونکہ نبوت آخری ہے لیکن مجددین آئیں گے، ہر سو برس کے بعد اللہ تعالیٰ مجدد پیدا کرے گا، لوگ اپنی خود رائیوں سے دین میں جو خلط ملط کریں گے کچھ بدعات ملا دیں گے کچھ منکرات، مجدد آکر پھر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دے گا اور پھر از سر نو دین تازہ بہ تازہ ہو جائے گا، اس لئے وعدہ کیا گیا ہے کہ ایک طبقہ ہمیشہ اس امت میں حق پر رہے گا، کبھی حق منقطع نہیں ہو گا، اس سے وہ ایک بیج کی مانند ہو گا، اس میں سے کونپلیں پھوٹیں گی اور نئی شاخیں پھر ابھر آئیں گی اور مجددین آکر دین کی تجدید کریں گے،

اِنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَاْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَهَا دِیْنَهَا

بے شک اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے سرے پر اس امت میں اس شخص کو بھیجے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے گا کہ اللہ تعالیٰ تازہ بہ تازہ کرے گا، اس دین کو ہر صدی پر ہر صدی پر مجدد آئیں گے۔

ہر صدی کے شروع میں مجدد آنے کی حکمت: تو ہر سو برس کے بعد مجدد کا وعدہ اس لیے کیا گیا ہے کہ سو ہی برس ہوتے ہیں ایک نسل کے جب نسل آتی ہے تو نظریات بھی نئے ہوتے ہیں کچھ حالات بھی نئے ہوتے ہیں، زمانے میں کچھ ترقی ہوتی ہے ان ترقیات سے، نئے نئے سوالات پیدا ہوتے ہیں، تو لوگوں میں اشتباہ پیدا ہوتا ہے دین کے بارے میں، مجدد آکر اس قرن کی ضرورت کو سامنے رکھ کر تجدید کرتا ہے تو پھر دین قلوب میں تازہ بہ تازہ ہو جاتا ہے۔

کیونکہ ایک نسل کے آغاز اور ایک نسل کے اختتام کا عمومی اندازہ سو برس ہے، اس لیے سو برس پر مجدد کا وعدہ کیا گیا ہے، اس کا حاصل نکلا کہ ہر سو برس کے بعد ایک قیامت قائم ہوتی ہے، یعنی ایک نسل ختم ہو کر دوسری نسل کے لئے جگہ چھوڑتی ہے، اسے قیامت قرنی کہتے ہیں۔

اور ایک تیسری قیامت ہے جو قیامت کلی ہے کہ پورے عالم پر موت طاری ہو جائے، آسمان سے لے کر زمین پہاڑ حتی کہ ملائکہ علیہم السلام ارواح مقدسہ کوئی چیز باقی نہ رہے اور احدیت مطلقہ کا ظہور ہو صرف ایک اللہ کی ذات قائم ہے تو جیسے اس کا نام واحد ہے کہ وہ ایک ہے، ایسے ہی اس کا نام احد بھی ہے وہ یکتا ہے اور بے مثل و بے مثال تو یکتائی کا ظہور نہیں ہو سکتا، جب تک کہ ہر چیز مٹ کر تنہا ذات واحد نہ رہ جائے۔

عالم دنیا اللہ تعالیٰ کی صفات کے ظہور کے لئے بنایا گیا: یہ عالم اللہ نے بنایا ہے اپنی صفات کے اِظہار کے لئے تو تمام صفات ظاہر ہوں گی رحمانیت بھی ظاہر ہے، غفوریت بھی ظاہر ہے رزاقیت بھی ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت احدیت کے ظہور کے لئے قیامت کا آنا ضروری ہے: احدیت کا کوئی ایسا ظہور کہ کوئی نہ ہو اور وہ ہو یہ جب ہی ہو گا، جب پورے عالم کا نظام ختم کر دیا جائے اور اس کے بعد پھر ایک نظام لایا جائے تو احد کی صفت کے ظہور کے لئے قائم کی گئی ہے تو ایک قیامت شخصی ہوئی ایک قرنی ہوئی اور ایک قیامت کلی ہوئی، دو قیامتیں وہ ہیں جو ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے ہر انسان جب مرتا ہے اس کی قیامت قائم ہو گئی، یہ ہر ایک کی نگاہوں کے سامنے ہے۔

تو جس عالم کے اجزاء پر قیامتیں آرہی ہیں، کیسے ممکن ہے کہ اس کے کل پر قیامت نہ آئے، معلوم ہوتا ہے کہ اس میں فنا کے قبول کرنے کی صلاحیت ہے، جبھی تو ہر جز اس کا موت کی طرف جاتا ہے، اگر اس عالم میں صلاحیت نہ ہوتی موت کے قبول کرنے کی تو ایک فرد بھی اس کا نہ مرتا، ایک جز میں بھی تغیر نہ ہوتا، سارے اجزاء علی حالہ باقی رہتے۔

لیکن جب ایک جزء موت کی طرف جاتا ہے تو مجموعہ بھی یقیناً موت کی طرف جائے گا، ان اجزاء کے مجموعہ کا نام ہی تو عالم ہے، اب انفرادی طور پر یہ اجزاء جتنے ہیں ایک وقت آئے گا مجموعہ مل کر مٹ جائے گا، پورے عالم پر موت طاری ہو جائے گی، جس کے ایک جز میں یہ خاصیت ہے وہ کل کے اندر بھی ہو گی، ورنہ اجزاء میں وہ بات پیدا نہ ہوتی اجزاء میں خاصیت نہ آتی، تو موت شخصی قیامت شخصی ہم روز دیکھتے ہیں ہر فرد پر۔

عالم دنیا کے ہر جز پر موت طاری ہوتی ہے: انسان ہی نہیں جانور بھی مرتے ہیں اور جانور ہی نہیں تمام اجزاء مرتے ہیں ایک پتھر رکھا صحیح سالم وہ ٹوٹ گیا، اس کی ہیئت کذائی مٹ گئی، درخت ہیں ان پر موت طاری ہوتی ہے، بعضے درختوں کی عمر سال بھر ہے جیسے پیپتا سال بھر میں اگا اس کے بعد نئی شاخ پھوٹ آئی، یا کیلا ہے کہ سال بھر رہا اس کے بعد مٹ گیا، بعضے درختوں کی عمر بھی زیادہ ہوتی، بعضوں کی سو سو برس ہوتی ہے۔

تو جس طرح سے بنی آدم میں عمریں مختلف ہیں نباتات میں بھی مختلف ہیں تو نباتات بھی مرتے ہیں جمادات بھی مرتے ہیں، حیوانات بھی مرتے ہیں، انسان بھی مرتے ہیں تو جب اس سارے عالم کے سارے اجزاء موت کو قبول کرتے ہیں تو عقل بتلاتی ہے کہ مجموعہ بھی قبول کرلے گا، اس کے اندر قیامت کے آنے کی صلاحیت موجود ہے، تو جو لوگ روزانہ دیکھتے ہیں قیامت کو آتے ہوئے وہ کیسے انکار کرسکتے ہیں، مجموعہ قیامت کا، یہ تو اپنے مشاہدہ کو جھٹلانا ہے۔

قیامت کا انکار خود اپنے آپ کو جھٹلانا ہے: تو قیامت کا انکار کرنا خود اپنی تکذیب ہے اپنا انکار کرنا ہے، ورنہ جو منکر ہیں قیامت کے انہیں چاہیے کہ وہ مرانہ کریں اور ملک الموت کا مقابلہ کریں اور کہہ دیں کہ ہم میں صلاحیت نہیں ہے موت آنے کی، ہم میں تو ابد الآباد تک رہنے کی صلاحیت ہے لہٰذا ہم مرنا نہیں چاہتے، اگر وہ اس پر قادر ہوتے تو عالم کے بارے میں بھی دعوی کر سکتے تھے، کہ اس عالم پر بھی موت نہیں آئے گی، جب اس کے اجزاء پر نہیں آتی تو کل پر بھی نہیں آئے گی۔ لیکن جب آتی ہے اجزاء پر تو کل پر آنا ممکن ہے، اس واسطے یہ اپنے مشاہدے کی تکذیب ہے اب دوسری چیز یہ ہے کہ قیامت کا مقصد پیش نظر نہیں ان کے جس سے وہ انکار کرتے ہیں۔

قیامت کا مقصد: قیامت کا مقصد یہ ہے کہ پہلی زندگی میں کچھ سامان کیا جائے، تاکہ اگلی زندگی میں کار آمد ثابت ہو، اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس موت کا علم بھی ہو، یہ علم ہونا چاہیے کہ یہ زندگی ختم ہوگی تو آدمی سامان کرے گا اگلی زندگی کا، مثلاً ایک شخص مرتا ہے تو کیا وہ اپنی زندگی میں اس کی فکر نہیں کرتا، کہ میں اپنی اولاد کے لیے کچھ کر جاؤں تاکہ کل کو آنے والے مجھے برا بھلا نہ کہیں، اس واسطے آدمی جائیداد خریدتا ہے تجارتیں قائم کرتا ہے، کمپنیاں بناتا ہے کہ میں ہی نہیں میری اولاد کے بھی کام آئے، اس کو یقین ہے کہ میں گزر جاؤں گا، اس عالم سے تو میری نسل مصیبت میں نہ پڑے۔

احادیث میں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم بجائے اس کے کہ مرتے وقت اولاد کے ہاتھ میں بھیک کا ٹوکرا دے جاؤ، یہ بہتر ہے کہ ایسا سامان کر جاؤ، کہ تمہاری اولاد خوشحالی کے ساتھ زندگی بسر کرے، یعنی تنہا اپنی فکر نہ کرو، بلکہ اپنی اولاد کی بھی فکر کرو، تو اولاد کی فکر آدمی اسی زندگی میں تو کرتا ہے اور کرتا ہے اگلی زندگی کے لئے، تو کیا وہ یہ پوچھا کرتا ہے کہ صاحب پہلے سے بتلا دو کہ کون سی تاریخ میری موت آئے گی، جب میں یہ سامان کروں اولاد کے لیے، وہاں مطلقاً اتنا کافی ہے کہ موت کا علم ہو کہ آئے گی ضرور، کب آئے گی کون سی تاریخ پہ آئے گی یہ ضروری نہیں۔

جب تم اپنی شخصی زندگی کو جانتے ہو کہ ایک زندگی میرے بعد آئے گی، مجھے نیک نامی کا سامان کرنا چاہیے اور اس کے لئے یہ لازم نہیں کہ موت کے وقت کا علم ہو، تو مجموعہ عالم کی موت میں کیوں سوال کرتے ہو، مَتٰی ھٰذَا الوَعدُ کون سی تاریخ کو آئے گی قیامت؟ بھئی جیسے تمہیں شخصی موت کے وقت کا علم نہیں اسی طرح اگر مجموعہ قیامت کا علم بھی نہ ہو دن تاریخ کا تو اس میں کیا نقصان ہے؟ وہاں بھی بلا تاریخ کے علم کے اگلے سامان کرتے رہو، یہاں بھی تم اس زندگی کے بعد اگلی زندگی کا سامان کرو۔

قیامت کے دن کے لیے وہاں تاریخ نہیں پوچھتے یہاں کیوں پوچھتے ہو؟ وہاں کیوں نہیں کہتے کہ صاحب موت کب آئے گی پہلے مجھے یہ علم ہو کہ جنوری کی فلاں تاریخ میں میرا انتقال ہو گا، جب تو میں اپنی اولاد کے لئے کچھ آئندہ کا سامان کروں، اور اگر یہ علم ہی نہ ہو مرنے دو اولاد کو بھی جانے دو، جب وہاں سوال نہیں کرتے یہاں بھی سوال نہیں کرنے چاہئیں۔

اسی طرح سے قرنی قیامت قائم ہوتی ہے ایک نسل ختم ہوتی ہے، دوسری نسل آتی ہے یہ نسل بھی تو سامان کرتے رہے گی، کہ ہماری اگلی نسلیں ٹھیک رہیں، اگر کسی نسل میں حکومت ہے تو وہ اپنے دم بھر صحیح حکومت کرے گی، کہ میرے خاندان میں باقی رہے یہ حکومت میری قوم میں باقی رہے، دوسری قوم اس پر غالب نہ آئے، تو کیا وہ یہ پوچھا کرتی ہے کہ ایک صدی کی کون سی تاریخ کون سے منٹ میں یہ تاریخ ختم ہو گی جب تو ہم سامان کریں اگلی نسل کے لیے۔

اور جب معلوم نہ ہو تاریخ تو کوئی اس کی فکر نہیں کرتا، اسے اتنا معلوم ہے کہ سو برس میں اندازاً ایک نسل گزر جائے گی، وہاں وہ کبھی نہیں پوچھتے مَتٰی ھٰذَا الوَعدُ یہ کب کو آئے گی؟ کون سی تاریخ ہو گی؟ جب وہاں بلا تاریخ کے علم کے اگلی نسلوں کا بندوبست کرتے ہو تو یہاں بلا علم تاریخ کے کیوں نہیں کرتے قیامت کا بندوبست قیامت کے بعد کی زندگی کی فکر کیوں نہیں کرتے۔

معلوم ہوا کہ تمہارا سوال مہمل ہے، محض ٹال مٹول کے لیے سوال کر رہے ہو، کوئی معقول سوال نہیں ہے اگر معقول ہوتا تو شخصی موت میں بھی سوال کرتے اور قرنی موت میں بھی یہ سوال

کرتے لیکن وہاں نہیں کرتے اسے غیر معقول جانتے ہو، تو کلی قیامت میں اس سوال کو کوئی تم نے معقول سمجھا؟ یہاں بھی غیر معقول تو اصل میں قیامت کے مقصد کا علم نہیں ہے مقصد یہ ہے کہ اس زندگی میں کچھ کر جاؤ تاکہ اگلی زندگی میں کام آجائے، یہ ایک مقصد ہے، یہ شخصی قیامت میں بھی ہے، قرنی قیامت میں بھی ہے، کلی قیامت بھی ہے، تو یا تو اس کا علم نہیں، یا جان بوجھ کر اپنے کو جاہل بنا رکھا ہے، ٹال مٹول کر کے دعوے کو رد کرتا ہے، اس واسطے سوال کرتے ہو تو یہ حاصل نکلا کہ قیامت کا آنا یہ آنکھوں دیکھی چیز ہے، روزانہ قیامتیں آنکھوں سے دیکھتے ہیں جب مشاہدہ ہے تو انکار کرنا اس کو جھٹلانا ہے۔

اپنے مشاہدہ کی تکذیب وہ خدا کی تکذیب نہیں اللہ کا وعدہ اپنی جگہ سچا ہے وہ اس درجے کا ہے ہی نہیں کہ کوئی اس کو جھٹلا سکے، اسے جھٹلانے والا اپنے کو جھٹلا رہا ہے، جیسے ایک موقع پر فرمایا اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ یہ جو اللہ کو جھٹلا رہے ہیں، درحقیقت اپنے نفس کو جھٹلا رہے ہیں اپنے کو دھوکے میں ڈال رہے ہیں، تو مشاہدہ کا انکار خود اپنا انکار ہے، جب آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ قیامت روزانہ ہیں، تو پھر قیامت کا انکار وہ اپنے مشاہدے کی تکذیب ہے اور اپنی آنکھوں دیکھی بات کو جھٹلانا یہ اپنے کو جھٹلانا ہے خدا کو جھٹلانا نہیں وہ بری ہے اس سے کہ کوئی اس کو جھٹلائے، تو یہ ہے مشاہدہ۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ قیامت آنی چاہیے: اور جہاں تک عقل کا تعلق ہے تو عقل بھی اس کی مؤید ہے کہ قیامت آنی چاہیے، عقل خود شاہد ہے، اس واسطے کہ یہ ایک عقلی قاعدہ ہے کہ جو چیز مخلوط ہوتی ہے، چند اجزاء سے جب تک کہ اسے توڑ کر اجزاء الگ الگ نہ نکالے جائیں، وہ نفع بخش ثابت نہیں ہوتی، مثال اس کی ہے کھیتی، ایک کسان نے کھیتی بوئی جو، اور چھ مہینے کے بعد کھیتی لہلہا اٹھی، آنکھیں بھی اس کو دیکھ رہی ہیں، اور کاشتکار کا دل بھی خوش ہے، کہ اب میرے لیے موقع آگیا ہے، میرا گھر بھرے گا، بہت خوش لیکن جب کھیتی پک گئی دانے پختہ ہوگئے، تو وہی کسان جس نے خون پسینہ ایک رنگ کر کے اس کھیتی کو پروان چڑھایا تھا، درانتی لے کر خود ہی اسے کاٹنا شروع کر دیا اور ساری کھیتی کو

اجاڑ کر رکھ دیا کاٹ ڈالا، پھر اسی پر بس نہ کی، کہ کھیتی کاٹ دی ہو، کھیتی کاٹ کر کھلیان میں جمع کیا اور اس کے بعد بیل چلا کر اسے چکنا چور کرنا شروع کیا، ریزہ ریزہ کر دیا، پھر اسی پر بس نہیں کرتے کسان کاٹنے کے بعد خود اپنے پیروں سے نہیں بلکہ بیلوں کے پیروں سے روندوایا اس کے بعد تھال میں لے کر اڑاتے ہیں، جو ساری بکھر کر الگ الگ ہو جائے۔

اگر کوئی کاشتکاریوں کہے کہ بیوقوف، چھے مہینے کی خون پسینے کی کمائی تیری تو نے ہی اسے آباد کیا تھا، پروان چڑھایا تھا اور بیوقوف اپنے ہی ہاتھ سے اجاڑ دیا اس کو، یہ تو نے بڑی غلطی کی، غیر معقول بات کی، اپنی پروان چڑھائی ہوئی کھیتی کو کاٹ ڈالا ریزہ ریزہ اور چکنا چور کر دیا، تو وہ یہ کہے گا کہ بیوقوف تم ہو سوال کرنے والے، میں نے عقل مندی سے کام لیا اور اس لیے کہ میری کھیتی میں بھوسہ اور جو مخلوط تھے، بھوسہ غذا ہے بیلوں کی اور جو غذا ہے انسانوں کی جب تک میں اسے کاٹ کر چکنا چور نہ کروں بھوسہ الگ نہیں ہو سکتا تھا دانے سے، جب میں نے الگ کر دیا بھوسہ تو گیا جانوروں کے پیٹ میں اور دانہ گیا انسانوں کے پیٹ میں، اپنے اپنے ٹھکانے پر ہر چیز پہنچ گئی، مجموعی کھیتی اگر نہ توڑی جاتی نہ چکنا چور کی جاتی تو ہر ایک کو اپنی اپنی غذا نہیں مل سکتی تھی یہ جواب معقول ہو گا اس کا سوال نامعقول ہو گا۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے: فرماتے ہیں اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ یہ دنیا کھیتی ہے آخرت کی اس میں کفر اور اسلام حق اور باطل سچ اور جھوٹ سب رلا ملا چل رہا ہے دونوں چیزیں الگ الگ ہیں ایک دوسرے کے منافی ہیں مگر یہاں رلی ملی چل رہی ہیں، ایک حقانی دلائل پیش کرتا ہے ایک باطل پسند کچھ طمع سازی کر کے حق کو باطل میں ملا کر پیش کر دیتا ہے وہی اپنے باطل کو حق ثابت کر رہا ہے بہت لوگ جو زیرک ہیں دانش مند ہیں وہ تو اصلیت کا پتہ لگا لیتے ہیں مگر ہزاروں بہک بھی جاتے ہیں۔

پھر دلائل کو ایسی ملمع سازی سے پیش کریں گے لوگ کہ اہل حق تو بے چارے بیٹھے رہ جائیں گے اور باطل کو فروغ ہو جائے گا، تو دنیا میں حق اور باطل سچ اور جھوٹ اخلاص اور انفاق کفر اور اسلام

سب خلط ملط چل رہا ہے اور ہر ایک داعی ہے کہ میں حق پر ہوں، الگ نہیں کہ دودھ الگ ہو پانی الگ ہو، عقل لڑا کر غور کرو تو الگ ہوتا ہے ورنہ دیکھنے میں بالکل یکساں ہیں ہیرا بھی یکساں ہے اور کنچ کا ٹکڑا بھی یکساں ہے اب جوہری تو کم ہوتے ہیں جو ہیرے کو الگ کر دیں اور کنچ کے ٹکڑوں کو الگ، سارے تو جوہری نہیں، وہ کہیں گے بھئی یہ جو نقلی ہے یہ بھی وہی ہے اصلی ہے وہ بھی وہی ہے ہمیں تو کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔

تو دنیا میں دونوں چیزیں چل رہی ہیں خلط ملط ، حق تعالیٰ نے اس دنیا کی کھیتی کو پروان چڑھایا ہزاروں ہزار سال سے اس کو پانی دیا، سینچا لہلہا اٹھی اور قیامت کے دن اپنے ہی ہاتھوں سے سب کچھ چکنا چور کر کے تباہ و برباد کر دیں گے۔ آسمان نیچے گر پڑے گا۔

چاند سورج کے ٹکڑے ، زمین کے ٹکڑے پانی مٹی یہ سب گڈمڈ ہو کر خلط ملط ہو جائے گا، اگر کوئی حق تعالیٰ سے سوال کرے کہ آپ ہی نے تو اس کھیتی کو پروان چڑھایا تھا، ہزار برس آپ کی قدرت نے اسے سینچا اور بنایا اور اپنے ہی ہاتھوں اجاڑ دیا، فرمائیں گے اس میں کفر اور اسلام، باطل ملا ہوا تھا، اس میں حق اور حقانی لوگ یہ غذا ہیں جنت کی اور کفر اور کفر والے لوگ یہ غذا ہیں جہنم کی، جب تک اس کھیتی کو کاٹ کر اجزاء الگ الگ نہ کر دیئے جائیں تو جنت کی غذا الگ نہیں ہو سکتی، جہنم کی غذا بھی الگ نہیں ہو سکتی تھی، تو میں نے اسے پروان چڑھایا تا کہ پک جائے، پکنے کے بعد اب اسے غذا دینی ہے جنت اپنی غذا مانگ رہی ہے، تو اسلام اور صاحب اسلام اسے دیئے جائیں گے اور کفر اور صاحب کفر جہنم کو دیئے جائیں گے، کھیتی اگر یونہی برقرار رہتی تو جنت بھی خالی رہتی، جہنم بھی خالی رہتی۔

حالانکہ اس عالم کو بھی بھرنا ہے تو آج جنت بھی خالی اور جہنم بھی خالی مگر دونوں مانگ رہے ہیں کہ میری غذا دیجئے، جنت بھی رات دن سوال کر رہی ہے، کہ مجھ میں بھیجئے لوگ اور، وعدہ ہے اللہ کا کہ ہم بھر دیں گے اور جہنم بھی پکار رہی ہے، کہ مجھے بھر دیجئے اور اللہ کا وعدہ ہے کہ ہاں بھریں گے۔

لیکن ذرا بھوک کو کامل ہونے دو، ایک وقت گذر جائے، جب تکمیل کو پہنچ جائے گی بھوک، تب غذا دیں گے، تاکہ تمہارے اندر سرور پیدا ہو بلا بھوک کے اگر کھالیا، تو وہ ہضم نہیں ہو گا اور اس کے لطف بھی محسوس نہیں ہوں گے، جب معدہ پوری طرح کامل بن جائے اور بروقت غذا دی جائے، تو کاذب ہو مانگتا رہے معدہ اور بھرتے رہیں تو بیماریاں پیدا ہوں گی، تو کامل بھوک کے وقت جو چیز دی جاتی ہے وہ پچتی بھی ہے، کھپتی بھی ہے اور مسرت کا باعث ہوتی ہے اس کے لیے ہم نے وقت رکھا ہے، اس وقت اس کھیتی کو کاٹ کر چکنا چور کر کے دانہ الگ کر دیں گے اور بھوسہ الگ کر دیں گے، بھوسہ جائے گا جہنم میں، دانہ چلا جائے گا جنت میں۔

اس جہاں میں دانہ ہے حق اور اہل حق اور بھوسہ ہے کفر اور اہل کفر وہ جہنم کی غذا ہیں، یہ جنت کی غذا ہے تو جس طرح سے روزانہ ایک کاشتکار اپنی کھیتی کو ہر چھٹے مہینے پامال کرتا ہے تاکہ غذا الگ الگ کرے، حق تعالیٰ شانہ اس پورے عالم کی کھیتی کو ایک دن چکنا چور کر کے اجزاء الگ الگ کر دیں گے، تو ظاہر بات ہے کہ قیامت کا ماننا گویا عقلاً ضروری ہے، عقل خود کہتی ہے کہ ایک عالم آنا چاہیے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ ہو کر نکھر جائے، اسی کا نام قیامت ہے۔

قیامت تخریب کا نام نہیں تعمیر کا نام ہے : قیامت تخریب کا نام نہیں کہ عالم کو اجاڑ دو تعمیر کا نام ہے، بس اتنا ہے کہ اگر کسی پرانے مکان کی جگہ آپ نیا مکان بنانا چاہیں تو قاعدہ ہے کہ اسے ڈھا کر جو اچھے اجزاء ہیں وہ لے لیتے ہیں اور بقیہ پھینک دیتے ہیں اور نئی تعمیر کرتے ہیں کوٹھی دار پرانے اجزاء پھینک دیتے ہیں اور کار آمد ملبہ اور میٹریل لے کر نئی تعمیر بناتے ہیں۔

تو قیامت در حقیقت ایک نئے عالم کی تعمیر کا نام ہے مگر وہ بن نہیں سکتا جب تک کہ اس پرانے عالم کو ڈھانہ دیا جائے اور ڈھانے کے بعد جو میٹریل عمدہ اور مضبوط ہے وہ تو ادھر لے لیں گے اور جو خراب اور خستہ ہے اسے پرے پھینک دیں گے، اس طرح سے ایک نئے عالم کی تعمیر ہو گی۔

تو قیامت در حقیقت تعمیر کا نام ہے، تخریب کا نام نہیں ہے مگر تعمیر نہیں ہوتی جب تک کہ ڈھانہ دیا جائے پرانی عمارتوں کو اس وقت تک جگہ خالی نہیں ہوتی اور نیا عالم نہیں بنتا، تو اب جب قیامت کا مقصد واضح ہو گیا، کہ پرانی چیزوں کو ختم کر کے نئے عالم کی تعمیر ہو اور اس پرانے میں بھی دودھ الگ کر دیا جائے اور پانی الگ، دانہ الگ اور بھوسہ الگ، اس کیلئے لازمی ہے کہ اس کی تخریب کر کے چکنا چور کرو، پھر نئے عالم کو بساؤ، یہ ایک ایسی معقول چیز ہے کہ دنیا میں کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا اور جب یہ معقول ہے تو قیامت کا آنا کیوں غیر معقول ہے اور جب وہ غیر معقول نہیں ہے تو یہ سوال کیسا کہ مَتٰی هٰذَا الوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ صاحب وہ کب کو آئے گی قیامت؟ یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے ایک کاشتکار نے بیج بویا اور کونپلیں نکل آئیں اور اس نے کہا کہ مجھے توقع ہے کہ اس کھیتی میں دانہ لگے گا اور ہزاروں روپے ہوں گے۔

دوسرا جھٹلا دیتا ہے، کہ دانہ دے کیوں نہیں دیتا نکال؟ یعنی آج کھیتی بوئی ہے اور کل کو وہ کہے گا کہ لے آنا وہ دانہ کہاں ہے؟ اور اگر نہیں لاتا تو یہ جھوٹ موٹ باتیں کر رہا ہے تو کاشت کار کہے گا کہ یہ احمق ہے، بس اس نے دانہ کا نام سن کر آج ہی مانگنا شروع کر دیا ہے کہ اگر تو سچا ہے تو لے آنا حالانکہ آج ہی تو کونپل نکلی ہے اور کونپل نکلے گی، چار مہینے میں ذرا بڑا ہو گا اور کوئی یوں کہے کہ لاؤ نا بھئی کہاں ہے وہ دانہ؟ تو کہے گا احمق ذرا ٹھہر جا تھوڑے دن یہ تو طبعی رفتار ہے چھ مہینے میں دانہ پختہ ہوتا ہے۔ اس سے پہلے نہیں ہوتا، تو جو اس چھ مہینے کو نہ مانے اور دو ہی میں مطالبہ کرنے لگے کہ اگر تو سچا ہے تو دکھلا وہ دانہ، وہی کفار کی مثال ہے کہ قیامت اپنے وقت پر آئے گی۔

انہوں نے جھٹلا کے کہا کہ صاحب آنی ہے تو آج ہی کیوں نہیں آجاتی؟ تو معلوم ہوا کہ یہ سوال بالکل غیر معقول ہے اور جہالت پر مبنی ہے معقول پسندی پر مبنی نہیں، صرف ڈھنگا ڈھانگی ہے ہٹ دھرمی ہے کہ ماننا نہیں ہے پیغمبر کی بات صرف ادھر ادھر کے سوالات میں الجھا دو، لیکن اللہ کے معاملات میں الجھاوا چلتا نہیں، فوراً دودھ الگ ہو جاتا ہے اور پانی الگ۔ (معارف حکیم الاسلام)

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۫ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ: سورۃ الملک کی آیت مبارکہ ۲۵ میں حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمۃ اللہ کی علمی، عقلی اور دلپذیر تقریر مطالعہ میں آگئی تو اس کے ساتھ ملتی جلتی دلچسپ تقریر آیت ۲۶ کے ذیل میں بھی فرمائی، جو پیش خدمت ہے، حضرت حکیم الاسلام فرماتے ہیں کہ "دین اسلام دین فطرت ہے، اس لیے کہ دین فطرت کا دین ہے اس کی تمام کی تمام منقول چیزیں معقول بھی ہیں، جب عقل اور نقل سے ثابت ہو تو دوسرا مجبور ہو کر چپ ہو گا اور نامعقول ہی اس کا قائل ہو گا، تو قرآن کریم میں پہلے تو ان کا سوال نقل کیا ہے يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ کہتے ہیں وہ کہنے والے کہ صاحب وہ کب آئے گی قیامت ؟اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو تو بتلاؤناں کب کو آئے گی قیامت ؟ کوئی تاریخ بتلاؤ یا آج ہی لے آؤ اس قیامت کو، حق تعالیٰ نے ان کو دفع کرنے کے لئے جواب دیا کہ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ اے پیغمبر آپ ﷺ فرما دیجئے بھئی مجھے کچھ خبر نہیں کہ کب آئے گی قیامت میں تو اتنا جانتا ہوں کہ آئے گی، کب آئے گی ؟ کون سی تاریخ کو آئے گی ؟ تو یہ علم اللہ کو ہے مجھے نہیں۔

قیامت کی تاریخ کا علم نہ ہونا ہی مصلحت ہے: اور اس کی ضرورت بھی نہیں اس واسطے کہ اگر قیامت کا علم دے دیا جاتا کہ دس ہزار برس کے بعد آئے گی تو جتنی نسلیں اس سے پہلے تھیں وہ تو مطمئن ہو کر بیٹھ جاتیں کہ بھئی ہمارے اوپر تو نہیں آئے گی قیامت جن پر آئے گی وہ بھگت لیں، لہٰذا ہم تو آزاد ہیں جو چاہے کریں حرام ہو حلال ہو، جائز ہو یا ناجائز ہو۔

پھر اس درجہ ڈھٹائی میں مبتلا ہوتے کہ پھر کسی کو ہوش نہ ہوتا عمل صالح انجام دینے کا، سوائے اس کے کچھ فکر اس نسل کو ہو شاید جس کے اوپر قیامت آتی تو ایک تو اس میں یہ مضرت تھی کہ قیامت کی تاریخ بتلا دینے میں جو لوگ تاریخ سے بعید لوگ تھے وہ بے فکر ہو کر دنیا کی زندگی کو تباہ کر لیتے اور عمل صالح کی انہیں توفیق نہ ہوتی لیکن جب ان کو اتنا علم ہے کہ آئے گی، تاریخ کا علم نہیں، تو ہر وقت ایک ہی خطرہ لگا ہوا ہے کہ معلوم نہیں کہ کب قائم ہو جائے قیامت اور جب قیامت آنے

والی ہے تو بھئی اپنی زندگی کو درست کرلو اس کی فکر کرلو، اس کے لیے کچھ سامان کرو، تو علم نہ دینے کے اندر ہی مصلحت ہے، کہ انسان آمادہ رہے نیکی کرنے میں، علم ہو جانے کے بعد نیکی چھوڑ دیتا یا اتنا خائف ہوتا کہ نیکی سے معطل ہو جاتا۔

انسان کو اس کے مرنے کی تاریخ نہ دینے میں بھی بڑی مصلحت ہے: حق تعالیٰ کی بڑی حکمت اور مصلحت ہے کہ کسی کو اس کی موت کا علم نہیں دیا۔ کسی نفس کو یہ پتہ نہیں ہے کہ میں کب مروں گا اور کہاں انتقال کروں گا، اس میں بڑی مصلحت یہ ہے کہ اگر ہر انسان کو مطلع کر دیا جاتا، کہ تیری عمر ساٹھ برس کی ہے تو اول تو اس کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہر روز گنتا کہ آج ایک دن کم ہو گیا آج دو دن کم ہو گئے، پھر نہ نیکی کرتا نہ بدی کرتا وہ تو ہر وقت لرزتا کانپتا رہتا اور زندگی اس کی اجیرن ہو جاتی، نہ کھانے میں لطف نہ پینے میں لطف۔

تو جب سارے ہی انسان ایسے ہو جاتے تو نظام عالم تباہ ہو جاتا، نہ ترقی کی سوجھتی نہ تمدن کی سوجھتی نہ دنیا کو آباد کرنے کی سوجھتی، بس ہر شخص بیٹھا کانپتا رہتا، لرزتا رہتا، کسی کے پاس جاتے کہ بھئی کیوں کانپ رہے ہو؟ کہ جی میری عمر کے ایک سو انچاس دن رہ گئے ہیں۔

دوسرا کہتا کہ میرے تو چالیس ہی رہ گئے ہیں، تیسرا کہتا میرے تیس ہی رہ گئے ہیں تو ایک دوسرے سے رونا رو کر گزارتے، نہ عمل ہوتا نہ دنیا آباد ہوتی اور منشا خداوندی ہے کہ دنیا کا نظام بھی چلے اور دنیا سے تمدن بھی چلے، اس تمدن میں رہ کر ہی تم دنیا بنا سکتے ہو، اس لیے دنیا کی آبادی ضروری ہے اور وہ ہو نہیں سکتی تھی جب تک کہ موت کے وقت سے تمہیں غافل نہ بنا دیا جائے۔

یہ علم تو ہے کہ آنے والی ہے، یہ نہ ہو کہ کب آنے والی ہے، تم سے وقت کا اور تاریخ کا چھپانا ہی مصلحت ہے، اسی طرح سے قیامت کلی کے وقت کو چھپانا ہی مصلحت تھا، اتنا علم دے دیا جانا ضروری تھا، کہ آئے گی قیامت اور یہ جہاں ایک دن ختم ہو جائے گا، تو جتنا علم دیا وہ بھی معقول اور جتنا نہیں دیا وہ بھی معقول۔

اور ظاہر بات ہے کہ معقول کا انکار وہ اپنی عقل کا بھی انکار ہے، وہ اپنے ہی کو جھٹلانا ہے، وہ حق تعالیٰ کی تکذیب نہیں بلکہ اپنی تکذیب ہے وہ تو بری ہے تکذیب سے اس کا ہر دعوی سچا ہے، تو اپنے کو جھٹلا رہا ہے آدمی جبکہ ایک معقول چیز کو جھٹلا رہا ہے اس واسطے فرمایا قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ بھئی کب آئے گی اس کا علم اللہ کے پاس ہے، جب پیغمبروں کو بھی خبر نہیں دی گئی اس کی، میری اور آپ کی کیا حقیقت کہ ہمیں اس کا علم دیا جائے۔

وَاِنَّمَا اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ: علم اللہ کے پاس ہے میں تو ڈرانے والا ہوں اتنا علم مجھے دیا گیا ہے کہ آئے گی قیامت تو اسے پیش کر کے میں تمہیں ڈرا رہا ہوں۔ کہ جب آنے والی ہے تو کچھ سامان کر لو اس کے لیے۔ (معارف حکیم الاسلام)

جہاں جتنا رہنا ہے اتنا ہی سامان اس کے لیے کرنا چاہیے: جیسے کہ حدیث میں ارشاد فرمایا کیا ہے کہ دنیا کے لیے اتنا سامان کرو جتنا تمہیں دنیا میں رہنا ہے آخرت کے لیے اتنا سامان کرو جتنا تمہیں آخرت میں رہنا ہے، دنیا میں رہنا ہے چند دن۔

یہاں تھوڑا بھی کافی ہے آخرت میں رہنا ہے ابد الاباد تک تو وہاں کے لیے لمبا سامان کرنا چاہیے، انسانوں نے الٹا کر دیا ہے کہ جہاں چند دن رہنا ہے وہاں کے سارے سامان کر رہے ہیں تو یہ عقل کی گمراہی ہے، عقل کا کھوٹ ہے، ہونا چاہیے تھا برابر تو آپ نے فرما دیا کہ علم تو اللہ کے پاس ہے کہ تاریخ کون سی ہے قیامت کی میں تو ایک کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں، اس لیے کہ مجھے آنے کا علم دیا گیا ہے وہ علم میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں اور وہی علم مصلحت بھی ہے تاریخ اور وقت کا علم مصلحت نہیں تمہارے لیے۔ (معارف حکیم الاسلام)

عذاب قیامت چہرے بگاڑ دے گا

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے، نیز یہ بتائیے کہ کفار کیا چیز دیکھیں گے کہ تو ان کے چہرے

بگڑ جائیں گے ؟

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ {۲۷} الملک

جواب ترجمہ: پھر جب وہ اس (قیامت کے عذاب) کو پاس آتا دیکھ لیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے، اور کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ چیز جو تم مانگا کرتے تھے۔

حضرت حکیم الاسلام قاری طیب رحمہ اللہ اس آیت کے معارف میں فرماتے ہیں، تم کیا سمجھتے ہو قیامت کو جب آئے گی قریب تو حلیے بگڑ جائیں گے، تمہارے منہ سیاہ ہو جائیں گے، تمہارے کفار کو خطاب کیا جارہا ہے کہ بڑی آسانی سے تم مانگ رہے ہو آجائے قیامت، جب وہ آئے گی تو کیا حال ہو گا تمہارا، یہ تھوڑا ہی ہو گا جیسے آج مگن بیٹھے ہوئے کہہ رہے ہو کہ صاحب لے آؤ قیامت کو کہ جب آئے گی تو چہرے بگڑ جائیں گے حلیے بگڑ جائیں گے اور وہ آئے گی، یہ نہیں کہ بڑے مقدمات اس کے چلیں گے چھ مہینے پہلے کچھ اطلاعات دی جائیں اور چھ مہینے پہلے کچھ گڑ گڑاہٹ ہو۔

قیامت پل پھر میں قائم ہو جائیگی: قیامت کا آنا لمحہ بصر جیسے نگاہ جھپکتی ہے اتنے میں آجائیگی کوئی پتہ پہلے سے نہیں ہو گا حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ دو آدمی کپڑا سکھا رہے ہوں گے رنگ ریز، ایک پلہ ایک کے ہاتھ میں ہو گا ایک پلہ دوسرے کے ہاتھ میں وہ اسے سکھا رہے ہوں گے کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے گی، حدیث میں ہے کہ ایک عورت آٹا گوندھ رہی ہو گی گھر میں بیٹھی ہوئی اس کا ہاتھ آٹے میں ہو گا کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے گی پل بھر میں قائم ہو گی۔

صور کی کیفیت: صور جب پھونکا جائے گا جو عالم کی تباہی کا سبب ہو گا ابتداءً بہت ہلکی آواز ہو گی کسی کو وہم بھی نہیں گزرے گا کہیں سے کوئی چیز ہے کوئی باجا ہے کوئی چیز ہے بج رہی ہے رفتہ رفتہ بڑھنا شروع ہو گی جب آواز ذرا بڑھے گی تو اب لوگ چونکیں گے کہ یہ کیا چیز ہے رفتہ رفتہ بڑھتی جارہی ہے تو ادھر ادھر دیکھیں گے پھر کچھ کام میں لگ جائیں گے اس کے بعد اس میں درد کی سی آواز پیدا

ہو گی تو اب حیران ہوں گے پریشان ہونگے درد بیک دم ہوتا ہے یہ تدریجی طور پر بڑھتا جارہا ہے جب زیادہ درد ہو گی تو اب اضطراب اور بے چینی پیدا ہو گی جنگلوں سے گھروں میں آئیں گے گھروں سے جنگلوں میں جائیں گے جانور انسان میں انسان جانوروں میں کوئی کسی کو اپنی حالت کی خبر نہ ہو گی اور اس کے بعد جب وہ انتہائی بڑھے گی۔

حدیث میں ہے کہ جیسے سو گرجوں کے برابر ایک گرج ہوتی ہے مسلسل، تو پھر کلیجے پھٹنے شروع ہوں گے، گرنے شروع ہوں گے اور یہاں تک تو جانیں جائیں گی جب زیادہ بڑھے گی آواز تو پہاڑ پھٹنے شروع ہو جائیں گے سب چیزیں ریزہ ریزہ ہو کر گڈمڈ ہو جائیں گی دنیا میں جب کوئی بم پھٹتا ہے تو دیواریں ہلتی معلوم ہوتی ہیں اور کھڑکیوں کے کواڑ ٹوٹ جاتے ہیں انسان بعضے بے ہوش ہو جاتے ہیں تو اس کی بناء یہ ہے کہ اصل میں روح جو ہے یہ اللہ نے پیدا کی ہے قوت ہوائی اور آواز جو ہے یہ بھی ہوائی، یہ سانس زیادہ نکلتا ہے وہی آواز کہلاتی ہے تو سانس کے ٹھونکے کا نام آواز ہے ظاہر ہے کہ جب آواز اور ہوا زیادہ گرجتی ہو گی تو وہ جذب کرے گی چھوٹی ہوا کو تو یہ ارواح چونکہ ہوا سے پیدا کی گئی ہیں جب اصل مادہ زوروں پر آئے گا اور وہ ہے آواز اور وہ ہوا ہے تو روحوں کو جذب کرنا شروع کرے گی روحیں ہلنی شروع ہوں گی تو غرض قیامت ہو گی صور پھونکنے سے۔ (معارف حکیم الاسلام)

صور بتدریج پھونکا جائے گا: اور صور بتدریج پھونکے گا تو جب وہ پھونکا جانا شروع ہو گا اور آواز آئے گی تو یہ نہیں کہ پہلے سے کچھ اطلاعات ہوں یا پہلے خطرات ہوں گے تو وہ پل بھر میں قائم ہو جائے گی، جتنی دیر میں نگاہ جھپکاتے ہو بلکہ اس سے بھی کم میں ایک دم اچانک آجائے گی جیسے موت انسان کی اچانک ہی آتی ہے یہ تھوڑا ہی ہے کہ پہلے سے اطلاعات دی جائیں بیمار بھی اگر آدمی ہوتا ہے تو یہ اس کو اندازہ نہیں ہوتا کہ اگلے منٹ میں آجائے گی موت، چل رہا ہے بیماری جب آتی ہے تو ایک دم نزع شروع ہو گیا لوگ بھی سمجھ گئے کہ مرنے کا وقت آگیا تو شخصی قیامت بھی اچانک ہی آتی ہے کلی قیامت بھی اچانک ہی آئے گی۔

اس کا علم دے دیا گیا تو فرمایا اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَاللّٰهِ اس کی دن تاریخ کا علم تو اللہ کو ہے ہمیں نہیں ہے ہمیں تو اتنا علم ہے کہ آئے گی اور وہی کافی ہے ہمارے عمل کیلئے وانما انا نذیر مبین اور تم جو سہولت سے کہہ رہے ہو کہ لے آؤ اس قیامت کو تو فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سِيئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا جب وہ آجائیگی اچانک تو تمہارے حلیے بگڑ جائیں گے، چہرے بگڑ جائیں گے، تم اس حالت میں نہیں ہوگے جس حالت میں آج ہو کہ سہولت سے مانگ رہے ہو قیامت کو، تم سمجھ نہیں رہے کہ ہے کیا قیامت؟ اس واسطے بڑے اطمینان سے مانگ رہے ہو جیسے آدمی گھبرا کر بعض اوقات کسی مصیبت سے تنگ آکر موت کی دعا کرنے لگتا ہے تو یہی جواب اس کا ہوتا ہے کہ بیوقوف پتہ نہیں کہ موت کیا چیز ہے وہ یوں سمجھ رہا ہے کہ یہ مصیبت تو ہے بہت بڑی اور موت بڑی معمولی چیز موت آجائے گی تو مصیبت ٹل جائے گی۔

موت سب مصیبتوں کا پیش خیمہ ہے: موت تو سب مصیبتوں کا پیش خیمہ ہے سب سے بڑھ کر صیبت ہے یہ تیری حماقت اور غلطی ہے کہ اس مصیبت سے تنگ آکر موت مانگ رہا ہے وہ کسی شاعر نے کہا ہے ناں کہ

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے اور مر کے بھی چین نہ آیا تو کدھر جائیں گے

تو یہ سمجھ لینا کہ موت ہلکی چیز ہے یہ دنیا کی مصیبتیں بڑی ہیں یہ غلط ہے یہ ساری مصیبتیں اولین آخرین کی جمع کر دی جائیں تب ایک موت بنتی ہے تو موت سرچشمہ ہے سارے مصائب کا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا موت کی کیفیت کے بارے میں سوال: حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام نے ملک الموت سے پوچھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا ملک الموت سے کہ موت کی کیا کیفیت ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں کیفیت بتلاؤں جو جس پر گزرے گی وہ جانے گا مگر میں ایک مثال کے ذریعے کچھ فہم کے قریب کر دوں گا کیفیت نہیں سمجھا سکتا وہ تو گزرنے کی چیز ہے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ سمجھو انسان کے بدن میں تار ڈالا جائے، ایڑی سے لے کر چوٹی تک اور

جتنی رگیں اور ہڈیاں ہیں اتنی شاخیں ہوں اس تار میں اور ہر ہر شاخ ہر ہر رگ میں پیوست کی جائے اور ان شاخوں میں کانٹے بھی ہوں لوہے کے وہ کانٹوں دار تار ہر ہر رگ کے اندر پیوست ہو تو اب گویا ایک تار انسان کے اندر گیا ہوا ہے اور اتنی شاخیں ہیں جتنی رگیں ہیں پٹھے ہیں اور ہر تار میں ہر شاخ میں کانٹے ہیں اور وہ پھٹ گیا اس کے بعد اس کو کھینچنا شروع کرو تو یوں معلوم ہو گا کہ رگ رگ درد سے بھرپور ہے اور گویا ساری رگیں کھنچ آئیں گی اوپر، فرمایا کہ یہ ادنی سی مثال ہے موت کی اور جان کنی کی کہ جیسے رگ رگ کے اندر کانٹوں دار تار ڈال کر اسے کھینچا جائے اوپر تو جو اذیت اس وقت محسوس کر سکتا ہے آدمی وہ ادنی سی مثال ہے موت کی اذیت کی تو موت کوئی آسان چیز تھوڑا ہی ہے کہ ذرا سی مصیبت میں گھبرا کر مانگنے لگے موت کوئی آسان بات نہیں ہے عظیم چیز ہے۔

مومن و کافر کی روح قبض کرتے وقت ملک الموت کی صورت: حدیث میں فرمایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا ملک الموت سے کہ تم کس شکل میں آکر روح قبض کرتے ہو۔ فرمایا کہ مومن کے آگے تو نہایت اعلیٰ اور باجمال صورت ہے اس میں میں آتا ہوں اس سے بڑھ کر جمال نہیں ہو سکتا اور کفار کے آگے انتہائی بھیانک شکل میں آتا ہوں کہ جس سے بڑھ کر ڈراؤنی صورت نہیں ہو سکتی کہا مجھے دکھلا دو وہ صورت، کہا کہ آپ تحمل نہیں کر سکیں گے مگر اصرار کیا۔

تو حدیث میں ہے کہ اس شکل میں آئے جس سے مومن کی روح قبض کرتے ہیں ابراہیم علیہ السلام نے کہا اگر اللہ کوئی بھی نعمت نہ دے مومن کو صرف یہ شکل دکھلا دے تمہاری تو ساری نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہے اس کو دیکھ کر قلب میں فرحت اور سرور بڑھ جاتا ہے اس کے بعد کہا کہ اب وہ شکل بھی دکھلاؤ کہا آپ تحمل نہیں کریں گے کہا نہیں دکھلاؤ اس شکل میں آئے تو دیکھتے ہی بے ہوش ہو گئے حضرت ابراہیم علیہ السلام برداشت نہیں کر سکے اس کے بعد ہوش آیا تو کہا کہ اگر کوئی بھی مصیبت نہ آئے کافر پر، فقط یہ شکل دکھلا دی جائے تو ہزار مصیبتوں کی یہ ایک مصیبت ہے۔

اس کی کچھ شکل حدیث میں فرمائی گئی ہے کہ ملک الموت جس شکل میں آتے ہیں کفار کے آگے

وہ ایک عجیب بھیانک شکل ہے ایک شخص کی، سیاہ فام اور ہر بدن پر جو رواں ہے وہ مثل نیزوں کے ہے اور ہر نیزے میں ایک شکل بنی ہوئی ہے انسان کی شکل یا جانور کی، تو اس سے گویا لاکھوں شکلیں صورتیں ایک شخصیت میں نمایاں ہوتی ہیں، جتنی گویا ڈراؤنی شکلیں ہیں ہیبت ناک وہ سب سامنے ہوتی ہیں تو وہ دیکھ کر خود ہی خون خشک ہو جاتا ہے وہ مستقل مصیبت ہے تو بہر حال موت کوئی سہل چیز نہیں الا یہ کہ حق تعالیٰ ہی سہل فرما دیں کسی کے لیے اسے سب کچھ قدرت ہے ساری شدت بھی گزرے اور محسوس بھی نہ ہونے دے۔

موت کے آسان ہونے کی صورت: جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی صورت فرمائی، فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ مَن اَحَبَّ لِقَاءَ اللہ اَحَبَّ اللہُ لِقَائَہُ جو شخص اس کا خواہش مند ہے کہ میں کب ملوں اپنے اللہ سے ہر وقت منتظر ہے شوق لگ رہا ہے عالم آخرت میں جانے کا اور

خرم آں روز کزیں منزل ویراں برویم تادر میکدہ شاداں وغزل خواں برویم

ان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ کہتے کہ وہ کونسا مبارک دن ہو گا کہ ہم غزل خواں، شاداں و فرحاں اپنے پروردگار سے ملیں گے اور اس اجڑے ہوئے عالم کو چھوڑیں گے تو جن لوگوں کے دلوں میں شوق ہے اللہ سے ملنے کا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے یہاں بھی شوق ہے وہ بھی منتظر ہیں کہ یہ بندہ کب ملے مجھ سے آ کے، تو ادھر سے بھی شوق ادھر سے بھی شوق۔

مرنے کا جب وقت آتا ہے اس مومن پر وہ شوق و غلبہ کے ساتھ قلب پر ہجوم کرتا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح جلدی پہنچوں، لگا ہوا ہے اس شوق میں، اس شوق کے اندر اتنا منہمک ہوتا ہے کہ ساری تکلیفیں بھی گزر رہی ہیں اور کچھ بھی نہیں گزر رہیں اسے پتہ بھی نہیں چلتا سب کچھ گزر رہا ہے مگر وہ اتنا شوق میں غرق ہے کہ اسے محسوس ہی نہیں ہوتا کہ کیا تکلیف گزر رہی ہے اور کچھ محسوس بھی ہوتا ہے تو نعمتیں سامنے اتنی ہیں کہ وہ کہتا ہے کہ اس سے دگنی بھی مصیبت گزر جائے یہ سامنے نعمتیں موجود ہیں، اب میرے پاس آنے والی ہیں پل بھر کی بات ہے۔

مصیبت کے سہل اور آسان ہونے کی مثال: مثلا آپ کو ایک گورنمنٹ یہ کہے کہ یہاں سے پانچ میل پر جو اسٹیشن ہیں وہاں ایک پانچ لاکھ کا بنگلہ آپ کے لیے تیار کیا ہے گورنمنٹ نے اور اس میں خزانہ بھی ہے دس لاکھ روپے کا ابھی گاڑی سے جاؤ اور اس پر جا کر قبضہ کر لو آپ خوشی خوشی چلے ریل میں گئے تو وہاں بیٹھنا تو بجائے خود کھڑے ہونے کی جگہ نہیں تھرڈ کلاس میں جا کر کھڑے ہوئے اور اتنا ہجوم کہ ہڈی اور پسلی چور ہو جائے تو انتہائی تکلیف میں ہے مگر شوق لگا ہوا ہے کہ پانچ منٹ کی بات ہے اب گئے اور دس لاکھ کے بنگلے پر قبضہ ہو گیا تو ذرہ برابر آپ کو تکلیف کا احساس نہیں ہو گا، کہیں گے چاہے اس سے دگنی آجائے بس پانچ ہی منٹ کی تو بات ہے اب گئے اور جائیداد ملی لاکھوں کی، تو جیسا کہ دنیا کی ایک معمولی جائیداد کے شوق میں بڑی سے بڑی تکلیف بھگت جاتے ہیں اور احساس نہیں ہوتا تو ابد الآباد کی نعمت اور وہ نعمتیں جن کا یہاں کبھی تصور بھی نہیں ہو سکتا وہ سامنے کی جائے تو لاکھوں من بھی اگر تکلیف کا بوجھ پڑا ہوا ہو گا محسوس بھی نہیں ہو گا کہ منٹ بھر کی بات ہے اب یہ نعمتیں مل رہی ہیں۔

مومن کی روح قبض کرنے کے وقت فرشتے جنت کے تحائف لیکر آتے ہیں: اسی واسطے فرمایا گیا ہے کہ مومن کی قبض روح کے وقت ملائکہ علیہم السلام کچھ تحائف لے کر آتے ہیں جنت کے وہاں کے پھل اور وہاں کے کپڑے اور وہاں کے کفن اور وہاں کی خوشبوئیں، ایک دم روح اس طرح سے جاتی ہے کہ بس وہ یوں کہتی ہے کہ میں پہنچ جاؤں پل بھر میں چاہے ہزار کانٹوں میں سے گزرنا پڑے تو خود قبول کرتی ہے اس تکلیف کو کہ جتنی بھی تکلیف آئے مجھے بھگتنی ہے اس لیے کہ سامنے وہ نعمت موجود ہے تو اس وقت مشاہدہ ہوتا ہے نعمت کا، انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ ان کو آنکھ سے دیکھنے سے زیادہ یقین ہوتا ہے اللہ کے وعدوں پر، ہر وقت ان کے سامنے وہ نعمتیں ہیں اس واسطے کوئی تکلیف ان کے یہاں تکلیف نہیں ہوتی ہزاروں ابتلاء ہزاروں مصیبتیں انبیاء پر گزرتی ہیں اور ان کے قلوب مبارکہ پر ذرہ برابر اثر نہیں ہوتا اس لیے کہ اللہ کے وعدہ ہائے حق سامنے ہیں اس لیے کہ یہ چند دن کی تکلیف ہے اب وہ نعمتیں آرہی ہیں۔

تو انبیاء علیہم السلام اپنی ایمانی قوت سے وہ کچھ دیکھتے ہیں جو کچھ ہم اپنی آنکھوں سے بھی نہیں دیکھتے اور ہم دیکھ کر اتنا یقین کرتے ہیں اس سے زیادہ کہیں یقین انبیاء کا اللہ کے وعدوں پر ہوتا ہے اس لیے وہ ساری تکالیف جھیل جاتے ہیں، ورنہ انبیاء سے زیادہ کون ہے تکلیفیں اٹھانے والا لیکن ان کے قلوب پر ذرہ برابر اثر نہیں، قلب مگن اور مطمئن، اس لیے کہ وعدہ ہائے خداندی اندر موجود ہیں تو بہر حال مومن باوجودیکہ موت اتنی شدید ہے کہ باوجودیکہ اتنی ایذاء دہ ہے لیکن مومن اس سے گھبرائے گا نہیں خوش دلی سے برداشت کرے گا۔

اگر خدانخواستہ کوئی وعدہ سامنے نہ ہوتا تو مرنا بھی موت ہو جاتا، لیکن چونکہ نعمتیں موجود ہیں اب تو آنکھ سے دیکھ رہا ہے اس واسطے وہ کہتا ہے کہ کوئی پرواہ نہیں چلو، چاہے مصیبتوں میں کانٹوں میں جائیں مگر وہ نعمت ہے ابھی میں پہنچ جاؤں گا اس لیے ہوتی بھی تکلیف اور نہیں بھی ہوتی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی شدید قسم کا آپریشن کیا جائے کسی کا تو پہلے کلوروفام سونگھا کر بیہوش کر لیتے ہیں اس کے بعد اس کا سر کاٹ دو پیر کاٹ دو، اسے کچھ خبر نہیں تو گزر رہی ہے ساری تکلیف مگر احساس باطل ہو گیا کہ جس سے اس کی اذیت محسوس نہیں ہوتی اسی طرح سے موت کی اذیت جب گزرے گی تو محبت خداوندی کا کلوروفارم سونگھا دی گئی اس میں وہ اتنا موثر مگن ہو گا کہ اس تکلیف کا ادنی برابر اسے احساس نہیں ہو گا اور محسوس بھی ہو تو بھاویں نہیں ہو گی تو نعمتوں کے آگے کیا چیز ہے تکلیف، تو پھر ان شاء اللہ مومن کے لئے راحت ہے باوجود اذیت کے۔

موسیٰ علیہ السلام سے موت کی کیفیت کے بارے میں سوال: موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ موت کی کیفیت کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ کیفیت ہے کہ آدمی کو بیچ میں رکھ کر دو پہاڑوں کو ملا دیجئے اس میں جو اذیت ہے بس وہ موت ہے اور بعض انبیاء نے مثال دی کہ جیسے ایک نہایت ہی جابر قسم کا قصائی ہو ذبح کرنے والا اور بڑا قوی اور ایک بکری کا بچہ اس کے ہاتھ میں ہو اور وہ کانٹ چھانٹ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے بس یہ حالت ہے موت کی ملک الموت کے سامنے اس طرح سے ہو گا آدمی اس وقت۔

تو باوجود اس اذیت کے وہ جو قوت ایمانی ہے وہ سنبھالتی ہے دنیا میں بھی جو بڑی سے بڑی مصیبت آتی ہے تو قوت ایمانی تو سنبھالتی ہے بھروسہ اللہ پر ہوتا ہے تو تکلیف معلوم بھی نہیں ہوتی وہی قوت ایمانی وہاں سنبھالے گی اور وہی قوت ایمانی قبر کے اندر سنبھالے گی اور وہی قوت ایمانی حشر کے اندر سنبھالے گی ہر جگہ تکلیف آدمی جھیل جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف رکھتے تھے مجلس نبوی میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے ہولناک حالات بیان فرمارہے تھے تو لوگ لرز رہے تھے کانپ رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ تمام لوگ لرزاں وترساں آپے سے باہر ہوگئے عرض کیا یارسول اللہ! ہماری عقل بھی صحیح سالم ہوگی قبر میں فرمایا! ہاں عقل رہے گی، کہ اب تو فکر کی کوئی بات نہیں بس نمٹ لیں گے تو عقل سے مراد یہ عقل معاش نہیں تھی جو موٹر بنانے کی عقل ہے ہوائی جہاز بنانے کی عقل ہے عقل معاد تھی جو آخرت کی عقل ہے جس کا دوسرا نام ایمان ہے مطلب یہ ہے کہ ہمارا ایمان بھی رہے گا فرمایا رہے گا تو بس اب جھیل جائیں گے۔ (معارف حکیم الاسلام)

قوت ایمانی سب چیزوں کو ہلکا کر دیتی ہے: قوت ایمانی سب چیزوں کو ہلکا کر دیتی ہے تو اصل چیز ایمان ہے دنیا کی مصیبتوں میں بھی جب آدمی اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے توکل اور صبر سے تو مصیبتیں ہیچ معلوم ہوتی ہیں اللہ جانے جو کچھ ہوگا ہو رہے گا مجھے تو خدا پر بھروسہ ہے تو دنیا کی مصیبتیں بھی اللہ ہی کا یقین اور ایمان سہل کرتا ہے موت کی مصیبت بھی یہی ایمان سہل کرے گا۔

قبر کے مصائب یہی ایمان سہل کرے گا حشر کے مصائب یہی ایمان سہل کرے گا اور ان سب سے گزر کے اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جائے گا وہی جو راحتوں کا ٹھکانہ ہے جس کا نام جنت ہے تو کافر کیلئے یہاں سے لیکر وہاں تک اور ابد تک مصیبت ہی مصیبت ہے۔ (معارف حکیم الاسلام قاسمی)

اس آیت کے آخری حصہ میں منہ پھٹ کافروں کی ذلت اور رسوائی کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ یہ جس مصیبت، پریشانی، عذاب، ذلت اور ادبار کا تمہیں سامنا کرنا پڑ رہا ہے یہ تمہاری منہ مانگی مراد

ہے، جس کا تم پیغمبر اسلام ﷺ سے مطالبہ کرتے تھے۔

مفسر قرآن ڈاکٹر اسلم صدیقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”جو لوگ منہ پھاڑ پھاڑ کر آنحضرت ﷺ سے عذاب کو دکھانے کا مطالبہ کرتے تھے یا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ اگر قیامت آنے والی ہے تو کیوں نہیں آجاتی، آخر وہ کہاں رک گئی ہے۔

اس آیت کریمہ میں فرمایا جارہا ہے کہ جب اس عذاب یا روز قیامت کو قریب آتا دیکھیں گے، عذاب نظر آئے گا کہ سروں پر پہنچ گیا ہے۔ یعنی زمین پھٹ رہی ہے یا سر پر مہیب گھٹا چھا گئی ہے یا سمندر بے قابو ہو گیا ہے یا آگ برسنے لگی ہے تو یہ لوگ جو بڑھ بڑھ کر مطالبہ کر رہے ہیں ان کے چہرے بگڑ جائیں گے اور ان کی کیفیت ایسی ہو گی جیسے پھانسی کے تختے کی طرف کھینچے جانے والے مجرم کی ہوتی ہے۔ اس وقت ان کی ساری شیخیاں ہوا ہو جائیں گی۔ ان سب کی سٹی گم ہو جائے گی، چیخنا چلانا شروع کر دیں گے۔ تب ان سے کہا جائے گا کہ اب واویلا کیوں مچا رہے ہو اور یہ تمہاری ہوائیاں کیوں اڑنے لگی ہیں۔ یہ تو وہی چیز ہے جس کا تم مطالبہ کر رہے تھے۔ یہ تمہاری منہ مانگی مراد ہے، اب اس کا مزہ چکھو۔ (روح القرآن)

حقیقت پسندی کی دعوت

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ {۲۸} الملك

جواب ترجمہ: (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ذرا یہ بتلاؤ کہ چاہے اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمادے، (دونوں صورتوں میں) کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟

اس مقام پر ڈاکٹر اسلم صدیقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”نبی کریم ﷺ نے جب مکہ معظمہ میں دعوت کا آغاز فرمایا اور آہستہ آہستہ اس کے اثرات پھیلنے لگے تو قریش کے بعض گھرانوں میں بعض لوگ

مسلمان ہو گئے، کہیں بیٹا مسلمان ہو گیا، کہیں بیٹی، کہیں بھائی، کہیں چچا، کہیں ماموں، کہیں کوئی کہیں کوئی۔ تو گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے کے باعث، اسلام اور آنحضرت ﷺ کی مخالفت میں بھی اضافہ ہو گیا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ مخالفت سے اس دعوت کے اثرات ختم ہونے کی بجائے مزید بڑھ رہے ہیں تو پھر انہوں نے نبی کریم ﷺ کیخلاف تعویذ گنڈے اور ٹونے ٹوٹکے شروع کیے۔

آپ ﷺ کیخلاف بد دعائیں ہونے لگیں حتیٰ کہ آپ ﷺ کے قتل کے منصوبے باندھے جانے لگے اور ساتھ ہی ساتھ عوام کو اسلامی اثرات سے بچانے کے لیے اشراف قریش نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ تم اس دعوت کے اثرات سے پریشان نہ ہو یہ عذاب وغیرہ کی دھمکی محض ایک شخص کی خطابت اور شاعری ہے، بہت جلد یہ شخص حوادث کی نذر ہو جائے گا، اس کی یہ سب باتیں ہوا میں اڑ جائیں گی، یہ ہمیں عذاب سے ڈراتا ہے حالانکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ اور اس کے ساتھی گردش روزگار سے بچ نہیں سکیں گے۔

قرآن کریم نے مختلف مواقع پر اس مضمون کو بیان فرمایا، سورۃ الطور میں ارشاد فرمایا گیا ہے، اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ، قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ، کیا یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک شاعر ہے اور ہم اس کے لیے گردش روزگار کا انتظار کر رہے ہیں۔ کہہ دیجیے! تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

باطل کی کشمکش میں اہل حق کا کردار: یعنی تم اپنے گمان کے مطابق ہمارے لیے گردش روزگار کے منتظر ہو اور ہم تمہارے لیے عذاب کے منتظر ہیں، لیکن تقدیری معاملات میں اللہ تعالیٰ کے نبی کبھی جھگڑا نہیں کرتے، اس لیے آنحضرت ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپ ﷺ ان سے کہئے کہ تم ہمیں بد دعائیں دو یا گردش روزگار کا انتظار کرو، لیکن ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اس نے مجھے یا میرے ساتھیوں کو اگر ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا تو وہ اس پر قادر ہے یا وہ ہم پر رحم فرمانا چاہتا ہے تو وہ اس کا بھی حق رکھتا ہے، لیکن تمہارے سوچنے کی یہ باتیں نہیں کہ ہم ہلاک ہوتے

ہیں یا نہیں، اس لیے کہ ہماری ہلاکت سے تمہارا کوئی کام متعلق نہیں، تمہارے سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ تم اپنے بارے میں سوچو کہ جس عذاب سے ہم تمہیں ڈرا رہے ہیں اگر وہ عذاب آگیا اور تم نے اپنا رویہ نہ بدلا تو عذاب ضرور آئے گا تو پھر تم بتاؤ کہ تمہیں اس عذاب سے یا اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے کون بچانے والا ہے۔ (روح القرآن)

رحمٰن کے ساتھ تعلق مضبوط بنانے کا حکم

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ {۲۹} الملك

جواب ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ وہ رحمن ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے اسی پر بھروسہ کیا، سو تم عنقریب جان لوگے کہ وہ کون ہے جو کھلی ہوئی گمراہی میں ہے۔

یہاں اللہ کی جگہ رحمان کی صفت اس لئے لائی گئی ہے کہ اللہ نبی اور اس کے مٹھی بھر ساتھیوں کو ہلاک نہیں کرتا بلکہ وہ ان پر رحیم و کریم ہے، جس طرح کہ تمہاری تمنائیں ہیں۔

نبی ﷺ اور ساتھیوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ اللہ کے ساتھ اپنے موجودہ تعلق کو مضبوط کرو، اعلان کر دو۔ اٰمَنَّا بِهٖ، ہم اس پر ایمان لائے ہیں، صرف اللہ پر، انداز کلام اس کا اظہار کرتا ہے کہ اللہ مسلمانوں کے بہت ہی قریب ہے، ان کے درمیان اعتماد کا تعلق ہے۔ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا، اور اس پر ہمارا بھروسہ ہے، صرف اس پر، اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو ارشاد فرماتے ہیں کہ اس فضل و کرم کا اعلان فرما دیں، آپ ﷺ کو گویا کہا جارہا ہے کہ ان کفار کی تمناؤں اور اقوال سے گھبرائیں نہیں، میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کے ساتھ ہوں، اس لیے یہ اعلان کر دیں اور یہ اللہ کی طرف سے نبی ﷺ اور نبی ﷺ کے ساتھیوں کے ساتھ دوستی اور تعلق کا اعلان ہے، جس میں ان کے لیے اعزاز ہے۔

فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ: کون ہو گا جو کفار کو دردناک عذاب سے پناہ دے گا، اس پوری گفتگو میں اللہ تعالیٰ ان کو یہ بتا رہے ہیں کہ تم کافر ہو تاکہ وہ ضد میں نہ آجائیں، یہ اسلوب

دعوت ہے جو اکثر حالات میں فائدہ مند ہوتا ہے۔

فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ: اور فریق مخالف کو بالاواسطہ دھمکی دی جاتی ہے، کہ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں پڑا ہوا کون ہے، یہ بھی ایک انداز ہے جو ہٹ دھرمی اور اصرار کے قلعوں میں دراڑیں ڈال دیتا ہے اور مخاطب کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنی پوزیشن پر غور کرے کہ کہیں وہ خود تو گمراہ نہیں ہے، کہیں وہ خود تو عذاب کا مستحق نہیں ہو رہا ہے۔

اور اب عقل وخرد کی تاروں پر آخری شدید ضرب جن سے زمزمہ اٹھتا ہے۔ یہ اشارہ دیا جاتا ہے کہ خبردار یہ تو ہے اخروی عذاب۔ لیکن اللہ نافرمانوں کو اس دنیا میں بھی عذاب دیا کرتا ہے۔ آج ہی اگر اللہ پانی بند کر دے تو سوچو تمہاری حالت کیا ہو جائے۔ (تفسیر ظلال القرآن)

پانی اگر گہرائی میں چلا جائے؟

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ{۳۰} الملك۔

جواب ترجمہ: فرما دیجیے! ذرا یہ بتلاؤ کہ اگر کسی صبح تمہارا پانی نیچے کو اتر کر غائب ہو جائے تو کون ہے جو تمہیں چشمے سے ابلتا ہوا پانی لا کر دیدے؟

پانی کنوؤں میں ہوتا ہے، رب تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اسے گہرائی میں نیچے کر دیں، تو بسیار جتن کے باوجود کوئی اسے اوپر نہیں لا سکتا، خشک سالی کے زمانہ میں کنویں سوکھ جاتے ہیں، پانی مزید گہرائی میں اتر جاتا ہے، اگر گہرائی میں پانی چلا جائے تو کوئی ہمت نہیں رکھتا ہے کہ وہ مزید کھدائی کر کے اسے اوپر لائے۔

معین اور گہرے چشموں سے پانی کو اوپر لانے والی ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، انسانوں نے اپنی ہمت اور بساط کے مطابق آلات تیار کر رکھے ہیں، مشینری تیار کر رکھی ہے، جو زیادہ سے زیادہ بورنگ

کے ذریعے پانی حاصل کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی اپنی جگہ اٹل ہے کہ جہاں تک انسانی بساط اور ہمت تھی وہاں تک تو انسان پہنچ گئے، مگر رب تعالیٰ یہاں سے بھی نیچے کر دے تو کون اسے اوپر لا سکتا ہے، کئی مقامات پر پانی کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں، مگر انسان بے بس دکھائی دیتا ہے، جن سوتوں سے پانی نکلتا ہے وہی خشک ہو جائیں، اللہ انہیں خشک کر دے تو کسی میں ہمت و مجال نہیں ہے کہ وہ اسے حاصل کر سکے۔

فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ: پھر تمہارے لیے گہرے چشموں سے پانی لانے والا کون ہے؟ یہ انسانی ضرورت کی چیز تھی، اس پر بھروسہ تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے پچاس سو گز نیچے گہرا کر دیا، اب اس کی کھدائی کی جاسکتی ہے نہ وہاں تک پہنچا جاسکتا ہے، اگر ہمت کر کے کسی تکنیک، کسی مشین، کسی وسیلہ سے اس مقام تک پہنچیں جہاں تک کھدائی پہلے کی جاچکی تھی تو رب تعالیٰ اسے وہاں سے بھی نیچے کر دیں تو اور زیادہ گہرائی میں چلا جائے گا۔

اگر انسان انسانی بساط، ہمت اور کوشش کے ساتھ پانی کی گہرائی کے ساتھ ساتھ نیچے سے نیچے اترتا چلا جائے تو سب سے نچلی زمین تک پہنچ جائے گا، جو تحت الثریٰ کہلاتی ہے، مگر انسان کی طاقت ایک حد تک کام کرتی ہے، اس کی تکنیکی صلاحیتیں اس قدر نہیں ہیں جس قدر رب تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور تدابیر کام کرتی ہیں۔

ہم نے کئی بار سنا ہے بلکہ مشاہدہ میں بھی یہ بات آئی ہے کہ پرانے کھدے ہوئے کنوؤں کی صفائی، ستھرائی کے لیے جب کچھ لوگوں کو نیچے اتارا گیا تو زمین کے اندر موجود زہریلی گیسوں کی وجہ سے وہ لوگ دم گھٹ کر اندر ہی مر گئے، پھر اس گہرے کنویں سے ان کی لاشیں ہی نکالی گئیں۔

انسانی ہمت اور طاقت اس قدر نہیں ہے کہ وہ زمین کو نیچے تحت الثریٰ تک کھودے، اگر ڈھیٹ بن کر کھودتے رہو گے تو پھر اسی طرح زہریلی گیسوں سے مرتے رہو گے، تم اپنے مشن میں کامیاب و کامران نہیں ہو سکتے۔

حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ”اللہ تعالیٰ نے یہاں پانی کی ایک مثال دی کہ اگر اسے گہرائیوں میں اتار دے تو زندگی کا کوئی سامان نہیں، دریا خشک ہو جائیں اور قحط سالیوں کے زمانے میں ہوتا ہے کہ آسمان تو برسنا بند کر دیتا ہے، دریاؤں میں خشکی آجاتی ہے، کنوئیں نیچے اتر جاتے ہیں تو ہزاروں آدمی مر جاتے ہیں تو ایک پانی پر جب اس کا قبضہ نہیں ہے وہ آدمی بھروسہ کرے گا کہ قیامت میں اچھی طرح سے ہوں گا اور قیامت آجائے تو اچھی طرح سے نمٹ لوں گا تم ان چیزوں سے نمٹو گے جو تمہارے پاس ہر وقت موجود ہے۔

اگر آفتاب کے اندر گرمی نہ رکھی جائے تو ساری دنیا برف کی طرح جم کر رہ جائے اس کی حرارت ہے جس نے پگھلا رکھا ہے، ہوا اگر منٹ بھر کے لئے روک دی جائے سانس لینا بند ہو جائے تو زندگی ختم ہو جائے، تو آگ نہ رہے جب ختم، پانی نہ ہو جب ختم مگر اور چیزیں تو خیر اوپر کی ہیں پانی تو ہر وقت کا ہے جس کو کھود اور نکال لیا اس کو نیچے اتاریں تب اس پر قبضہ نہیں تو آخر کون سی چیز پر تمہارا قبضہ ہے کہ اتنے بڑے بڑے دعوے کر رہے ہو کہ صاحب لے آؤ قیامت کہ جیسے معلوم ہو بڑا لشکر جرار ان کے ہاتھ میں ہے کہ قیامت آئے گی۔

مقابلہ کریں گے اسے دھکیل کر پرے کر دیں گے، تم اپنی عمر کے ایک سال کو نہیں دھکیل سکتے زندگی جاتی ہوئی روک نہیں سکتے آتی ہوئی ہو تو نہیں روک سکتے تو کون سی طاقت ہے کہ اتنے بڑے بڑے دعوے اور اللہ سے لڑنے کا ارادہ کیا تو فرما دیجئے کہ اگر اس حالت میں تم صبح کرو کہ پانی کنوؤں کا نیچے اتر جائے تو پانی لانے والا کون ہے تمہارے پاس؟

تو یہ ایک مثال ہے سارے عناصر کو اس پر قیاس کر لو اور پانی پر آگ کو بھی ہوا کو بھی مٹی کو بھی جب ہاتھ پلے کچھ نہیں تو دعوے مت کرو غالب اور قوی خدا کے سامنے جھک جاؤ یہی ہے پناہ کی صورت لڑنا پناہ کی صورت نہیں ہے۔ (معارف حکیم الاسلام، بحوالہ گلدستہ تفاسیر)

ڈاکٹر اسلم صدیقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ”سورۃ کی آخری آیت میں کفار کو پھر تنبیہ فرمائی ہے اور ایک طرح سے عذاب کی دھمکی دی ہے کہ انسان کی سب سے بنیادی ضرورت ہوا کے بعد پانی ہے جس کے بغیر زندگی بسر نہیں ہوسکتی، لیکن یہ ایسی نعمت ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے بظاہر انسان کنوئیں کھودتا ہے یا اور مختلف طریقوں سے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن اسے یہ یاد نہیں رہتا کہ یہ اس کی ذاتی جاگیر نہیں، صرف اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے کہ اس نے پانی برسایا اور اس پانی کو برف کی شکل میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر جما دیا کہ سڑنے اور خراب ہونے سے محفوظ رہے۔

پھر اس برف کو آہستہ آہستہ پگھلا کر پہاڑوں کی عروق کے ذریعے زمین کے اندر اتار دیا اور بغیر کسی پائپ لائن کے پوری زمین میں اس کا ایسا جال پھیلا دیا کہ جہاں چاہو زمین کھود کر پانی نکال لو، مگر یہ پانی جو اس نے زمین کی اوپر کی سطح پر رکھ دیا ہے جس کو چند فٹ یا چند گز زمین کھود کر نکالا جاسکتا ہے، لیکن اگر وہ اس پانی کو نیچے کی سطح پر اتار دے جہاں تک تمہاری رسائی ممکن نہ ہو تو پھر کون سی طاقت ہے جو انسان کو پانی جیسی نعمت عطا کر سکے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ کئی علاقے ایسے ہیں جہاں پانی کی سطح اتنی نیچی ہے کہ وہاں کنوئیں تو درکنار ٹیوب ویل سے بھی پانی حاصل کرنا ایک کار عظیم ہے، پانی کے نیچے اتر جانے کی ایک اور صورت بھی ممکن ہے کہ بارش نہ ہونے یا کم ہونے کے سبب سے نہروں، چشموں اور ندیوں کا پانی کم ہو کر گدلا ہو جائے، معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دونوں ہی مفہوم لینے کی گنجائش ہے۔

کفار چونکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو بہت دور کی بات سمجھتے تھے اس لیے ان کو ایک ایسی مثال سے ڈرایا گیا ہے جس کا وقوع ان کے بہت قریب ہے یعنی وہ پانی جو ان کی انتہائی اہم ضرورت ہے اور جسے وہ کنوؤں اور چشموں سے حاصل کرتے ہیں اور یہ دونوں وسائل نزولِ باراں کے محتاج رہتے ہیں کیونکہ اگر بارش نہ برسے تو چشمے بھی خشک ہو جاتے ہیں اور کنوئیں بھی اور اللہ تعالیٰ کے لیے کنوؤں اور

چشموں کا خشک کر دینا اور بارشوں کا روک دینا یہ کوئی مشکل بات نہیں، بارش کے نہ ہونے سے پانی کی سطح نیچی ہو جائے گی اور اگر کہیں پانی ہے بھی تو وہ بھی گدلا ہو جائے گا اور یہ وہ خطرہ ہے جو اہل عرب کے لیے غیر متوقع نہ تھا، اس لیے ایک ایسی چیز سے جو انہیں کسی وقت بھی پیش آسکتی تھی، انہیں توجہ دلائی گئی ہے کہ اس اللہ سے ڈرو جس کے قبضے میں تمہاری زندگی اور اس کے تمام وسائل ہیں۔ (تفسیر روح القرآن)

ہم کچھ عرصہ سے دیکھ سن رہے ہیں کہ غیر مسلم اقوام مسلمانوں کے وسائل پر قبضہ کرنے اور ان سے استفادہ کرنے کے لیے مختلف حیلوں بہانوں سے جنگیں چھیڑتی ہیں، سربراہان مملکت جنگیں برپا کرتے ہیں، ان جنگوں کی آڑ میں وہ مسلم ممالک کے وسائل پر قبضہ کر لیتے ہیں، پیٹرول اور تیل کی بہت بڑی مقدار اپنے ہاں جمع کر چکے ہیں، اب ہر طرف جس چیز کا شور برپا ہے وہ پانی پر دنیا کی جنگوں کی اطلاعات ہیں۔

ہمارے وطن میں اب ایسی کمپنیاں موجود ہیں جو زمین کے اندر مشینیں لگا کر پانی نکالتی ہیں اور پھر اس پانی کو بوتلوں میں بھر کر بازاروں میں فروخت کرتی ہیں، اس پر اعلیٰ عدلیہ کے جج نے سخت نوٹس لیا کہ زیر زمین پانی کے ذخائر کو اس طرح مشینوں کے ذریعے نکال کر فروخت کرنے والے حکومت کو ایک روپے فی لیٹر کے حساب سے ٹیکس دیں، اسی طرح یہ شور بھی اٹھا کہ ملک میں ڈیم بنا کر پانی ذخیرہ کیا جائے ورنہ کچھ عرصہ بعد قحط سالی کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔

پانی سے متعلق ایک رپورٹ: بی بی سی (برٹش براڈکاسٹنگ) نے ابھی کچھ عرصہ پہلے پانی سے متعلق ایک رپورٹ شائع کی ہے، جس میں زیادہ تر حصہ سعودی عرب سے متعلق ہے، جب کہ اس وقت دنیا بھر میں پانی سے متعلق بات ہو رہی ہے، میں نے سعودی عرب کے علاوہ کئی دوسرے ممالک کے بارے میں بھی مواد جمع کر رکھا ہے، یہاں صرف اس عالمی ذریعہ ابلاغ بی بی سی کی رپورٹ پیش کر رہا ہوں۔

سعودی عرب میں تیل کی بات تو اکثر ہوتی رہتی ہے لیکن پانی کی بات اب زیادہ ضروری ہو گئی ہے، تیل کی وجہ سے سعودی عرب امیر ہے لیکن پانی کی پیاس یہاں لگاتار بڑھ رہی ہے۔

ستمبر ۲۰۱۱ء میں سعودی عرب میں کان کنی سے منسلک ایک کمپنی کے نائب سربراہ محمد ہانی نے کہا تھا کہ یہاں سونا ہے لیکن پانی نہیں ہے اور سونے کی طرح پانی بھی مہنگا ہے۔

سعودی عرب تیل فروخت کر کے بے شمار کمائی کر رہا ہے لیکن اس کمائی کا بڑا حصہ سمندر کے پانی کو پینے کے قابل بنانے میں لگانا پڑ رہا ہے، یہاں نہ دریا ہے نہ جھیل، کنوئیں بھی ہیں تو تیل کے نہ کہ پانی کے، پانی کے کنوئیں کب کے سوکھ چکے ہیں۔

۲۰۱۱ء میں ہی سعودی عرب میں اس وقت پانی اور بجلی کے وزیر نے کہا تھا کہ سعودی عرب میں پانی کی طلب ہر برس سات فیصد کی حد سے بڑھ رہی ہے اور اگلی ایک دہائی میں اس کے لیے ۱۳۳ ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کی ضرورت پڑے گی۔

سعودی عرب میں کھارا پانی کنورژن پلانٹ (ایس ڈبلیو سی سی) ہر دن ۳۶.۳۰ لاکھ کیوسک میٹر سمندر کے پانی سے نمک الگ کر کے پینے کے قابل بناتا ہے۔

یہ سنہ ۲۰۰۹ء کے اعداد و شمار ہیں جو اب بڑھے ہی ہوں گے، اس کا روز کا خرچ ۶.۸۰ لاکھ ریال آتا ہے، اس وقت ایک کیوسک میٹر پانی نمک الگ کرنے کا خرچ ۵۷.۲ ریال آتا تھا، اس کے ساتھ ہی ٹرانسپورٹ کا خرچ ۱۲.۱ ریال فی کیوسک میٹر بن جاتا ہے۔

پانی کی کھپت کتنی ہے؟ سعودی عرب نے سنہ ۲۰۱۵ء میں ہی پانی کے کمرشل استعمال پر ٹیکس بڑھا دیا تھا، سعودی عرب پانی پر ٹیکس اس لیے بڑھا رہا ہے تاکہ اس کا بے دریغ استعمال روکا جا سکے۔

تحقیقات کا کہنا ہے کہ سعودی عرب کا زیر زمین پانی اگلے ۱۱ برسوں میں مکمل طور پر ختم ہو جائے گا، سعودی عرب کے عربی اخبار "الوطن" کی رپورٹ کے مطابق خلیجی ممالک میں فی فرد پانی کی کھپت دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے۔ سعودی عرب میں فی فرد پانی کی کھپت ہر دن ۲۶۵ لیٹر ہے جو کہ یورپی یونین کے ممالک سے دگنی ہے۔ سعودی عرب میں ایک بھی دریا یا جھیل نہیں ہے، ہزاروں سال سے سعودی عرب کے لوگ پانی کے لیے کنوؤں پر انحصار کرتے رہے ہیں لیکن بڑھتی ہوئی آبادی کی

وجہ سے زیر زمین پانی کا استعمال بڑھتا گیا اور اس کی بھرائی قدرتی انداز سے نہیں ہوئی، دھیرے دھیرے کنوؤں کی گہرائی بڑھتی گئی اور وہ وقت بھی آگیا جب سارے کنوئیں سوکھ گئے۔

سعودی عرب میں کتنی بارش ہوتی ہے؟ تلمیذ احمد سعودی عرب میں انڈیا کے چار سال سفیر رہے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ سعودی عرب میں ہر سال دسمبر جنوری میں طوفانی بارش ہوتی ہے لیکن یہ ایک یا دو دن ہی ہوتی ہے، مطلب سال میں ایک یا دو دن بارش ہوتی ہے، تاہم یہ سردیوں کے طوفان کی شکل میں آتی ہے اور اس سے گراؤنڈ واٹر پر کوئی فرق نہیں پڑتا، تلمیذ احمد کہتے ہیں کہ یہ بارش کوئی خوشحالی نہیں بلکہ بربادی لے کر آتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اُردن اور شام میں بارش ہوتی ہے تو سعودی عرب کے لوگ کافی خوش ہوتے ہیں کیونکہ وہاں کی بارش کے پانی سے سعودی عرب کے زیر زمین پانی پر فرق پڑتا ہے۔

سعودی عرب پانی پر کتنا خرچ کرتا ہے؟ سعودی عرب میں میٹھے پانی کا خوفناک مسئلہ ہے، سب سے پہلے سعودی عرب میں زیر زمین پانی کا استعمال کیا گیا لیکن یہ ناکافی ثابت ہوا، سعودی عرب ہی نہیں بلکہ پورے مشرق وسطیٰ میں پانی بہت قیمتی ہے، پانی کی کمی کی وجہ سے ہی سعودی عرب میں چاول کی فصل کی کاشت بند کرنا پڑی۔

سعودی عرب کو اپنے ماضی کی وجہ سے ڈر ستاتا ہے، سنہ ۲۰۱۰ء میں وکی لیکس امریکہ کی ایک خفیہ دستاویز کو سامنے لایا تھا، جس میں بتایا گیا تھا کہ شاہ عبداللہ (سابق فرماں روائے سعودی عرب) نے سعودی عرب کی فوڈ کمپنیوں سے بیرون ملک میں زمین خریدنے کے لیے کہا ہے تاکہ وہاں سے پانی مل سکے، وکی لیکس کے مطابق سعودی عرب پانی اور خوراک کے حوالے اس طرح سے سوچ رہا ہے تاکہ سیاسی عدم استحکام سے بچا جاسکے۔

عالمی بینک کی رپورٹ: عالمی بینک کی رپورٹ کے مطابق سعودی عرب ابھی اپنی جی ڈی پی کا دو فیصد

حصہ پانی کی سبسڈی پر خرچ کرتا ہے، اسی رپورٹ کا کہنا ہے کہ سنہ ۲۰۵۰ء تک مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے ممالک کو اپنی جی ڈی پی کا چھ سے ۱۴ فیصد حصہ پانی پر خرچ کرنا ہو گا۔

مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں دنیا کی چھ فیصد آبادی رہتی ہے اور یہ علاقہ دنیا کا سب سے خشک علاقہ ہے، ان ممالک میں الجزائر، بحرین، کویت، اردن، لیبیا، اومان، فلسطینی علاقے، قطر، سعودی عرب، تیونس، متحدہ عرب امارات اور یمن شامل ہیں، ان ممالک میں اوسط پانی ۱۲۰۰ کیوسک میٹر ہے جو کہ باقی کی دنیا کے اوسط پانی ۷۰۰۰ کیوسک میٹر سے چھ گنا کم ہے۔

مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے زیادہ تر ممالک پانی کی مانگ پوری کرنے سے قاصر ہیں، عالمی بینک کے مطابق سنہ ۲۰۵۰ء تک ان ممالک میں پانی کی فی فرد دستیابی آدھی ہو جائے گی۔

عالمی بینک کی تحقیق کے مطابق ان علاقوں میں بحیرۂ مردار میں موجود میٹھا پانی ختم ہو چکا ہے، کہا جارہا ہے کہ یہ اپنے آپ میں ریکارڈ ہے، گلف تعاون کونسل کے ممالک میں پانی کے استعمال کے بعد پانی کے ذخیرے دوبارہ بھرنے اور مانگ میں فاصلہ بڑھتا جارہا ہے۔

بحرین اپنے میسر تازہ پانی کے ذخائر سے ۲۲۰ فیصد سے زیادہ استعمال کر چکا ہے، سعودی عرب ۹۴۳ فیصد اور کویت ۲۴۶۵ فیصد زیادہ استعمال کر چکا ہے، پچھلے ۳۰ سالوں میں متحدہ عرب امارات میں فی فرد واٹر ٹیبل میں ایک میٹر کی گراوٹ ہوئی ہے۔

عالمی بینک کا اندازہ ہے کہ اگلے ۵۰ برسوں میں متحدہ عرب امارات میں میٹھے پانی کے ذرائع ختم ہو جائیں گے، پانی ختم ہونے کے بعد کیا راستہ رہ جائے گا؟ سمندر کے پانی سے نمک کو الگ کرنا ایک راستہ ہے، اس عمل کو ڈیسیلینیشن کہا جاتا ہے، دنیا بھر میں یہ طریقہ معروف ہو رہا ہے۔

عالمی بینک کے مطابق مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے ممالک میں ڈیسیلینیشن کی اہلیت پوری دنیا کی نصف ہے، دنیا بھر میں ۱۵۰ ممالک میں سمندر کے پانی سے نمک الگ کر کے استعمال کیا جارہا ہے۔

انٹرنیشنل ڈیسیلینیشن ایسوسی ایشن (آئی ڈی اے) کا خیال ہے کہ دنیا بھر میں ۳۰ کروڑ لوگ پانی کی روز کی ضرورتیں ڈیسیلینیشن سے پوری کر رہے ہیں، تاہم یہ عمل بھی آسان نہیں ہے۔

توانائی کا انحصار بھی ان علاقوں میں ڈیسیلینیشن پاور پلانٹ پر ہے، اس سے کاربن کا اخراج ہوتا ہے، اس عمل میں فوسل ایندھن کا استعمال ہوتا ہے، سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ اس عمل سے سمندری نظام حیات کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

آئی ڈی اے کی سربراہ شینن میک کارتھا کا کہنا ہے کہ خلیجی ممالک میں ڈیسیلینیشن کے عمل سے پانی گھر گھر پہنچایا جارہا ہے، میک کارتھا کے مطابق کچھ ممالک میں پانی کا انحصار ڈیسیلینیشن پر ۹۰ فیصد تک پہنچ چکا ہے۔

میک کارتھا کا کہنا ہے کہ ان ممالک میں ڈیسیلینیشن کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے، اس طرح کے غیر روایتی پانی پر کافی خرچ آتا ہے اور غریب ممالک کے لیے یہ آسان عمل نہیں ہے، ایسے میں یمن، لیبیا اور غرب اردن میں اب لوگ زیر زمین پانی پر ہی انحصار کرتے ہیں۔

تلمیذ احمد کا کہنا ہے کہ سعودی عرب بے شک امیر ملک ہے لیکن وہ اشیائے خورونوش کے معاملے میں پوری طرح سے عدم تحفظ کا شکار ہے، وہ کہتے ہیں کہ کھانے پینے کا سارا سامان سعودی عرب بیرون ملک سے خریدتا ہے، وہاں کھجور کو چھوڑ کر کسی بھی اناج کی پیداوار نہیں ہوتی ہے۔

زیر زمین پانی کے بھروسے سعودی عرب تو چل نہیں سکتا کیونکہ وہ بچا ہی نہیں ہے، پچھلے ۵۰ سال سے سعودی عرب سمندر کے پانی سے نمک الگ کر کے استعمال کر رہا ہے، یہاں ہر سال ڈیسیلینیشن پلانٹ لگائے جاتے ہیں، یہ بالکل سچ ہے کہ اس عمل میں بہت خرچ آتا ہے اور یہ غریب ملکوں کے بس کی بات نہیں ہے، یمن ایسا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔

رائٹر کی رپورٹ: نیوز ایجنسی رائٹرز کی ایک رپورٹ کے مطابق سعودی عرب کا شمار دنیا کے ان ممالک میں ہوتا ہے جو اپنے شہریوں کو پانی پر سب سے زیادہ سبسڈی دیتا ہے۔ سنہ ۲۰۱۵ء میں سعودی

عرب نے فیکٹریوں میں پانی کے استعمال پر ٹیکس فی کیوسک چار ریال سے بڑھا کر نو ریال کر دیا تھا، رپورٹ کے مطابق حکومت گھروں میں استعمال کے لیے پانی پر بھاری سبسڈی دیتی ہے اس لیے پانی مہنگا نہیں ملتا۔

تلمیذ احمد کہتے ہیں کہ سعودی عرب نے اپنی زمین پر چاول اگانے کی کوشش کی تھی، لیکن بہت مہنگا پڑا تھا، وہ کہتے ہیں کہ سعودی عرب نے چاول کے کھیت بنائے تھے، اس کے لیے سینچائی میں اتنا پانی لگنے لگا کہ زمین پر نمک پھیل گیا، کچھ ہی سالوں میں یہ زمین پوری طرح سے بنجر ہو گئی، وہ پورا علاقہ ہی زہریلا ہو گیا، پورے علاقے کو گھیر کر رکھا گیا ہے تاکہ کوئی وہاں پہنچ نہیں سکے، سبزی اگائی جاتی ہے لیکن بہت ہی پروٹیکٹڈ ہوتی ہے، کھجور یہاں کا عام درخت اور پھل ہے، کھجور ایک ایسا پھل ہے جس میں سب کچھ ہوتا ہے، تاہم زیادہ کھانے سے شوگر بڑھنے کا خطرہ رہتا ہے، یہاں درخت کاٹنا بہت بڑا جرم ہے۔

سعودی عرب نے جب جدید طور طریقوں سے کاشتکاری کرنا شروع کی تو اس کا زیر زمین پانی ۵۰۰ کیوسک کلو میٹر نیچے چلا گیا، نیشنل جیوگرافک کے مطابق اتنے پانی میں امریکہ کی بڑی جھیل بھر جاتی ہے، اس رپورٹ کے مطابق کھیتی باڑی کے لیے ہر سال ۲۱ کیوسک کیلو میٹر پانی نکالا گیا، نکالے گئے پانی کی بھرائی نہیں ہو پائی، لندن کے سکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز نے سعودی عرب میں پانی نکالنے کے حوالے سے ایک رپورٹ تیار کی ہے۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ سعودی عرب نے چار سے پانچ چوتھائی پانی استعمال کر لیا ہے، ناسا کی ایک رپورٹ کا کہنا ہے کہ سعودی عرب نے سنہ ۲۰۰۲ء سے سنہ ۲۰۱۶ء کے بیچ ۶.۱ اگیگاٹن زیر زمین پانی پر ہر سال کھویا ہے۔ (ماخوذ بی بی سی نیٹ)

ہزاروں سال سے یہ کائنات قائم ہے، ہزاروں سال سے سورج اپنی کرنیں بکھیر رہا ہے، روشنی مہیا کر رہا ہے، چاند اپنی چاندنی بکھیر رہا ہے، ہواؤں کی جھونکے مشام جان کو معطر کر رہے ہیں، ہزاروں

سال سے آبشار بہتے ہیں، ندی نالے بہتے ہیں، دریاؤں اور نہروں میں پانی کی روانی ہے، بڑے بڑے دریاؤں کی متلاطم موجیں دیکھنے والوں کو محو حیرت کر دیتی ہیں۔

ہمارے ایمان اور عقیدے کے مطابق رب تعالیٰ اپنی قدرت اور کاریگری دکھاتے ہیں، انہوں نے آج تک بڑے بڑے کافروں کی روٹی روزی بند نہیں کی، گبر و ترسا اس کے خوان نعمت سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، اس کے دشمن اس کی نعمتوں کے دستر خوان سے مستفید ہو رہے ہیں تو دوستوں کو وہ کب محروم کرتا ہے۔

اسی طرح جب سے اُس نے کائنات بنائی ہے تب سے وہ اپنی مخلوق کو بے حساب پانی پلا رہا ہے، اس کے خزانوں سے کبھی پانی ختم نہیں ہو گا، جن جن محکموں اور تحقیق کاروں نے رپورٹیں پیش کی ہیں یہ اپنے اپنے اعتقاد اور خیال کے مطابق کی ہیں، جب تک یہ کائنات موجود ہے، اللہ کی مخلوق اس میں آباد ہے تب تک پانی اسے ملتا رہے گا، جب کائنات ختم ہو جائے گی مسلمان، مؤمن جنت میں چلے جائیں گے، تو مسلمانوں کو جنت میں پانی کی نہروں سے لطف اندوز و سیر اب کیا جائے گا، جب کہ کافروں کو جہنم میں پانی مانگنے پر پیپ اور خون پلایا جائے گا، انہیں پانی مانگنے پر جھڑکا جائے گا، یہاں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ کافروں کی اکڑ بازی کو سامنے رکھ کر فرمایا گیا ہے۔

قرآن کریم کے ان چند مقامات کی تلاوت کیجیے جن میں اللہ تعالیٰ نے پانی جیسی عظیم نعمت کا ذکر فرمایا ہے تو اندازہ ہو جائے گا کہ پانی کس قدر بیش بہا نعمت ہے، ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا، کیا وہ ایمان نہیں لاتے۔ ایک مقام پر ارشاد ربانی ہے کہ ہم نے آسمان سے پاک پانی اتارا۔ ایک مقام پر ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے تمہارے لیے پانی اتارتا ہے تاکہ اس کے ذریعے تمہیں پاک کرے۔ یہاں سورۃ الملک کے آخر میں پانی کی کمی کو عذاب اور آزمائش قرار دیا ہے کہ جب تمہارا پانی زمین میں جذب ہو جائے تو کون ہے جو تمہیں یہ پانی وہاں سے لا کر دے گا؟

ہمیں بحیثیت مسلمان اللہ کی بیش بہا نعمتوں کی نہ صرف قدردانی کرنا چاہیے بلکہ اس کی بیش بہا نعمتوں پر شکر گزار بھی ہونا چاہیے، شکر گزاروں کو اللہ مزید عطا فرماتے ہیں اور ناشکروں کی گزر اوقات تنگ کر دیتے ہیں اور انہیں بروز محشر اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔

بفضل اللہ، بنصرۃ اللہ آج سورۃ الملک کی تفسیر پایہ تکمیل کو پہنچی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے، اس میں کمی بیشی معاف فرمائے، اس کی خوبیاں قبول فرما کر اسے ہمارے لیے ذریعہ نجات بنائے، ہمارے لیے، ہمارے والدین ماجدین کے لیے، ہمارے اساتذہ کرام اور ہمارے مشائخ کے لیے، ہمارے معاونین ومساعدین کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین ثم آمین بحرمۃ النبی الکریم

خادم اسلام، محمود الرشید عباسی حدوٹی

جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

یکم اپریل ۲۰۱۹ء بروز پیر رات پونے ایک بجے

نظر ثانی وحروف بینی: ۱۳ جولائی ۲۰۱۹ء بروز ہفتہ، حال وارد حدوٹ، مری

نظر ثالث وحروف بینی: ۵ دسمبر ۲۰۲۵ء بروز جمعہ۔ مناواں لاہور، ۳ بجے وقت تہجد

☆☆☆☆